مجموعہ فضائل

فضائل کلمہ طیبہ اور اس کی حقیقت
مولانا محمد ادریس صاحب انصاری مدظلہ

فضائل بسم اللہ
منظور احمد مدظلہ تونسوی

فضائل مسجد
مولانا صدر الدین صاحب عارالانصاری مدظلہ

فضائل وضو
مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی

فضائل اذان و اقامت
مولانا احتشام الحسن کاندھلوی مدظلہ

فضائل مسواک
مولانا مفتی مظفر حسین صاحب [illegible] مفتی اعظم سہارنپور

فضائل جمعہ
مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند

اس کتاب میں
وہ آٹھ کتابیں یکجا کر دی گئی
ہیں جن کے پڑھنے سے اسلام کو سمجھنے
اور اس پر عمل کر کے اسلام کی
برکات سے فیضیاب ہونے میں
آسانی پیدا ہوتی ہے

فضائل اُمّت محمدیہ
مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب بلند شہری مدظلہ

ناشر
کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

حسبنا اللہ ونعم الوکیل

مجموعہ فضائل

جلد اوّل

ناشر

کتب خانہ مجیدیہ ملتان

فون: 43841

1/10/99
20/6/1420ھ
FRI 1:15PM

عرضِ ناشر

محترم قارئین کی خدمت میں التماس ہے

کہ :

"مجموعۂ فضائل" میں اکثر وہ رسائل ہیں جو پاکستان میں پہلے کئی بار چھپ چکے ہیں اور ہر جگہ دستیاب تھے لیکن الگ الگ، جبکہ ان رسالوں کی مانگ ہر وقت رہتی تھی اور لوگ کثرت سے یہ رسائل پوچھتے رہتے تھے۔ تو ہم نے عوام الناس کی سہولت کے لیے تمام فضائل کی کتابیں یک جا جمع کردیں تاکہ ہر آدمی آسانی سے فائدہ اٹھا سکے۔

نیز

"مجموعۂ فضائل" کی دوسری جلد ان شاء اللہ عنقریب منظرِ عام پر آرہی ہے جسمیں بڑے بڑے اہلِ قلم علماء کے گراں قدر مقالے و مضامین درج ہوں گے۔

لا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ

رسالہ :

کلمہ طیّبہ کے فضائل

اور اُس کی برکات

جس میں

بتایا گیا ہے کہ کلمہ طیبہ کیا چیز ہے اُس کی حقیقت کیا ہے اور کلمہ پڑھنے کے حقیقی معنی کیا ہیں؟ یہ وہ کلمہ ہے کہ جس پر ایمان کا دارومدار ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔

مترجمہ :

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب انصاری رحمۃ اللہ علیہ

ناشر :

کُتب خانہ مجیدیہ

بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

فہرست مضامین

دیباچہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الۡعِزَّۃَ فَلِلّٰہِ الۡعِزَّۃُ جَمِیۡعًا ط اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُہٗ ط (فاطر۔ آیت ۱۰) جو کوئی چاہتا ہے کہ عزت ملے وہ یقین رکھے کہ عزت کا خزانہ اللہ کے پاس ہے، وہ قدر کرتا ہے ستھری کلام کی یعنی چڑھ کر جاتا ہے وہ اس کے پاس، اور اونچا کرتا ہے اس کو عمل صالح یعنی شریعت کے بتلائے ہوئے وہ کام جو نیک نیتی سے کئے جائیں، وہ اس کلمہ کو بلند کرتے ہیں۔ قرآن کے جاننے والے بعض علماء نے اس کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ ذکر اور عمل صالح آدمی کو عزت کے مقام پر پہنچاتا ہے یعنی اللہ کے ہاں سے اُن آدمیوں کو عزت ملے گی جو ذکر کے ساتھ عمل صالح کریں گے۔

چونکہ زیر نظر کتاب "ہمارا کلمہ" کلمہ طیبہ کے تقاضوں، اس کے فوائد و برکات اور اس کے اثرات پر مشتمل ہے، اس کی مناسبت سے میں نے کلام مجید کی یہ آیت ترجمہ کے ساتھ دیباچہ میں لکھ دی ہے۔ اگر پڑھنے والے ان کو بغور پڑھیں گے اور بار بار پڑھیں گے تو فائدہ اٹھائیں گے۔

پاکستان میں پہلی بار ۳۲، ۳۳ سال ہوئے، دہلی کے زمانہ قیام میں، اپنے مرشد و مربی اول حضرت مولانا محمد الیاسؒ بانی سلسلہ تبلیغ کی تبلیغی سرگرمیوں میں یہ فقیر بھی پوری طرح حصہ لیتا تھا، اور اس وقت ذہن کی تمام توانائیاں تبلیغ اور اس کی سرگرمیوں اور اس کی جدوجہد میں صرف ہوتی تھیں، اور اسی تاثر کا نتیجہ تھا کہ تبلیغی تحریک کے چھ نمبروں پر چھوٹی چھوٹی عام فہم کتابیں "ہمارا کلمہ"، "میری نماز"، "ہماری تعلیم"، اور "التبلیغ"، وغیرہ لکھ کر میں نے شائع کرائیں۔ یہ کتابیں دہلی میں

چھپیں اور اللہ کے فضل سے سب ہی مقبول ہوئیں۔ ہندوستان میں یہ سب کتابیں اب تک چھپ رہی ہیں اور پڑھی جا رہی ہیں۔

میرے پاکستان آجانے کے بعد، پاکستانی ناشرین کتب نے "میری نماز" تو خوب چھپوائی اور اب بھی مختلف ادارے لاہور، حیدر آباد، ملتان، ساہیوال اور کراچی سے شائع کر رہے ہیں۔ مگر تبلیغی تحریک کا پہلا نمبر یعنی "ہمارا کلمہ" تا حال پاکستان میں نہیں چھپا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اپنے تالیف کردہ رسائل و کتابیں جو پاکستان میں ابھی تک نہیں چھپ سکیں، ان کو چھپوایا جائے۔

میں پہلے پہل تبلیغ کے پہلے نمبر کو چھپوا رہا ہوں اور اگر اللہ جل شانہ نے موقعہ دیا اور زندگی رہی تو دوسرے نمبرات یعنی "ہماری تعلیم" اور "التبلیغ" بھی چھپوانے کی نیت کئے ہوئے ہوں۔ "التبلیغ" کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ تبلیغ کے بانی مرشدنا حضرت مولانا محمد الیاس رح کی اس کتاب پر تقریظ رائے مبارک لکھی ہوئی ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں اس کو پسند فرما کر اس کے لئے لکھائی تھی۔ جہاں تک میری معلومات ہیں تبلیغی تحریک پر لکھی ہوئی تمام کتابوں میں صرف اسی کتاب کو یہ شرف حاصل ہے کہ تحریک کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہ نے اس پر اپنی رائے مبارک سپرد قلم فرمائی ہے۔ میرے علم میں دوسری کوئی کتاب ایسی نہیں جس پر حضرت رح نے اپنی رائے لکھائی ہو۔

این سعادت بزورِ بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

التماس: جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مالی وسعتوں کے ساتھ قلبی وسعتیں بھی عطا کی ہیں اور انہیں خود اپنے، اپنے بچوں اور اپنے احباب کے دین کی فکر کے ساتھ امت کی اصلاح اور اس کے ایمان و یقین کی فکر ہے تو حسبِ استطاعت ۱۰۰، ۵۰ یا کم از کم ۵ نسخے "ہمارا کلمہ"

منگا کر لوگوں میں تبلیغِ دین و اشاعتِ اسلام کی غرض سے تقسیم کرنا کچھ کم ثواب نہ ہوگا۔ اللہ کا دیا ہوا مال اللہ کے دین کی اشاعت اور اس کی تبلیغ میں کام آجائے، یہ مال والے کی بڑی خوش قسمتی ہے۔ ورنہ اللہ جلّ جلالہٗ اپنے دین کے چلانے اور پھیلانے میں مخلوق کا محتاج نہیں جس سے چاہے گا، کام لے لے گا۔ حضرت مولانا محمد الیاس رحؒ ان موقعوں پر یہ شعر پڑھا کرتے تھے،

منّت منہ کہ خدمتِ سلطان ہمی کنی — منّت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

میرا یقین ہے کہ ان شاء اللہ جو حضرات یہ کتاب پڑھیں گے، اُن کے ایمان میں پختگی آئے گی اور دین و ایمان کے لئے جان و مال قربان کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔ بفضلہٖ وکرمہٖ تعالیٰ۔

دوسری التماس یہ ہے کہ کتاب پڑھنے والے حضرات فقیر، اس کے متعلقین اور اس کارِ خیر میں تعاون کرنے والی جماعت کے لئے دُعا فرماتے رہیں کہ ہمارا خاتمہ ایمان پہ ہو، آخرت کی رسوائی سے محفوظ رہیں، دیدارِ الٰہی نصیب ہو۔ آمین۔ فقیر بھی جب تک زندہ ہے سب مسلمانوں کے لئے دُعا گو ہے۔

محمد ادریس الانصاری غفر لہٗ ولوالدیہٖ ولمشائخہٖ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاہُ لَہُ النِّعْمَۃُ وَلَہُ الْفَضْلُ وَلَہُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُخْلِصًا لَہُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ ۞ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ صَلٰوۃً دَائِمَۃً وَسَلَامًا کَامِلَۃً عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔ اَمَّا بَعْدُ !

اسلام کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا رکن

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط ہے ۔ جو شخص بھی دل سے اس کے معنی کو سچ سمجھ کر زبان سے اس کا اقرار کرے گا، وہی مسلمان ہے، اور جو شخص صرف زبان سے یہ کلمہ پڑھتا ہے لیکن دل سے اس کے معنی سچ نہیں سمجھتا وہ مسلمان نہیں ۔ اسی طرح جو شخص دل سے اس کی تصدیق کرتا ہے لیکن بغیر مجبوری کے زبان سے اس کا اقرار نہیں کرتا، وہ بھی مسلمان نہیں ۔

M. Imp definition

(۱) حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی دو جوتیاں دیکر ارشاد فرمایا ۔ اے ابوہریرہ! میری ان دونوں جوتیوں کو لے جاؤ اور جو شخص بھی تم سے اس دیوار کے پیچھے ملے اور وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا زبان سے اقرار کرتا ہو اور دل سے اس کے معنی کی تصدیق کرتا ہو اس کو جنت کی خوش خبری پہنچا دو ۔ یعنی وہ مسلمان ہے ۔ کیونکہ جنت میں مسلمانوں کے سوا کوئی داخل نہ ہوگا ۔ (مشکوٰۃ)

(۲) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار تھے اور معاذؓ آپؐ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے ۔ اس وقت آپؐ نے فرمایا ۔ اے معاذؓ! اس کے جواب میں معاذؓ نے عرض کیا لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَسَعْدَیْکَ ۔ آپ نے بغیر کسی جواب کے دوبارہ فرمایا ۔ اے معاذؓ! معاذؓ نے جواب دیا ۔ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

عہ یہ کلمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض کے بعد پڑھتے تھے ۔ آپ کو چاہیئے کہ اس کو یاد کر کے ہر نماز کے بعد پڑھا کریں ۔ محمد یوسف

وَسَعْدَیْکَ ۔ آپؐ نے تیسری مرتبہ پھر فرمایا ۔ اے معاذؓ ۔ معاذؓ نے پھر عرض کیا ۔ لَبَّیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَسَعْدَیْکَ تب تیسری مرتبہ آپؐ نے ارشاد فرمایا جو کوئی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا زبان سے اقرار کرے اور دل سے اس کے معنی کو سچ جانے، وہ دوزخ پر حرام ہے ۔ معاذؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کیا میں لوگوں کو اس کی خبر نہ دے دوں تاکہ وہ لوگ خوش ہو جائیں ۔ آپؐ نے فرمایا (نہیں) کیونکہ لوگ اس پر بھروسہ کرتے ہوئے عملوں کو چھوڑ بیٹھیں گے ۔ معاذؓ نے مرتے وقت اس حدیث کو ہم سے بیان کر دیا ۔ تاکہ علم چھپانے کا گناہ نہ ہو (بخاری و مسلم شریف)

(۳) حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا ۔ یارسول اللہ اس امر کی نجات کس طرح ہو گی ۔ آپؐ نے جواب دیا جس نے مجھ سے وہ کلمہ قبول کیا جو میں نے اپنے چچا (ابو طالب) پر پیش کیا تھا جسے انہوں نے قبول نہ کیا ۔ پس وہی کلمہ طیبہ اس کے واسطے نجات ہے (مسند احمد)

(۴) حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ سفید چادر اوڑھے ہوئے آرام فرما رہے تھے ۔ میں وہاں سے واپس ہو گیا ۔ دوبارہ پھر حاضر خدمت ہوا، تو آپؐ جاگ گئے تھے ۔ اس وقت آپؐ نے فرمایا جو شخص بھی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا زبان سے اقرار کرے اور پھر اسی اعتقاد پر وہ مر جائے وہ ضرور جنت میں داخل ہو گا ۔ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نہایت تعجب کے ساتھ عرض کیا ۔ یارسول اللہ اگرچہ وہ چوری کرے اور زنا کرے ؟ آپؐ نے فرمایا ۔ ہاں ! اگرچہ وہ چوری کرے اور زنا کرے ۔

دوسری مرتبہ پھر ابی ذرؓ نے کہا ۔ اگرچہ وہ چوری کرے اور زنا کرے ۔ یعنی تعجب کے ساتھ ابوذرؓ نے دوسری مرتبہ سوال کیا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ہاں) اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے ،

تیسری مرتبہ ابوذرؓ نے پھر کہا۔ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری۔ تیسری مرتبہ میں بھی آپ نے فرمایا۔ ہاں! اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے، اگرچہ ابوذرؓ کی ناک مٹی میں مل جائے یعنی چاہے تجھے کتنا ہی تعجب ہو۔ بات یوں ہی ہے کہ جو شخص بھی کلمہ طیبہ کا زبان سے اقرار کرے گا اور دل سے اس کے معنی کی تصدیق کرے گا وہ مسلمان ضرور ہے اگرچہ وہ چوری کرلے اور زنا جیسے گندے سے گندے اور ناپاک عمل کرلے (بخاری و مسلم شریف)

(۵) معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کی کنجیاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کرنا ہے (مسند احمد)

یعنی جو شخص بھی کلمہ طیب کا اقرار کرے گا، اس کو جنت کی کنجی حاصل ہو جائے گی۔ گویا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ جنت کے داخلہ کا ٹکٹ ہے۔ جس کے پاس یہ ٹکٹ ہوگا، وہ جنت میں چلا جاوے گا ورنہ نہیں جائے گا۔

(۶) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں ایمان کی بنیاد ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو اس کا ایمان باقی نہ رہے گا

اوّل جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کیا، اس کے جان و مال کو نقصان نہ پہنچاؤ۔

دوسری، چاہے وہ کتنا ہی بڑا گنہگار ہو۔ اس کو کافر نہ کہو۔

تیسری، چاہے وہ کوئی بھی عمل کرے۔ اس کو اسلام سے خارج نہ کرو (ابوداؤد)

(نوٹ: احکام الٰہیہ کی فرماں برداری اور ارکانِ اسلام کی ظاہری پابندی کرنے کو اسلام کہتے ہیں۔ اور اس چیز کا یقین اور اعتقاد کرنا کہ جو کچھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے لائے ہیں، وہ حق اور درست ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی چیز بھی حق نہیں۔ چاہے تمام دنیا کے سمجھدار اور عقلمند اس کے خلاف اپنا تجربہ اور مشاہدہ بیان کریں، اس کو ایمان کہتے، اور اسلام اور ایمان دونوں کے مجموعہ کو دین کہتے ہیں یعنی جس شخص کے ظاہری اعمال خدا کے حکم کے ماتحت ہوں اور حضورؐ کی لائی ہوئی

شریعت کو دل سے سچا سمجھتا ہو، وہ دین دار (دین والا) ہے ورنہ بد دین۔)

(مظاہر حق ج ۱ صہ ۲۲)

کلمہ کے معنی امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ جو زبان سے کہتا ہے، اس کے معنی کو سمجھے اور دل سے یقین کرے اور اس میں کچھ شک نہ کرے۔ اور جب خوب یقین کر لیا، اور اس کے دل نے اس پر مضبوطی حاصل کر لی اور اس طرح کا قرار پکڑ لیا کہ کسی طرح کا شک و شبہہ اس میں نہ ہو تو اصل مسلمانی میں اس قدر کافی ہے۔

کلمہ کے دو حصے ہیں اول: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دوسرا: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پہلے جز و لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے امام غزالیؒ نے کیمیائے سعادت میں یہ معنی لکھے ہیں کہ اللہ کے سوا اپنی طرف سے کسی کو حکم دینے کا اختیار نہیں، یعنی حکم ماننے کے قابل اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ بلکہ صرف اللہ ہی کی ذات ایسی ہے جس کی حکومت جس کا قانون، جس کے فیصلے تسلیم کئے جائیں۔

حق تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے:۔

اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط (پارہ ۸) جب اس نے پیدا کیا ہے تو حکومت کرنے کا حق بھی اسی کو حاصل ہے۔ اگر بادشاہ کی اطاعت کی جائے تو محض اس بنا پر کہ اللہ نے اس کی اطاعت کا حکم دیا ہے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (پارہ ۵) تابعداری کرو اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اور اپنے میں سے اپنے حاکم اور بادشاہ کی۔ اگر ماں باپ کی دل داری اور دل جوئی کی جائے۔ کلچر اور سیاست میں، اپنی نشست و برخاست اٹھنے بیٹھنے سونے اور جاگنے میں، غرضیکہ زندگی کے ہر پہلو میں صرف اللہ کی ہدایت کو اور اس کے احکامات کو قبول اور تسلیم کرلے۔

چوں طمع خواہد ز من سلطان دیں
خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

نماز: عبادت ہے لیکن جب تک اللہ کے حکم کے ماتحت ہو۔ ورنہ زوال اور غروب کے وقت یہی نماز حرام ہے۔

روزہ: بے شک بہت بڑی عبادت ہے لیکن جب تک قانون کے ماتحت ہو۔ ورنہ عید کے دن یہی روزہ حرام ہے۔

جہاد: اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے لیکن جبکہ اللہ کے نام کی سربلندی کے لئے ہو۔ ورنہ وہی جہاد مردود و ملعون ہے۔

بیوی: سے صحبت کرنا بے شک قابل ثواب ہے لیکن حیض کے دنوں میں یہی صحبت حرام ہو جاتی ہے۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ (پارہ ۲) بیوی سے محبت کرنا اور اس کے حقوق کو ادا کرنا یقیناً ثواب ہے۔ لیکن جب تک اللہ کی طرف سے اس کی اجازت نہ ہو۔ حضرت حنظلہ رض بیوی سے پہلی رات کی ملاقات میں مصروف ہیں۔ لیکن جہاد کی منادی کی آواز سن کر بیوی کے پاس سے جدا ہوتے ہیں اور کہتے ہیں، کہ بس اب ہماری اور تمہاری محبت ختم۔ اب اللہ کی طرف سے اجازت نہیں تو صرف اس بنا پر کہ اللہ نے ان کی دل داری اور دل جوئی کا حکم دیا ہے۔ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (پارہ ۱۵) اسی طرح بیوی بچوں کی پرورش اس بنا پر کی جائے کہ احکم الحاکمین کی طرف سے اس پر ذمہ داری ہے۔ عورت اپنے خاوند کی اطاعت صرف اس بنا پر کرے کہ اللہ نے خاوند کو عورت پر حاکم بنایا ہے۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (پارہ ۵) سود، جوا، چوری رشوت، حرام خوری، زنا، جھوٹ، غیبت، چغلی، بہتان، شراب خوری وغیرہ اس لئے قابل ترک ہیں کہ اللہ نے ان کو چھوڑنے کا حکم فرمایا اِنَّمَا الْخَمْرُ

وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ؕ (پارہ ۷) اور جب مسلمان نے ان معنوں کو سمجھتے ہوئے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا دل اور زبان سے اقرار کیا، تو اس پہ لازم آتا ہے کہ اپنی آزادی، خودمختاری کو خاک میں ملادے۔ اپنی خواہشاتِ نفسانی کو اللہ کے حکم کے مقابلہ میں ٹھکرادے اور اللہ کا بندہ بن کر رہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے۔ تم مومن نہ ہوگے جب تک تمہاری خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہوجائیں (مشکوٰۃ شریف)

جو چیز خدا کے نزدیک پسندیدہ اور اچھی ہو، وہی اس کے نزدیک بھی پسند ہو، اور جو چیز خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہو، وہی اس کے نزدیک بُری ہو اور اپنے اخلاق میں، برتاؤ میں، تمدن اور معاشرت میں کہ تمہارے پاس رہوں، اور یہ کہ کر جہاد میں جاکر شہید ہوجاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہؓ کو مکہ کے غیر آباد جنگل میں چھوڑ کر واپس ہوتے ہیں۔ بیوی کہتی ہے۔ میرا کیا قصور ہے جو اس لق و دق جنگل میں مجھے اور اس شیر خوار بچہ کو چھوڑ کر جارہے ہو۔ تو فرماتے ہیں کہ اللہ کا حکم اسی طرح ہے۔ بچوں سے اسی وقت تک محبت ہو جب تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہو۔ ورنہ کیسے بچے اور کیسی ان کی محبت۔ یہ ہی ابراہیم علیہ السلام حضرت اسمٰعیلؑ کو محض اللہ کے حکم سے ذبح کرنے کے لیے لے گئے اور ان کے گلے پر چھری چلادی۔

صدیق اکبرؓ سے ان کے لڑکے نے اسلام لانے کے بعد کہا کہ اباجان! جنگ کے اندر فلاں موقع پر آپ میری تلوار کی زد میں آگئے تھے۔ میں نے صرف باپ سمجھ کر آپ کو چھوڑ دیا۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا: خدا کی قسم اگر تو میری تلوار کی زد میں آجاتا تو اللہ کے حکم کی وجہ سے میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں، کہ انسان (یعنی مسلمان) کو لازم ہے کہ دل کو مال کی

محبت سے الگ کردے، اور مخلوق سے انقطاع کرلے تاکہ مال اور مخلوق سے دل پاک اور صاف ہوجائے اور جس صفت سے آدمی کا خالی رہنا ممکن نہیں، چاہیئے کہ اس کے درمیانی حصہ پہ قائم رہے جس طرح پانی گرمی اور سردی سے خالی نہیں ہے تو خراب اور نقصان دہ ہے اور جب حدِ اعتدال پہ ہو تو دونوں سے خالی ہے تو ہر صفت میں درمیانی درجہ کا جو حکم ہے وہ اسی راز کی وجہ سے ہے۔ تو اب دل پر نظر کرنی چاہیئے کہ سب سے ٹوٹ کر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے قل اللّٰہ ثم ذرھم بلکہ لا الٰہ الا اللّٰہ کی خود حقیقت یہی ہے۔

اس تقریر سے آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ اگر وہ کسی کام کو کرتا ہے تو اللہ کے حکم کے ماتحت، اور اگر وہ چھوڑتا ہے تو اللہ کے حکم کے تحت۔ اس کے نزدیک ثواب کی وہی چیز ہے جس کے ثواب دینے پر اللہ نے فیصلہ فرمایا۔ اور وہ چیز بے چون وچرا قابلِ عذاب اور قابل نفرت ہے جس کی بابت اللہ نے عذاب کا فیصلہ فرمایا ہے۔

حضرت عمرؓ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

اے حجرِ اسود! میں تجھ کو جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے، نہ تو نفع پہنچا سکتا ہے۔ اور نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ لیکن خدا کی قسم! اگر میں اپنے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو کبھی بھی تجھ کو بوسہ نہ دیتا۔

جب بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا حکم ہوتا ہے تو بیت المقدس کو قبلہ بنا لیا جاتا ہے۔ اور جب وہاں سے ہٹاکر کعبہ شریف کو قبلہ بنایا ہے تو صحابۂ کرام نماز پڑھتے پڑھتے نماز کے اندر ہی بے چون وچرا کیسے بیت المقدس سے منہ پھیر کر خانہ کعبہ کی طرف رخ کر لیتے ہیں۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ (پارہ ۲)

حاصل یہ ہوا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا دل کے ساتھ اقرار کرنے والا بغاوت کے درجہ سے نکل گیا اور اب وہ باغی نہیں رہا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے اقرار کے بعد اگر خلاف قانون کرتا ہے تو قانونی مجرم ضرور ہے لیکن احکم الحاکمین کا باغی نہیں اور باغی کی سزا اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے اور نہ اس کی زندگی ختم کر دی جائے اور قانونی مجرم کی کوئی نہ کوئی حد ضرور ہوتی ہے مثلاً ایک شخص موجودہ قانون میں چوری کرنے والا سال کے بعد یا دو سال کے بعد جس درجہ کا جرم ہوگا سزا بھگتنے پر اپنے مکان آ جائے گا۔ لیکن باغی کے لئے سوا سولی اور پھانسی کے کوئی سزا نہیں۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کی عدالت سے باغی (یعنی جو شخص لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار نہیں کرتا) کے لئے یہی فیصلہ ہوگا کہ اس کی آخری زندگی ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ڈال کر ختم کر دی جائے۔ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰیؕ (پارہ ۳۰) البتہ جو لوگ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے اقرار کرنے والے ہیں وہ باغی نہیں۔ ان سے اگر کوئی حرکت خلاف قانون سرزد ہو جاتی ہے تو اس کو ایک مخصوص سزا دے کر یا معاف کر کے اُخروی زندگی کے مقام یعنی جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

غرضیکہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے اقرار کے بعد ہمارا لین دین، محبت اور دشمنی کا معیار صرف اللہ کے حکم کے تحت ہونا چاہیئے۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مَنْ اَعْطٰی لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ وَاَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ (حدیث) جس نے اللہ کی وجہ سے محبت کی جس نے اللہ کی وجہ سے دشمنی کی، بے شک اس نے کامل کر لیا اپنے ایمان کو۔ اور جس شخص میں کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے بعد یہ حالات اور تبدیلیاں پیدا نہ ہوں وہ صحیح معنوں میں مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

اس کلمہ کے دوسرے حصہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ یعنی محمد اللہ کے رسول ہیں اس کا مطلب میرے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے تمام حکموں کو خدا کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت تلاش کروں گا اور جس چیز کے کرنے پر محمدی دربار سے مہر تصدیق ثبت ہوگی اس کو بے چون چرا دل سے قبول کروں گا۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (پارہ ۵) اور جس چیز کا حق ہونا محمدی دربار سے معلوم ہوگا، اس کو حق جانوں گا۔ کسی حکم کی تعمیل پر آمادہ کرنے اور کسی طریقہ کی پیروی سے روک دینے کے لئے میرے لئے صرف اتنی بات کافی ہوگی کہ اس چیز کا حکم یا اس چیز کی ممانعت خدا کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے ثابت ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۝ (پارہ ۵) اس کے علاوہ کسی دوسری دلیل پر میری اطاعت اور فرمانبرداری موقوف نہ ہوگی۔ حضورؐ کی پیشوائی اور رہنمائی اسی طرح تسلیم کروں گا۔ جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے زمانہ میں اطاعت کی بے مثال نظیر قائم کی تھی اور حضورؐ کے مقابلہ میں اپنی ہر پیاری سے پیاری چیز کو ٹھکرا دینے میں مجھے کوئی تامل نہ ہوگا۔ —

شراب

کون واقف نہیں کہ عرب کے لوگ شراب کے کس قدر شوقین اور دل دادہ تھے۔ خصوصاً شرابی اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ شراب جیسی چیز ایک دم چھوڑ دینی کس قدر مشکل امر ہے۔ لیکن حضورؐ کی طرف سے منادی آواز دیتا ہے کہ سب لوگ اپنی شراب کو بہا دو۔ شراب کے مٹکوں کو توڑ دو۔ تو اس آواز کو سن کر انہوں نے سمجھا کہ ہم محمدؐ کے رسول اللہ ہونے کا دل سے اقرار کر چکے ہیں، اگرچہ ہم کو شراب کتنی ہی پیاری اور محبوب ہو لیکن حضورؐ کے

حکم کے مقابلہ میں ہر چیز ہیچ ہے۔ چنانچہ تمام مسلمانوں نے اپنی شرابیں بہادیں مٹکے توڑ دیئے اور مدینہ کی نالیوں اور گلیوں میں شراب اس طرح بہتی پھرتی تھی جیسے کہ بارش کے زمانہ میں گلی کوچوں میں پانی بہتا پھرتا ہے۔

وطن کسی کو معلوم نہیں کہ تکلیفوں کو سر دل پر لیتے ہوئے ہمیشہ کے لئے اپنا وطن چھوڑ دینا، کوئی آسان کام نہیں۔ پھر دلسرہ یہ کہ جائدادوں اور مکانوں کو چھوڑ کر، بیوی بچے اور جملہ عزیز و اقارب کو چھوڑ کر خود بخود بغیر کسی جبر کے جلاوطنی اختیار کر لینا کس قدر مشکل کام تھا۔ لیکن لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے اقرار کرنے والے خوب سمجھتے تھے کہ ہم کس چیز کا اقرار کر چکے ہیں، اور اس کے اقرار کرنے کے بعد ہم پر کیا کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ چنانچہ جب مکہ چھوڑ کر حبشہ جانے کا حکم ملتا ہے تو خوشی خوشی حبشہ پہنچ جاتے ہیں اور جب کچھ روز کے بعد حکم ملتا ہے کہ اب مکہ کی رہائش چھوڑ کر سب لوگ مدینہ آجائیں تو ہزاروں کی تعداد میں مہاجرین اپنے گھروں، اپنے بال بچوں، مال و دولت اور کاروبار کو چھوڑ کر سب کے سب مدینہ پہنچ جاتے ہیں، اور پردیس میں جو جو تکلیفیں اور مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں، ان کا وہی لوگ اندازہ کر سکتے ہیں جن کے ساتھ یہ واقعات پیش آچکے ہیں۔

مال کی قربانی (۱) دنیا میں جان کے بعد مال ہی کا درجہ ہے۔ انسان جو کچھ کرتا ہے اسی کی خاطر کرتا ہے لیکن لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے اقرار کرنے والے اس کو بھی ہیچ سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے جب ہجرت کا ارادہ فرمایا اور کفارِ قریش کو آپ کی ہجرت کا علم ہوا تو یہ لوگ آپ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے۔ جب تم مکہ میں آئے تھے۔ اُس وقت فقیر تھے اور کوئی تم کو پوچھتا بھی نہ تھا۔ تم ذلیل بے عزت تھے۔ کوئی تم کو عزت کی نظر سے نہیں دیکھتا تھا۔ اب تم نے جتنی دولت جمع کی وہ ہمارے ہی اندر رہ کر کمائی ہے، اور ہمارے

اندر رہ کر جو تم نے مال کمایا ہے اسی کے باعث تمہاری عزت بھی بنی ہے۔ اب تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے مال و جان دونوں کو ہم سے صحیح سالم بچاکر لے جاؤ، تو خدا کی قسم یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس پر حضرت صہیبؓ نے ان سے فرمایا بتلاؤ تمہارا منشا کیا ہے۔ اگر میں تمام اپنی کمائی ہوئی دولت تمہارے حوالے کر دوں اور تم کو اس کا مالک اور مختیار بنا دوں، پھر تو تم کو میرے جانے کا اعتراض نہ ہوگا؟ کفار قریش نے کہا۔ ہاں پھر ہم کو کوئی اعتراض نہیں۔ اس پر حضرت صُہیبؓ نے فرمایا۔ جاؤ میں نے اپنا تمام مال تم کو دیا۔ پھر اُن کو اپنے ساتھ لے گئے اور مکہ کے اندر کسی مقام پر لے جاکر فرمایا کہ یہاں سے کھودو۔ انہوں نے کھودا تو وہاں پر ان کا خزانہ مدفون تھا جب سب کچھ نکل آیا، تو یہ تمام ان کے حوالے کیا۔ اور ایک عورت کا پتہ بتلایا کہ میرے زیورات اس کے پاس امانت رکھے ہیں وہ بھی میں نے تم کو دیئے۔ تم وہاں سے لاکر اپنے اخراجات میں جس طرح چاہو انہیں صرف کر دینا۔

(۱) اس کے بعد حضرت صہیبؓ نے مدینہ کا راستہ اختیار کیا، اور قبا میں حضورؐ کے ساتھ جا ملے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یَا اَبَا یَحْیٰی رَبِحَ الْبَیْعُ اے ابو یحییٰ! تمہاری تجارت کامیاب رہی۔ حضرت صہیبؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھ سے پہلے آپؐ کے پاس ابھی تک کوئی بھی نہیں پہنچا جو آپؐ کو اس کی خبر دیتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپؐ کو میری خبر پہنچائی ہے

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۴۷)

(۲) حضرت خبابؓ فرماتے ہیں کہ عاص ابن وائل کے ذمہ میرا قرضہ تھا میں اپنے قرضہ کا تقاضا کرنے اس کے پاس گیا، اور اس سے اپنی رقم مانگی۔ تو عاص نے جواب دیا۔ خدا کی قسم میں تیری رقم جب تک نہیں دوں گا، جب تک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کا انکار نہ کرے گا۔ اس پر حضرت خبابؓ نے فرمایا خدا کی

قسم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا تو میں اس وقت بھی انکار نہ کروں گا، جب کہ تو میرے سامنے مر کر دوبارہ زندہ ہو جائے۔ (بخاری)

یہ ہی حضرت خبابؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں تنگ آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ خانہ کعبہ کے نزدیک بیٹھے ہوئے تھے۔ اور چونکہ مشرکین نے ہم کو بڑی بڑی تکلیفیں پہنچائی تھیں۔ میں نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضورؐ آپ ان لوگوں کے حق میں بد دُعا کیوں نہیں فرماتے۔ اس پر آپ سیدھے بیٹھ گئے۔ اور غصہ کی وجہ سے آپ کا چہرۂ انور سُرخ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے ایسے لوگ گذر چکے ہیں جن کے جسموں پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتی تھیں اور ان کا گوشت اور پٹھے ان کنگھیوں سے چھیل دیئے جاتے تھے، اور چھیلتے چھیلتے ہڈیاں نکل آتی تھیں، تب ان کو چھوڑ دیتے تھے لیکن وہ لوگ پھر بھی اپنے دین کو نہیں چھوڑتے تھے۔ اور ان لوگوں کے سروں پر آرے چلا کر ان کے بیچ سے دو حصے کر دیئے جاتے تھے اور پھر بھی وہ اپنے دین پر قائم رہتے تھے۔ (البدایہ ص ۵۹ ج ۳ ؏)

(۳) حضرت صدیق اکبرؓ حضرات کے وقت مکہ کی کسی گلی سے گذر رہے تھے۔ اُمیہ بن خلف کے مکان سے گذرے تو وہاں آہ و زاری کی آواز آپ کے کان میں پڑی کیونکہ آپ قدرتی طور سے رحم دل واقع ہوتے تھے، آپ کھڑے ہوگئے اور لوگوں سے دریافت کیا۔ یہ آواز کیسی ہے؟ لوگوں نے کہا۔ اُمیہ کا ایک غلام ہے جس کا نام بلالؓ ہے۔ وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ اُس کے مالک نے اس کو بہت سمجھایا کہ تو اس دین کو چھوڑ دے۔ لیکن اس نے نہ مانا۔ آخر اس کا مالک اس کو یہ سزا دیتا ہے کہ دن چڑھتے ہی اس کے بدن میں کیکر کے کانٹے چبھوتا ہے۔

؏ اس کا پورا نام البدایۃ والنہایۃ ہے اس کے مصنف حافظ ابن کثیرؒ ہیں تاریخ کی معتبر کتاب ہے محمد ادریس۔ بوقت نظر ثانی ۱۰ ؍ اگست ۱۹۶۳ء۔

اور جب دوپہر ہو جاتی ہے تو دھوپ میں اس کو تپتی ہوئی زمین پر چت لٹا کر سر سے پاؤں تک اس کے بدن پر گرم گرم پتھر رکھوا دیتا ہے اور پھر اس کے چاروں طرف آگ جلوا دیتا ہے تاکہ دھوپ کی گرمی اور آگ کی گرمی کی وجہ سے اس کو زیادہ تکلیف پہنچے اور رات کے وقت اپنے مکان میں بند کر کے اپنے غلاموں کو کہہ دیتا ہے کہ تمام رات باری باری سے اس کو مارا کرو۔ تو اب رات ہو گئی ہے اور بلال رضی اللہ عنہ کو سزا مل رہی ہے اور جو کچھ آپ سن رہے ہیں، اسی مظلوم غلام کے رونے کی آواز ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس سارے قصے کو سن کر نہایت ہی دل گیر ہوئے اور اپنے مکان پر واپس آ گئے صبح ہوتے ہی امیہ کے مکان پر پہنچے اور اس سے کہا۔ بھلے آدمی خدا سے ڈر اور اس غلام پر اتنا ظلم نہ کر۔ آخر اس کی خطا کیا ہے۔ اے امیہ اس غلام کو غنیمت جان اور اس کے ساتھ احسان کر، تاکہ آخرت میں تیرے کام آوے۔ امیہ نے کہا۔ جاؤ ہم تمہاری آخرت کو نہیں مانتے۔ اور کہاں سے معلوم ہوا کہ یہ دین سچا دین ہے اور بالفرض اگر سچا بھی ہے تو میرے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں جو میں آخرت کی موہوم (بغیر دیکھی) نعمتوں پر فریفتہ ہو جاؤں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کو دوبارہ پھر سمجھایا اور نصیحت کی کہ میرا کہا مان لے اور اس بے چارے مسکین پر رحم کر۔ تب امیہ نے کہا۔ اگر تم اس پر ترس کھاتے ہو تو تم بھی مالدار ہو اور آخرت پر تم اعتقاد بھی رکھتے ہو۔ تو ثواب کماؤ اور اس غلام کو مجھ سے خرید لو۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا تو یہ پہلے منشا تھا۔ آپ نے یہ بات سن کر فرمایا۔ ہاں! میں اس کے خریدنے کو تیار ہوں بول کیا مانگتا ہے۔ تو جو بھی مانگتا ہے۔ تو جو بھی مانگے گا وہ میں تجھ کو اس کی قیمت میں ادا کروں گا۔ امیہ نے کہا۔ میاں جاؤ بھی تم اس کو کیا خرید و گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ تو مانگ کر تو دیکھ جو کچھ تو مانگے گا میں ادا کر دوں گا اور میں ہر طرح تیار ہوں، امیہ نے

کہا اچھا اگر تم اس کو خریدنا چاہتے ہو تو اپنے غلام نسطاس رومی کو اس کے بدلہ میں دے دو۔ اور نسطاس حضرت ابوبکرؓ کا مانا ہوا نہایت سمجھدار غلام تھا۔ تجارت میں اس کے برابر مکہ میں کوئی غلام بھی ہوشیار اور تجربہ کار نہ تھا مزید برآں اُس کے پاس دو ہزار اشرفیاں بھی نقد جمع تھیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے اس سودے کو بخوشی منظور فرمالیا اور تقریباً سیر دو سیر چاندی اپنی طرف سے دینی کی۔ اور اس قیمت میں حضرت بلالؓ کو خرید کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر کیا اور بلالؓ کی تمام تکلیفوں اور اپنے خرید کرنے کی کیفیت آپؐ کی خدمت میں مفصل بیان کی اور اس کے بعد عرض کیا کہ آپ گواہ رہنا میں نے اللہ کو خوش کرنے کے واسطے بلالؓ کو آزاد کر دیا۔ آپ نہایت ہی خوش ہوئے۔ اسی طرح آپ نے سات غلاموں کو جو اسلام کی وجہ سے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا رہے تھے خرید کر محض خدا کے خوش کرنے کو آزاد کر دیا اور تمام سرمایہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط پڑھنے کے بعد اپنا نہ سمجھا۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ جب ہجرت کے لئے حضورؐ کے ساتھ تشریف لے گئے تو یہ تمام اخراجات کرنے کے بعد ان کے پاس چالیس ہزار کی رقم موجود تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے فرمانے کے بموجب ہجرت کے بعد چند عرصہ میں کل کا کل محض اللہ کو خوش کرنے کے لئے خرچ کر دیا اور جس وقت حضرت ابوبکرؓ کا تمام مال حضورؐ کے فرمانے کے مطابق خرچ ہو گیا تو آپ بالکل فقیر رہ گئے اور آپ کے پاس بدن کے کپڑے تک نہ رہے تب ایک روز ایک کملی کو کرتے کی طرح گلے میں ڈال کر حضورؐ کے پاس آئے۔ یہ کملی جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی تھی۔ اور کانٹوں سے اس کو گونتھ کر بدن پر پہن رکھا تھا۔ ابھی آپ حضورؐ کی خدمت میں حاضر تھے، کہ یکایک جبرئیل علیہ السلام تشریف

لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ابوبکرؓ تو بڑے مالدار تھے، کیا اُن کے پاس کوئی کرتہ بھی نہ رہا جو اس حال میں آپ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ انہوں نے اپنا تمام مال مجھ پر اور میرے کہنے پر خرچ کر دیا اور اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ کو سلام فرمایا اور پوچھا ہے کہ کیا ابوبکرؓ مجھ سے اس تنگی اور فقیری کی حالت میں بھی اسی طرح راضی ہے جس طرح پہلے تھا؟ حضرت ابوبکرؓ جبرائیلؑ کی یہ بات سن کر بے خود ہوگئے ان کی زبان پر بے اختیار یہ کلمہ جاری ہوگیا۔ اَنَا عَنْ رَبِّیْ رَاضٍ، اَنَا عَنْ رَبِّیْ رَاضٍ، "میں اپنے رب سے ہر حال میں راضی ہوں، میں اپنے رب سے اب بھی راضی ہوں"۔ اس سے زیادہ تفصیل دیکھنی ہو تو سورہ والیل کی تفسیر میں مطالعہ فرمائیں۔

(۴) ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غریب مسلمانوں کی فاقہ کشی دُور کرنے کے واسطے مسلمانوں میں چندہ کی تحریک فرمائی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے مکان کے اندر جھاڑو دے کر جو کچھ آپ کے گھر میں تھا، سب حضورؐ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا لائے۔ اور کیا گھر میں چھوڑا عرض کیا کہ گھر میں صرف اللہ کا نام چھوڑا، اور اس کے سوا کچھ نہیں چھوڑا جو کچھ تھا وہ سب جھاڑو دے کر لے آیا ہوں۔ اور حضرت عمرؓ اپنے گھر کا آدھا سامان لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ چار ہزار روپے لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عثمان غنیؓ دس ہزار اشرفیاں لے کر حاضر ہوئے۔ عاصم بن عجلانؓ سو وسق کھجوریں لیکر حاضر ہوئے۔ ایک مسکین صحابیؓ جن کے پاس کچھ نہ تھا، رات بھر ایک زمیندار کے کھیت میں مزدوری کی اور سیر ڈیڑھ سیر کھجوریں لے کر چندہ دینے

کے لئے حاضر ہوئے اور حضورؐ کی خدمت میں عرض کرنے لگے کہ حضورؐ میرے پاس کچھ نہ تھا لیکن آپ کی تعمیل ارشاد میں اور شوقِ ثواب میں، مزدوری کر کے یہ حقیر چندہ پیش کرتا ہوں۔ اس کو قبول فرما لیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت خوشی کے ساتھ قبول فرمایا۔ (تفسیر دُرِّ منثور)

(۵) ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ بیمار ہوئے اور بحالتِ مرض آپ کے دل نے انگور کھانے کی فرمائش کی۔ اُن کی بیوی نے ایک درہم کے انگور بازار سے منگائے راستہ میں ایک مسکین پیچھے لگ گیا۔ اِدھر انگور حضرت ابن عمرؓ کے سامنے رکھے گئے اُدھر سائل نے سوال کیا۔ سائل کی آواز سُنتے ہی حضرت ابنِ عمرؓ نے وہ تمام انگور سائل کو دے دیئے۔ بیوی نے دوبارہ خادم کو ایک درہم دے کر انگور منگائے تو وہی سائل دوسری مرتبہ آکر سوال کرنے لگا۔ آپ نے کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ سائل کی آواز کان میں پہنچی۔ انگوروں کے اوپر سے فوراً ہاتھ اُٹھا لئے اور بے قرار ہو کر فرمایا۔ دیکھو سائل آیا۔ سائل آیا۔ اور دوبارہ پھر تمام کے تمام انگور اٹھا کر سائل کو دے دیئے۔ تیسری مرتبہ آپ کی بیوی نے پھر انگوروں کے واسطے خادم کو پیسے دیئے۔ اور نہایت خوشامد کے ساتھ سائل سے کہا، کہ آپ کی مہربانی ہوگی۔ اب کی مرتبہ آپ تشریف نہ لائیں کیونکہ میرے شوہر بیمار ہیں اور ان کی طبیعت انگوروں کو بہت دیر سے چاہ رہی ہے۔ تیسری مرتبہ وہ سائل نہ آیا۔ تب ابن عمرؓ نے انگور کھائے۔ اگر اس دفعہ بھی سائل آجاتا تو ابن عمرؓ اس بار بھی انگور نہ کھاتے [ع] (تفسیر ابنِ کثیر، جلد اوّل

تفسیر (لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ)

(۶) یہی حضرت ابن عمرؓ جب بیماری سے تندرست ہوئے تو اپنے شاگردوں

[ع] فقیر نے ابن عمرؓ کے اس قسم کے دوسرے واقعات حضرت نافعؒ کے حوالہ و مقالات صحابہ میں بھی جمع کئے ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

سے مچھلی کے کباب کی فرمائش کی لوگ فوراً مچھلی بھون کر لے آئے۔ جس وقت بھنی ہوئی مچھلی آپ کے سامنے رکھی گئی۔ سائل نے دروازے پر آکر آواز دی "اللہ کے واسطے جو کچھ ہو دے دو"۔ ابن عمرؓ نے نافعؓ سے فرمایا۔ بجنسہ یہ ساری مچھلی سائل کو دے دو۔ غلام نے ساری مچھلی سائل کو دے دی۔ لوگوں نے عرض کیا۔ یہ تو آپ کی خواہش کی چیز تھی، آپ نے کیوں تناول نہ فرمائی۔ ساری ہی خیرات کردی، کچھ تو اپنے لئے رکھ لیتے۔ فرمایا کہ رب العالمین فرماتا ہے۔ لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ط (پارہ ۴) یعنی تم نجات اور فلاح کو ہرگز نہیں حاصل کر سکتے۔ جب تک اپنے دل کی پیاری اور چاہتی ہوئی چیزوں کو خدا کے واسطے خرچ نہ کروگے۔ ابن عمرؓ نے کہا۔ اے لوگو! سب سے زیادہ میرے دل کی چاہتی چیز یہ ہی مچھلی تھی جو میں نے خدا کے راستہ میں خرچ کردی

(تفسیر ابن کثیرؒ جلد اوّل، وحلیۃ الاولیاء جلد ۱)

(۷) مدینہ منورہ میں ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا تجارتی منافع تقریباً تین سو اونٹوں پر لد کر آیا۔ تو تمام مدینہ میں اس کا شور ہو گیا۔ جب حضرت عائشہؓ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بارے میں سچ فرمایا تھا۔ کسی طرح حضرت عائشہؓ کی یہ بات حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے کان میں بھی پہنچ گئی۔ اسی وقت دوڑتے ہوئے حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور عرض کرنے لگے۔ اُم المومنینؓ! فرمائیے حضورؐ نے میری بابت کیا ارشاد فرمایا تھا؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ میرے سب صحابہ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ مال کی کثرت کے سبب آخر میں گھٹتے گھٹتے جنت میں پہنچیں گے۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا کہ اے اُم المومنین! تم گواہ رہنا کہ میں نے سب مال اونٹوں سمیت اللہ کے واسطے

دے دیا اور لانے والے تمام غلام آزاد کئے تاکہ ان کی بدولت میں بھی جنت میں آسانی سے پہنچ جاؤں۔ (کیمیائے سعادت امام غزالیؒ و تاریخ صحابہ حالات عبدالرحمٰن بن عوفؓ)

• حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اشرفیوں کی دو تھیلیاں روانہ کیں۔ جن کی کل تعداد ایک لاکھ اسی ہزار (۱۸۰،۰۰۰) تھی۔ حضرت عائشہؓ نے طباق منگا کر سارے محلہ میں وہ اشرفیاں تقسیم کر دیں۔ آپ کی خادمہ حاضر ہوئیں اور عرض کرنے لگیں کہ حضرت کئی روز سے گھر میں سالن نہیں پکا، روزانہ روٹی بغیر گوشت کے کھائی جاتی ہے۔ کچھ پیسے دے دیجئے تاکہ بازار سے کچھ گوشت خرید لاؤں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر پہلے سے تم آتیں تو ضرور تجھے کچھ پیسے دے دیتی لیکن اب تو میرے پاس کچھ بھی نہیں بچا جو میں تجھے دے دوں عہ (کیمیائے سعادت و حلیۃ الاولیاء جلد ۱)

(۹) حضرت حسنؓ کے ذمہ کچھ قرض تھا۔ جب حضرت امیر معاویہؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے اسی ہزار اشرفیاں حضرت حسنؓ کو دے دیں تاکہ وہ اپنا قرض ادا کر دیں۔

(۱۰) حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہٗ ایک روز رو رہے تھے لوگوں نے آپ سے رونے کا سبب دریافت کیا، تو فرمایا کہ آج سات روز سے کوئی مہمان میرے گھر نہیں آیا۔ اس لئے رو رہا ہوں۔

(۱۱) حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام نے ابلیس کو دیکھا۔ فرمایا تو سب سے زیادہ دشمنی کس کے ساتھ رکھتا ہے اور سب سے زیادہ دوستی کس کے ساتھ رکھتا ہے۔ ابلیس نے کہا۔ بخیل عبادت گذار کو بہت چاہتا ہوں۔ اور

عہ فقیر نے اس قسم کے حیرت انگیز قصے حالات و مقالات صحابہ جلد اوّل میں بڑی تفصیل سے لکھے ہیں عورتوں اور مردوں کیلئے اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ محمد ادریس الانصاری

اس سے زیادہ دوستی رکھتا ہوں کہ وہ بیچارہ دن رات عبادت میں جان مارتا ہے اور بخیلی اس کی تمام عبادتوں کو کھو دیتی ہے اور فاسق سخی کو زیادہ دشمن رکھتا ہوں کہ وہ خوب کھاتا ہے اور خوب مزے اڑاتا ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس کی سخاوت کے ساتھ اس پر رحم نہ کر دے اور مرتے وقت اسکو توبہ کی توفیق نہ دے دے۔ (کیمیائے سعادت)

امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ مال کا ایک حجاب ہے جو کہ دل کو اپنی طرف مشغول رکھتا ہے۔ اور جب تک دل ہر طرح سے فارغ نہ ہو آدمی صراطِ مستقیم پر نہیں چل سکتا۔ اس لئے صراطِ مستقیم پر چلنے کی خواہش رکھنے والے کو لازم ہے کہ اپنے پاس سے قدرِ حاجت کے سوا باقی مال کو اٹھا دے اور اپنے پاس سے دور کر دے۔ کیونکہ ضرورت کے مقدار مال رکھنا مشغولیت میں داخل نہیں اور جو شخص ایسا ہے کہ اپنے پاس کچھ نہیں رکھتا اور خدا کے واسطے ہی محنت کرتا ہے تو اس کی راہ طے ہو جائے گی۔ (کیمیائے سعادت)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، دنیا اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب ملعون ہے، مگر وہ ملعون نہیں جو اس میں خدا تعالیٰ کے لئے ہو۔ ع

۱۲ حضرت اویس قرنی رضؓ دنیا سے اس قدر بیزار تھے کہ ان کی قوم ان کو دیوانہ سمجھتی تھی۔ فجر کی نماز کے لئے اوّل وقت باہر نکلتے تھے، اور عشاء کی نماز کے بعد آتے۔ راستہ سے چھوہاروں کی گٹھلیاں اٹھا کر کوٹ کر کھایا کرتے تھے۔ اور ان کے کپڑوں کا یہ حال تھا کہ کوڑی پر سے چیتھڑے اٹھا لیتے اور ان کو دھو کر اور سی کر پہن لیتے تھے۔ لڑکے ان پر پتھر پھینکتے تو آپ فرماتے کہ چھوٹے چھوٹے پتھر مارا کرو، تاکہ طہارت ختم نہ ہو اور نماز سے نہ رک جاؤں (کیمیائے سعادت)

ع صحیح حدیث ہے۔ اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنٌ وَّمَلْعُوْنٌ مَافِیْھَا اِلَّا ذِکْرَ اللّٰہِ الخ

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم جس نے مال کو دوست اور محبوب رکھا۔ حق تعالیٰ نے اس کو ذلیل کیا۔

حضرت علی رضؓ نے ایک درم ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ تو وہ چیز ہے جب تک تو میرے ہاتھ سے نہ نکلے۔ مجھے فائدہ نہ دے سے

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ روپیہ پیسہ بچھو ہیں ان کو ہاتھ نہ لگاؤ جب تک ان کا منتر نہ سیکھو۔ ورنہ اس کا زہر تم کو ہلاک کر دے گا۔ لوگوں نے پوچھا کہ اس کا منتر کیا ہے۔ فرمایا۔ حلال آمدنی، ضروری خرچ۔

جان کی قربانی

۱۔ جب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت طلحہؓ نے کلمہ پڑھا تو ان دونوں کو نوفل بن خویلد نے پکڑ کر ایک رسی میں باندھ دیا۔ جس پر حضورؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اکْفِنَا شَرَّ ابْنِ الْعَدَوِیَّۃِ۔ ترجمہ۔ اے اللہ نوفل کے شر سے ہم کو محفوظ فرما۔ (البدایہ ص۲۹ ج ۳، لابن کثیر۔)

۲۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں جب کلمہ پڑھنے والوں کی تعداد ۳۶ کو پہنچ گئی تو حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ کی خدمت میں اصرار کیا، کہ آپؐ ظاہر ہو کر کھلم کھلا تبلیغ کیوں نہیں فرماتے۔ تو آپؐ نے یہ جواب دیا۔ یَا اَبَا بَکْرٍ اِنَّا قَلِیْلٌ" (ترجمہ) اے ابوبکرؓ! ہماری تعداد ابھی تھوڑی ہے۔ لیکن ابوبکرؓ برابر ظاہر ہونے پر زور دیتے رہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہوئے اور مسلمان خانہ کعبہ کے مختلف گوشوں میں پھیل گئے اور ابوبکرؓ نے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر تقریر شروع کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ گویا کہ امت میں سب سے پہلے دعوتِ اسلام کا خطبہ حضرت ابوبکرؓ نے دیا۔ کفار نے جو آپ کا خطبہ سنا تو آپ پر اور تمام مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور جتنا مارا گیا مسلمانوں کو مارا۔ جس میں حضرت ابوبکرؓ کی تو یہ کیفیت

سے حضرت علیؓ کے اس قسم کے واقعات حالات و مقالات صحابہ جلد ۲ میں پڑھیں۔ مسکین نے بڑی تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں۔ محمد ادریس الانصاری۔

ہوئی کہ ان ظالموں نے انہیں پاؤں میں ڈال کر اتنا مارا کہ جس کی کوئی حد نہیں۔
اسی وقت عُتبہ بھی آپ کے نزدیک پہنچا اور اپنی نعل دار جوتیوں سے آپ کے چہرے پر مارنے لگا۔ اور آپ کے پیٹ پر چڑھ بیٹھا۔ غرضیکہ مارتے مارتے آپ کا یہ حال کر دیا کہ دیکھنے والے کو آپ کے چہرہ اور ناک میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا تھا اور بنو تمیم اُن کے کُنبہ والے آپ کو ایک کپڑے میں اٹھا کر لے گئے اور ان کو گھر پہنچا دیا۔ لیکن ان کو یقین تھا کہ ابوبکرؓ اب نہیں بچ سکتے اور اس کے بعد ابوبکرؓ کے کنبہ والے بنو تمیم بیت اللہ میں آکر کہنے لگے۔ خدا کی قسم اگر ابوبکرؓ مر گئے تو ہم عُتبہ کو بغیر قتل کئے نہ چھوڑیں گے۔ اس کے بعد یہ لوگ ابوبکرؓ کے مکان پر اکٹھے ہو کر آئے اور ہوش میں لانے کے واسطے حضرت ابوبکرؓ کے والد اور بنو تمیم ابوبکرؓ کو آواز دینے لگے۔
شام کے بعد آپ کو ہوش آیا اور آپ نے جواب دیا۔ تب یہ لوگ وہاں سے اپنے اپنے گھر واپس آئے اور ان کی والدہ اُمّ الخیر سے کہنے لگے۔ کہ دیکھنا ان کے کھانے پینے کا خیال رکھنا۔ ہوش میں آنے کے بعد جب یہ لوگ چلے گئے اور ان کی والدہ تنہائی میں پہنچیں اور آواز دی بیٹا ابوبکرؓ آنکھیں کھولو۔ بیٹا ہماری بات کا جواب دو۔ آپ پھر ہوشیار ہوئے اور کہنے لگے۔ میرے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ تب ان کی والدہ نے کہا۔ مجھے تیرے ساتھی کی کوئی خبر نہیں، اس پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ امّاں جان آپ اُمّ جمیلؓ کے پاس جائیے اور میرے محبوب دوست کا حال ان سے مفصّل معلوم کر کے آئیے۔ والدہ رات کے وقت بیمار کی دلداری کی غرض سے زخمی بیمار کو اسی حالت میں چھوڑ کر اُمّ جمیل کے پاس تشریف لے گئیں اور اُمّ جمیلؓ سے کہنے لگیں کہ ابوبکرؓ تجھ سے محمدؐ بن عبداللہ کا حال معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر اُمّ جمیلؓ نے کہا کہ نہ میں ابوبکرؓ کو جانتی ہوں اور نہ محمدؐ بن عبداللہ کو۔ ہاں اگر تو کہے تو تیرے ساتھ تیرے بیٹے کے پاس چلی چلتی ہوں۔ حضرت ابوبکرؓ

کی والدہ نے کہا اگر اتنی تکلیف گوارا کرو تو تمہاری بڑی مہربانی ہو گی، شاید میرے بچے کی جان بچ جائے۔ یہ سن کر حضرت اُمّ جمیلؓ ان کی والدہ کے ساتھ چل پڑیں اور مکان پر پہنچ کر دیکھا کہ ابوبکرؓ شدید زخمی ہو کر بے ہوش پڑے ہوئے ہیں۔ اُمّ جمیلؓ یہ دیکھ کر ان کے قریب پہنچیں اور پکار پکار کر کہنے لگیں کہ ظالم قوم نے جو کچھ تیرے ساتھ کیا، بہت برا کیا۔ خدا اُن سے ضرور تیرا بدلہ لے گا۔ تب حضرت ابوبکرؓ نے اُمّ جمیلؓ کی آواز سن کر آنکھیں کھول لیں اور اُن سے پوچھا۔ اُمّ جمیل! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ اُمّ جمیل آہستہ سے کہنے لگیں۔ تمہاری ماں سن رہی ہے، خاموش ہو جاؤ۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ کوئی اندیشہ کی بات نہیں، تم بے فکر رہو۔ اس مرتبہ اُمّ جمیلؓ نے کہا۔ سَالِمٌ صَالِحٌ۔ خدا کا شکر ہے کہ آپؐ صحیح سالم ہیں۔ حضورؐ کی خیریت معلوم کر کے ابوبکرؓ نے خوش ہو کر اُن سے پوچھا۔ آنحضرت کہاں ہیں؟ اُمّ جمیلؓ نے کہا ابن الارقم کے گھر میں۔ ابوبکرؓ بولے۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک حضورؐ کی خدمت میں نہ پہنچ جاؤں۔ نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا۔ ان دونوں نے تھوڑی دیر کے لئے مہلت دی۔ جب خاصی رات گذر گئی اور لوگوں کی آمد و رفت بند ہو گئی، اور راستہ پر سناٹا چھا گیا۔ تب یہ دونوں نیک بیبیاں آپ کو سہارا دے کر بہ مشکل تمام ان کے گھر سے لے چلیں اور تھوڑی دیر کے بعد انہیں حضورؐ کے پاس پہنچا دیا۔ حضورؐ نے ان کا یہ حال دیکھا تو آپؐ اُن کو جھک کر دیکھنے لگے۔ اور انہیں بوسہ دیا۔ اس کے بعد تمام مسلمانوں نے ابوبکرؓ کو حضورؐ کی طرح جھک کر دیکھا۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ابوبکرؓ کا حال دیکھ کر روتے روتے حضورؐ کی ہچکی بندھ گئی۔ تب ابوبکرؓ نے ادب سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، مجھے اس تکلیف کی کوئی پروا نہیں۔ البتہ اس کا ضرور خیال ہے کہ اس بدبخت نے میرے چہرے کو بگاڑ دیا۔ دوسرے یہ میری ماں اپنے بیٹے پر بہت شفیق ہے اور آپ بڑی برکت والے ہیں،

لہٰذا اس کو کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی دعوت دیجئے اور اللہ سے اس کے حق میں دُعا کیجئے۔ شاید اللہ تعالیٰ آپ کی بدولت اس کو جہنم سے بچالیں۔ آپ نے ابوبکرؓ کی درخواست منظور فرمائی اور اللہ سے دعا کرنے کے بعد ان کی والدہ کو کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی دعوت دی، اور نتیجہ یہ ہوا کہ اسی وقت حضرت ابوبکرؓ کی والدہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگئیں۔ (البدایہ ص۳۰ ج ۲)

حضرت ابوبکرؓ کے اس واقعہ کے بعد حضورؐ نے دعا فرمائی۔ کہ اے اللہ یا تو ابوجہل کو اسلام کی توفیق دیدے یا عمرؓ کو۔ چنانچہ بدھ کے روز آپ نے بدھ کے روز آپ نے دُعا فرمائی اور جمعرات کو حضرت عمرؓ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگئے۔ ان کے اسلام لانے کا قصہ مشہور ہے۔ اس لئے نہیں لکھا جاتا ہے حضرت عمرؓ نے اسلام لانے کے بعد حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا۔ ہم اپنے دین کو کیوں چھپائے رکھیں جب کہ ہم حق پر ہیں اور مشرکین حالانکہ ان کا دین باطل ہے وہ اس کو ظاہر کر کے اپنی مشرکانہ رسومات بے دھڑک ادا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ یَا عُمَرُ اِنَّا قَلِیْلٌ قَدْ رَاَیْتَ مَا لَقِیْنَا اے عمرؓ ہم تھوڑے ہیں اور تجھ کو معلوم ہے کہ جو کچھ ہمارے ساتھ پیش آچکا۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا میں جس مجلس میں بھی کفر کے ساتھ بیٹھا تھا، اسی مجلس میں جاکر اپنے ایمان کو بے دھڑک ظاہر کروں گا۔ یہ کہہ کر حضورؐ کے پاس سے آپ رخصت ہوئے۔ بیت اللہ میں آئے طواف کیا۔ پھر قریش کی مجلس میں پہنچے۔ قریش آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ تو ابوجہل بولا اے عمرؓ ہم نے سنا ہے تو بھی مرتد ہوگیا۔ تب حضرت عمرؓ نے باآواز بلند کہا۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ بس قریش کا یہ کلمہ سننا تھا اور حضرت عمرؓ پر حملہ کرنے کے لئے ٹوٹنا تھا۔ آناً فاناً تمام لوگ ایک دم آپ پر حملہ آور ہوگئے۔ حضرت عمرؓ نے ہوشیاری کی اور عتبہ کو قبضہ میں کر کے

اس پر چڑھ بیٹھے۔ یہ لوگ حضرت عمرؓ کو مار رہے تھے اور حضرت عمرؓ نیچے پڑے ہوئے عتبہ کو مار رہے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے عتبہ کی آنکھوں میں انگلیاں دے دیں، اور جب عتبہ چیخنے لگا تو لوگ گھبرا کر حضرت عمرؓ کے پاس سے ہٹ گئے۔ تب حضرت عمرؓ نے بھی عتبہ کو چھوڑ دیا اور واپس تشریف لائے۔ پس اب تو حضرت عمرؓ کو گر ہاتھ لگ گیا جب بھی یہ لوگ آپ پر حملہ کرتے۔ آپ ان کے سردار کو پکڑ لیتے اور خوب کوٹتے۔ یہاں تک کہ لوگ حضرت عمرؓ سے عاجز ہو گئے، اور مجبور ہو کر ان کا پیچھا چھوڑ دیا۔[1] (ابن کثیر)

خالد بن سعیدؓ فرماتے ہیں کہ میرے اسلام لانے کا سبب یہ ہوا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ آگ کے بہت بڑے گڑھے پر کھڑا ہوں۔ ایک آنے والا آیا۔ اس نے مجھے اس میں دھکیلنا چاہا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پکڑ لیا اور اس میں مجھے گرنے نہ دیا۔ میں اپنی نیند سے جاگا اور گھبرایا ہوا اٹھا اور اپنے دل میں کہنے لگا۔ خدا کی قسم، یہ خواب سچا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ سے ملا اور ان سے اپنا خواب بیان کیا۔ تو ابوبکرؓ نے فرمایا۔ دیکھ وہ رسول اللہ ہیں۔ ان کا اتباع کر اور اسلام قبول کر۔ اسلام ہی تجھ کو جہنم میں جانے سے بچائے گا۔ چنانچہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ یا محمدؐ! کس چیز کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا۔ میں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور محمدؐ اس کا بندہ اور رسول ہے اور اس کی دعوت دیتا ہوں کہ تو پتھروں کی پوجا کو چھوڑ دے۔ جو نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ان کو یہ معلوم ہے کہ کون ان کی پوجا کرتا ہے اور کون

---

[1] فقیر نے حضرت عمرؓ کے اس قسم کے واقعات و حکایات، حالات و مقالات صحابہؓ میں بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ محمد ادریس عفا اللہ عنہ و والدہ و مشائخہ۔

ان کی پوجا نہیں کرتا۔ حضرت خالدؓ کہتے ہیں۔ میں نے یہ سن کر کہا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ اس پر حضورؐ خوش ہوئے۔ اور خالدؓ اس کے بعد گھر سے غائب رہنے لگے۔ کچھ روز بعد ان کے باپ کو معلوم ہوا کہ خالدؓ مسلمان ہو گئے ہیں، تو ان کے والد نے ان کی تلاش کرائی۔ آخر کار یہ پکڑے گئے۔ جب والد کے پاس پہنچے تو اُس کے ہاتھ میں ہتھوڑا تھا۔ اس ہتھوڑے سے ان کے سر پر مارنا شروع کیا۔ اور اتنا مارا کہ ہتھوڑے کا دستہ ان کے سر پر ٹوٹ گیا۔ اور کہا کہ خدا کی قسم تیرا کھانا بند کر دوں گا۔ اس پر حضرت خالد بولے۔ اگر تو بند کر دے گا۔ میرا اللہ جب تک میں زندہ رہوں گا مجھے اپنی قدرت سے دے گا۔ اور اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہمیشہ کے لئے رہنے لگے۔ (البدایہ ج ۳)

حضرت ابو ذر غفاریؓ جب اسلام کے شوق میں مکہ مکرمہ میں حاضر ہوئے تو ایسا وقت تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سے بات کرنا اور آپؐ کا پتہ بھی پوچھنا بہت بڑا جرم تھا۔ اس لئے ابو ذرؓ آپ کے انتظار میں مکہ معظمہ میں تشریف لائے۔ اتفاق سے آپ نے کسی مشرک سے پوچھا کہ جس کو صابی کہتے ہو یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ بس اتنا پوچھنا تھا کہ اس مشرک نے میری طرف اشارہ کیا تو وہاں کے لوگ مجھ پر پتھر اور ہڈیاں لے کر پل پڑے اور مجھے اتنا مارا کہ میں بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ پھر جب مجھ کو ہوش آیا تو میں اس حالت میں اٹھا کہ خون کا لوتھڑا تھا۔ پھر میں زم زم کے کنویں کے پاس آیا اور اس کا پانی پیا۔ اور اپنے خون کو اس سے صاف کیا اور خانہ کعبہ کے پردوں میں تیس روز تک چھپا رہا اور اس عرصہ میں سوائے زم زم کے پانی کے دوسری کوئی چیز میرے حلق میں نہیں پہنچی۔ تیس ۳۰ روز کے بعد اتفاق سے حضورؐ کی ملاقات بیت اللہ میں ہوئی۔ آپؐ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ بھی تھے۔ میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا۔

آپ نے فرمایا۔ وعلیکم السلام، تو کون ہے؟ میں نے کہا۔ قبیلہ غفار سے ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ تم یہاں کب سے ہو۔ میں نے کہا۔ تیس روز سے۔ آپؐ نے فرمایا۔ تم کو کھانا کون دیتا تھا؟ میں نے عرض کیا۔ حضورؐ میرے پاس سوائے زمزم کے پانی کے اور کوئی غذا نہیں تھی۔ لیکن الحمد للہ میں پہلے سے موٹا ہوں اور کبھی بھی مجھکو بھوک کی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اِنَّہَا مُبَارَکَۃٌ اِنَّہَا طَعَامُ طُعْمٍ۔ اس کے بعد حضورؐ کی خدمت میں حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ حضورؐ آج کی رات مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان کو کھانا کھلادوں۔ حضورؐ نے ابوبکرؓ کو اجازت دے دیدی۔ تب میں ابوبکرؓ اور حضورؐ حرم شریف رخصت ہوئے اور اور ابوبکرؓ اپنے مکان پر پہنچے۔ دروازہ کھلوایا اور میرے لئے طائف کی کشمش لے کر آئے تو تیس دن جو سب سے پہلی غذا میرے پاس پہنچی، طائف کی یہ کشمشیں تھیں، جو میں نے خوب سیر ہو کر کھائیں[1] (البدایہ ج ۳ ص ۲۶۵ لابن کثیرؒ)

حضرت عثمانؓ بن مظعون کفار کے ظلم سے تنگ ہو کر ولید بن مغیرہ کی پناہ میں آگئے تھے اور ولید بن مغیرہ نے ان کو اپنی پناہ اور حمایت میں رکھا ہوا تھا۔ لیکن جب حضرت عثمانؓ نے دیکھا کہ حضورؐ کے صحابہؓ کو جن کا کوئی پناہ دینے والا نہیں وہ قسم قسم کی تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کرتے ہیں اور میں ولید کی وجہ سے امن وامان سے صبح وشام مکہ میں بغیر کسی تکلیف کے پھرتا ہوں۔ تو ان کو غیرت آئی اور اپنے نفس کو ملامت کرتے ہوئے کہنے لگے خدا کی قسم ایک مشرک کی حمایت میں میرا پھرنا اور اپنے دینی بھائیوں کو سخت سے سخت تکلیفوں اور اسلام کی خاطر ہر قسم کی مصیبتوں کو برداشت کرتے ہوئے دیکھنا تیری غیرت کے خلاف ہے بس تیرے لئے یہی مناسب ہے کہ تو اس مشرک کی حمایت چھوڑ کر اسلام کی خاطر

---

[1] مسکین نے حضرت ابوذرؓ کے حالات و مقالات تفصیل کے ساتھ حالات و مقالات صوفیہ و صحابہ میں لکھ دیئے ہیں۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ محمد ادریس عفر لہٗ الدیہ و مشائخہ ۱

تو بھی اپنے بھائیوں کی طرح مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کر۔ چنانچہ میں ولید کے پاس گیا اور اُس سے کہا۔ اے ابوعبدشمس! اب تیری ذمہ داری پوری ہوگئی اور میں تیری حمایت اور پناہ تجھ کو واپس کرتا ہوں۔ ولید کہنے لگا کیوں شاید میری قوم کے کسی فرد نے تجھ کو کوئی تکلیف پہنچائی ہے۔ حضرت عثمان رضؓ بولے نہیں نہیں، لیکن تیری حمایت چھوڑ کر اب میں اللہ کی حمایت میں آنا پسند کرتا ہوں اور اب میری قطعی رائے یہی ہے کہ اللہ کے سوا اور کسی کی پناہ اور حمایت حاصل نہ کروں۔ اس پر ولید نے کہا۔ اچھا تو بیت اللہ میں چل کر تو سب کے سامنے میری امان مجھ کو کھلم کھلا واپس کر دے جس طرح جس طرح میں نے تجھ کو کھلم کھلا سب کے سامنے امان دی تھی، حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا۔ بہت اچھا چلو۔ چنانچہ دونوں کعبہ کی طرف چلے اور خانہ کعبہ میں آکر ولید نے کہا۔ یہ عثمان رضؓ میری پناہ اور حمایت واپس کرتا ہے۔ حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا۔ یہ سچ کہتا ہے۔ میں نے اس کو ہر قسم سے اچھا پایا یا معاملہ کا پکا پایا۔ لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ کی پناہ میں رہوں۔ اس خیال سے میں نے ان کی حمایت کو واپس کر دیا۔ پھر یہاں سے حضرت عثمان رضؓ واپس ہوئے۔ اور لبید بن ربیعہ قریش کی ایک مجلس میں شعر سنا رہا تھا تو اس مجلس میں حضرت عثمان رضؓ بھی بیٹھ گئے۔ اس وقت لبید نے یہ مصرعہ کہا اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلُ (ترجمہ) سن لو اللہ کے علاوہ ہر چیز باطل ہے۔ اس کو سن کر حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا۔ سچ کہا تو نے۔ اس کے بعد لبید نے دوسرا مصرعہ پڑھا۔ وَکُلُّ نَعِیْمٍ لَا مُحَالَۃَ زَائِلُ۔ (ترجمہ) اور ہر نعمت یقیناً زائل ہونے والی ہے۔" اس پر حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا تو جھوٹا ہے۔ جنت کی نعمتیں زائل ہونے والی نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گی۔ اس پر لبید نے قوم کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ دیکھو اس نے مجھ کو کتنی تکلیف پہنچائی۔ یہ بدبخت یہاں پر کب آیا۔ لوگوں نے کہا۔ آپ غم نہ کیجئے۔ یہ انہی پاگلوں میں سے ایک

پاگل ہے جنہوں نے ہمارے دین کو چھوڑ دیا اور نیا دین اختیار کیا ہے۔ لیکن حضرت عثمان رضؓ نے پھر وہی فرمایا۔ چھوٹا ہے تو، نعیم جنت زائل نہ ہو گی۔ اس پر بات بڑھ گئی اور ولید کا وہی معتقد کافر جو سب سے یہ کہہ رہا تھا کہ یہ بھی ایک پاگل ہے، آپ پروا نہ کریں، کھڑا ہو گیا۔ اور حضرت عثمان رضؓ کی آنکھ پر اس قدر زور سے گھونسا مارا کہ آپ کی آنکھ پھوٹ گئی۔ اسی جگہ ولید بن مغیرہ بھی حضرت عثمان رضؓ کا یہ حال دیکھ رہا تھا اُنکو سمجھانے لگا کہ افسوس تم نے میری حمایت واپس کر کے اپنی آنکھ بیکار کر دای۔ اس پر حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا۔ اللہ کی قسم میری تندرست آنکھ بھی تمنا کر رہی ہے کہ میں بھی اللہ کے راستہ میں پھوٹ جاؤں۔ اسے ولید ابھی مجھے خدا کی پناہ کافی ہے جو تجھ سے زیادہ قادر ہے اور تجھ سے زیادہ غالب ہے [1]۔ (البدایہ ج ۳ صـ ۹۳۔ حلیۃ الاولیاء ج ۱ صـ ۱۰۴)

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے جب ابن دغنہ کی پناہ کو واپس کر دیا تو آپ خانہ کعبہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو قریش کے ایک آدمی نے آپ پر مٹی پھینکی اس وقت حضرت ابوبکر رضؓ کے سامنے سے ولید بن مغیرہ اور عاص ابن وائل گذرے تو اس سے حضرت ابوبکر رضؓ نے فرمایا۔ تو نے اس بے وقوف کو دیکھا کہ اس نے کیا حرکت کی ہے۔ اس پر ولید نے جواب دیا۔ یہ تو تم نے اپنے ساتھ خود کیا پھر کسی کو کیا کہتے ہو۔ اس وقت حضرت ابوبکر رضؓ نے تین مرتبہ کہا۔ اے اللہ تو کتنا حلم والا ہے۔ اے رب تو کتنا حلم والا ہے۔ اے خدا تو کتنا حلم والا ہے [2]۔

(البدایہ ج ۳ صـ ۹۵)

---

[1] یہ واقعہ حلیۃ الاولیاء میں عثمان رضؓ بن مظعون کے حالات میں مزید تفصیل سے بیان کیا گیا ہے

[2] فقیر نے اس کی پوری تفصیل "حالات و مقالات صوفیہ" میں لکھی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت اُمّ سلمہ رضؓ فرماتی ہیں۔ جب میرے شوہر نے ہجرت کا ارادہ کیا تو میرے شوہر نے مجھ کو اونٹ پر بٹھایا۔ میری گود میں میرا شیر خوار بچہ بھی میرے ساتھ تھا۔ میرے شوہر اونٹ کی نکیل پکڑ کر چلے۔ جب اس کو بنی المغیرہ کے مردوں نے دیکھا تو میرے شوہر کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے۔ تجھے اپنا تو اختیار ہے لیکن اس عورت کی مٹی کیوں خراب کرتا ہے، جب تک ہمارے دم میں دم ہے۔ ہم اس عورت کو بے وجہ پردیس میں دھکے کھانے کے لئے تیرے ساتھ نہیں بھیجیں گے۔ اور یہ کہہ کر زبردستی میرے شوہر کے ہاتھ سے اُونٹ کی نکیل چھڑالی اور مجھ کو میرے شوہر سے چھین لیا۔ جب میری سسرال والوں کو معلوم ہوا کہ میرے ساتھ یہ قصہ ہوا تو وہ بھی پہنچ گئے اور میرے میکہ والوں سے انکی خوب جھڑپ ہوئی اور میرے سسرال والے کہنے لگے۔ خدا کی قسم ہم اپنے بچہ کو اُمّ سلمہ کے پاس نہ چھوڑیں گے۔ جب کہ تم نے ہمارے آدمی سے اس کی بیوی کو چھڑا لیا۔ آخرکار اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سسرال والے میرے بچہ کو زبردستی میرے پاس سے لے گئے میں اپنے میکہ میں رہ گئی۔ میرا دودھ پیتا بچہ اپنی دادھیال میں چلا گیا اور میرا شوہر مدینہ منورہ چلا گیا۔ ان ظالموں نے میرے شوہر کو بھی مجھ سے چھڑا دیا اور میرے معصوم بچہ کو بھی مجھ سے تڑوا دیا۔ بس اب میری بے چینی کا یہ عالم تھا کہ روزانہ جنگل میں نکل جاتی۔ صبح سے شام تک اپنے شوہر اور اپنے بچہ کی جدائی میں روتی رہتی۔ شام ہونے پر گھر واپس آجاتی۔ یہاں تک کہ ایک روز میں جنگل میں بیٹھی ہوئی رو رہی تھی کہ میرا ایک رشتہ دار آیا اور اس نے میری حالت زار پر ترس کھایا اور میرے کنبہ والوں سے اس نے کہا۔ کہ ارے ظالمو! اس بیچاری مسکین پر رحم کھاؤ دیکھو تو سہی، اس بیچاری کا کیا حال ہو گیا۔ اس کو شوہر سے تم نے جدا کر دیا۔ اور اس کے بچہ کو تم نے چھنوا دیا۔ ایک بے چاری مظلوم پر دوہری مصیبتیں، آخر کہاں

تک برداشت کرے۔ تب ان لوگوں نے مجھ کو بُلا کر کہا۔ اچھا ہماری طرف سے تجھے اجازت ہے کہ تو اپنے خاوند کے پاس جا سکتی ہے۔ جب ان لوگوں نے مجھ کو اجازت دیدی۔ اور سسرال والوں کو میرے جانے کا علم ہوا۔ تو سسرال والوں نے میرا بچہ سال کے بعد مجھ کو واپس دے دیا۔ اور میں نے اونٹ تیار کیا۔ اپنا بچہ اپنی گود میں لے لیا۔ اس کے بعد مدینہ منورہ جانے کا قصد کیا۔ اور اُم سلمہؓ خود فرماتی ہیں کہ اس وقت میرے ساتھ میرے ننھے بچے کے سوا کوئی بھی انسان نہ تھا۔ لیکن جب میں تنعیم میں پہنچی تو میں نے وہاں پر عثمان بن طلحہ کو دیکھا۔ اُس نے پوچھا۔ اے ابو امیہؓ کی بیٹی کہاں جا رہی ہو؟ میں نے کہا میں اپنے شوہر کے پاس مدینہ جا رہی ہوں۔ عثمان بن طلحہ کہنے لگے کیا تو اکیلی ہے یا تیرے ساتھ اور کوئی بھی ہے، میں نے کہا سوائے خدا تعالیٰ اور میرے اس بچہ کے اور کوئی بھی میرے ساتھ نہیں۔ اس پر عثمان بولے۔ خدا کی قسم پھر تجھ کو کون چھوڑ سکتا ہے۔ اور اس کے بعد میرے اُونٹ کی نکیل پکڑی اور مجھ کو لے کر چلے۔ حضرت اُم سلمہ فرماتی ہیں۔ خدا کی قسم عرب میں مَیں نے اس سے بہتر کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ جب منزل آجاتی تو میرے اونٹ کو بٹھا دیتے تھے۔ اور خود وہاں سے ہٹ جاتے تھے۔ جب مَیں اونٹ سے اُتر جاتی تو آتے اور میرے اونٹ کو وہاں سے لے جاتے اور اس کو کسی درخت کے سائے میں باندھ دیتے۔ اور خود وہاں سے ہٹ کر دوسرے درخت کے نیچے لیٹ جاتے۔ اور جب جانے کا وقت آتا تو کھڑے ہوتے اور اونٹ پر کجاوہ رکھ دیتے اور تیار کر کے میرے پاس لے آتے اور اس کو بٹھا کر وہاں سے دور چلے جاتے اور آواز دے کر کہتے کہ سوار ہو جاؤ۔ جب میں سوار ہو جاتی اور اچھی طرح بیٹھ جاتی تو پھر آتے اور میرے اونٹ کی نکیل پکڑ کر پھر چل دیتے۔ آخر کار میرے اونٹ کے ساتھ ہر منزل

پر اسی طرح کرتے ہوئے مجھ کو مدینہ پہنچا دیا جب قبا کا ایک گاؤں آیا تو مجھ سے کہا کہ تیرا شوہر اس گاؤں میں ٹھہرا ہوا ہے۔ تو اللہ کا نام لے کر یہاں چلی جا۔ اور یہ کہہ کر اسی وقت مکہ مکرمہ واپس ہوگیا اور عثمان اس وقت تک کافر تھے اور حدیبیہ کے بعد اسلام لائے۔

حضرت ام سلمہ رضؓ فرمایا کرتی تھیں۔ اس سال جتنی ابو سلمہ رضؓ کے اہل و عیال کو تکلیف پہنچی، اتنی اسلام میں کسی کو تکلیف نہیں پہنچی اور میں نے عثمانؓ بن طلحہ سے زیادہ کسی کو شریف نہیں دیکھا۔ (البدایہ لابن کثیر ۳ صـ ۱۷۰)

حضرت خبابؓ بن الارتؓ شروع ہی میں پانچ چھ آدمیوں کے بعد مسلمان ہو گئے۔ اس لئے بہت زمانے تک تکلیفیں اٹھاتے رہے مشرکین مکہ ان کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں ڈال دیتے تھے۔ جس سے گرمی اور تپش کی وجہ سے پسینوں پر پسینے بہتے رہتے تھے۔ اکثر اوقات ان کو گرم ریت پر بالکل سیدھا لٹا دیا جاتا جس کی وجہ سے ان کی کمر کا گوشت بالکل گل کر گر گیا تھا۔ ان کی مالکہ لوہے کو گرم کر کے اُن کے سر کو اس سے داغ دیتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت خبابؓ سے ان تکالیف کی تفصیل پوچھی جو ان کو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کے بعد پہنچائی گئی تھیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ امیر المومنین میری کمر کو دیکھئے۔ یہ کہہ کر کمر سے کرتہ اٹھایا۔ اور حضرت عمرؓ نے ان کی کمر دیکھ کر افسوس کے ساتھ فرمایا۔ خبابؓ ایسی کمر تو میں نے کسی کی بھی نہیں دیکھی۔ حضرت خبابؓ نے فرمایا۔ یا امیر المومنین مجھے آگ کے انگاروں پر لٹایا گیا اور اس کے بعد گھسیٹا گیا۔ ان انگاروں کو میری کمر سے جو خون اور چربی نکلتے تھے، وہ بجھاتے تھے۔

(حکایات صحابہؓ و تفسیر ابن کثیر جلد ۱)

ناظرین کو ان واقعات سے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کلمۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھنے کے بعد کتنی کچھ قربانیاں دیں۔ کیوں کہ پہلے وہ حضرات اس کلمہ کی حقیقت کو دل سے تسلیم کرتے تھے پھر زبان سے اس کا اقرار کرتے تھے۔ اور آج ہم اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ آخر ہم بھی کلمہ گو ہیں اور دین کی خاطر ہم کیا کیا مالی قربانیاں دیتے ہیں اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی خاطر کتنی جانی قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ اور کتنی خواہشات اور رسومات کو چھوڑتے اور پامال کرتے ہیں۔ بات یہ ہے، کہ یہ کلمہ سہولت کے ساتھ ہم کو بلا تکلیف ماں باپ کی وجہ سے مل گیا۔ لیکن ہم پھر بھی اس کے تقاضے پورے نہیں کرتے، آج ہماری صورتیں اسلام کے خلاف ہیں، ہمارا کردار اسلام کے برعکس ہے ہمارے معاملات غیر اسلامی ہیں، تمدن و طرز زندگی کفار سے ملتا جلتا، ہماری صورتیں شیطانی، ہمارے کاروبار حرام اور بد دیانتیوں سے لبریز ہیں۔ کیا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے تقاضے اور مطالبے اسی طرح پورے کئے جاتے ہیں؟ مسلمانو! بہت افسوس کی بات ہے۔

خواہشات یعنی جی چاہتی چیزوں کی قربانی

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں حضورؐ کے ساتھ صحابہؓ کا مجمع تھا۔ میں بھی ساتھ تھا۔ میرے اوپر ایک ہلکی رنگین چادر تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا یہ کیا اوڑھ رکھا ہے۔ میں حضورؐ کے لب ولہجہ سے سمجھ گیا کہ آپؐ کو میری چادر کا رنگ ناگوار معلوم ہوا ہے، آپؐ نے پسند نہیں کیا۔ جب میں گھر واپس ہوا تو دیکھا، چولھا جل رہا تھا۔ میں نے اس چادر کو چولھے میں ڈال دیا۔ (ابوداؤد شریف)

(۲) جنگ اُحد میں جب حضرت حمزہؓ شہید ہو گئے۔ تو کفار نے ان کی ناک اور کان کاٹ ڈالے۔ سینہ چاک کر کے ان کا کلیجہ نکال لیا۔ انکی ہمشیرہ حضرت صفیہؓ کو جب ان کی شہادت کی خبر پہنچی تو بھائی کی صورت دیکھنے تشریف لے گئیں۔ راستہ میں ان کے صاحبزادہ حضرت زبیرؓ ملے، انھوں نے حمزہؓ کی صورت دیکھنے سے منع فرمایا۔ حضرت صفیہؓ نے صاحبزادہ کے زور سے تھپڑ مارا دہ علیحدہ ہو گئے جب حضرت صفیہؓ آگے بھائی کی صورت دیکھنے کو بڑھیں تو حضرت زبیرؓ نے للکار کر کہا۔ امی جان! حضورؐ نے صورت دیکھنے کی ممانعت فرما دی ہے۔ حضرت صفیہؓ یہ بات سنتے ہی فوراً کھڑی ہو گئیں۔ اور کہنے لگیں میں بے صبری نہیں کروں گی حضرت زبیرؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ امی جان کہتی ہیں۔ کہ میں بھائی کی اس شہادت سے گھبرائی نہیں ہوں۔ بلکہ مجھے ایسی شہادت کی خوشی ہے اور میں صابر رہوں گی۔ تب حضورؐ نے حضرت حمزہؓ کی صورت

لے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کے مفصل حالات، حالات ومقالات صوفیہ میں پڑھیں۔

دیکھنے کی اجازت دے دی اس کے بعد حضرت صفیہؓ نے اپنے بھائی کی صورت دیکھی ورنہ اتنے حضورؐ کی اجازت نہیں مل گئی، صفیہؓ نے شہید بھائی کی صورت نہیں دیکھی۔ کیونکہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کا تقاضا یہی تھا۔

(۳) ایک صحابی حضرت حذیفہؓ کو حضورؐ نے غزوہ خندق میں ارشاد فرمایا کہ جاؤ کفار کا حال معلوم کر کے آؤ لیکن وہاں جا کر کچھ کرنا نہیں بلکہ محض معلومات کر کے آجانا۔ جب میں وہاں پہنچا تو کفار آگ جلا کر جاڑے کی وجہ سے تاپ رہے تھے اور ابوسفیان جو ان کے سردار تھے۔ وہاں پر ہی موجود تھے اور میرے تیر کے نشانہ پر کھڑے تھے۔ میں نے اپنا تیر نکالا اور کمان میں رکھا تاکہ اس سردار کو لگے ہاتھ مارتا جاؤں لیکن فوراً حضورؐ کا ارشاد یاد آگیا کہ کچھ کرنا نہیں۔ اس لئے میں نے اپنے تیر کو کمان سے نکال کر ترکش میں رکھ لیا اور محض وہاں کی جاسوسی کے حالات معلوم کر کے واپس آگیا[۱] مسلم شریف مختصراً۔ پر بحوالہ کعب القرظیؒ اس واقعہ کی تفصیل یہ بیان کی ہے۔ محمد بن کعب نے بیان کیا کہ کوفہ کے ایک نوجوان نے حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے یہ کہا۔ ابو عبداللہ کیا آپ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور آپ لوگوں نے ان کی صحبت اٹھائی ہے حذیفہؓ نے کہا ہاں اے بھتیجے ہم نے ان کو دیکھا بھی ہے۔ اور ہم انکی صحبت میں بھی رہے ہیں۔ اس نے کہا تم لوگ کیا کرتے تھے۔ حضرت حذیفہؓ نے کہا۔ ہم حضورؐ کے زمانہ میں اللہ کے لئے خوب محنت کرتے تھے۔ اس نوجوان نے کہا۔ اللہ کی قسم اگر ہم حضورؐ کو پاتے تو ہم ان کو زمین پر نہ چلنے دیتے اور آپ ﷺ کو اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتے اور ان کا قدم زمین پر نہ پڑنے دیتے۔ حذیفہؓ نے کہا۔ بھتیجے اللہ کی قسم، کاش تو ہمیں خندق کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے کچھ میں نماز پڑھی۔ پھر آپ نے رخ پھیر کر فرمایا ہے کوئی مرد جو کھڑا ہو اور ہماری معلومات کیلئے اس قوم کا حال معلوم کر کے آئے۔ مگر حضورؐ نے یہ شرط لگائی کہ اگر وہ

---

[۱] تفسیر ابن کثیر اور ترمذی میں اس واقعہ کی پوری تفصیل آئی ہے۔

ہمارے پاس خبر لے کر واپس آئے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ حذیفہؓ نے کہا کہ حضورؐ کی اس بات پر جماعت میں سے کوئی بھی نہیں اٹھا اس کے بعد حضورؐ نے پھر کچھ دیر بعد نماز پڑھی اور پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر وہی بات پھر دہرائی۔ اس دفعہ بھی کوئی آدمی کھڑا نہ ہوا آپ نے پھر مختصر نماز پڑھی اور پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ہے کوئی مرد جو کھڑا ہو اور دشمن قوم کا حال دیکھ کر آئے اور ہمیں بتائے حضورؐ نے اس دفعہ بھی یہ شرط لگائی کہ اگر وہ واپس آئے گا۔ تو میں اللہ تعالیٰ سے اس کے واسطے دعا کروں گا۔ کہ وہ جنت میں میرا رفیق اور ساتھی ہو اس مرتبہ بھی زبردست خوف اور بھوک کی شدت اور زبردست سردی کی وجہ سے کوئی بھی اس کام کے لئے نہیں اٹھا۔ اور جب اس مرتبہ کوئی نہ اٹھا تو حضورؐ نے میرا نام لے کر آواز دی۔ اب جب کہ آپ میرا نام لے کر مجھے آواز دے چکے تھے۔۔ تو میرے لیے اٹھنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ آپ نے فرمایا ـــ

يَا حُذَيْفَةُ اذْهَبْ فَادْخُلْ فِي الْقَوْمِ فَانْظُرْ مَا يَفْعَلُوْنَ وَلَا تُحْدِثَنَّ شَيْئًا حَتّٰى تَأْتِيَنَا ـــ

اے حذیفہؓ جا اور دشمن کی صفوں میں گھس جا۔ دیکھ وہ کیا کرتے ہیں۔ مگر خبردار ان سے کوئی بات وغیرہ نہ کرنا یعنی وہاں کچھ نہ کرنا سیدھا ہمارے پاس آجانا۔

حذیفہؓ کہتے ہیں۔ میں نے حکم کی تکمیل کی۔ میں ان لوگوں میں چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا لشکر ان کے ساتھ ہوا وہ کچھ کر رہا تھا۔ جو اس کو کرنا تھا۔ نہ ان کا خیمہ ٹھہرتا تھا۔ نہ ان کی آگ پر قابو تھا۔ نہ ان کا سامان ٹھہرتا تھا۔ ہر چیز اڑتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ ابوسفیان کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ لوگو! ہر آدمی اپنے پاس بیٹھے ہوئے کو دیکھے کوئی اجنبی تو نہیں آگیا حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں۔ میں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے آدمی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور میں نے اس کو کہا۔ تو کون ہے اس نے کہا میں فلاں ہوں فلاں کا بیٹا ہوں اس کے بعد ابوسفیان نے کہا۔ اے قریش

کے لوگو! تم ایسی جگہ پڑے ہوئے ہو جو نہایت ہی خطرناک ہے ہمارے سامان اور سواریاں
سب تتر بتر ہو گئے ہیں۔ اور یہود بنو قریظہ نے ہم سے بدعہدی کی ہے اور ہمارا ساتھ
نہیں دیا۔ اور ان کی طرف سے ہمیں اس قسم کی باتیں پہنچ رہی ہیں۔ جو ہمارے دل دکھا رہی
ہیں۔ اس طوفانی ہوا کی وجہ سے ہمارا وہ حال ہو گیا ہے۔ جیسے تم دیکھ رہے ہو خدا کی
قسم نہ تو ہماری دیگیں ٹھہرتی ہیں۔ اور نہ ہماری آگ جلتی ہے اور نہ ہمارے خیمے ٹھہرتے
ہیں۔ سب اڑ اڑ کر دور جا رہے ہیں۔ بس اب یہاں سے کوچ کر دو میں بھی واپس ہوتا ہوں
پھر وہ اپنے اونٹ کیطرف گیا۔ جو بندھا ہوا تھا۔ اس پر بیٹھ گیا۔ پھر اس کو ضرب لگائی
تو وہ تین قدموں پر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے اونٹ کی رسی اس وقت کھولی جب کہ وہ کھڑا
ہوا تھا۔ اگر حضور کا یہ حکم نہ ہوتا کہ وہاں کوئی بات نہ کرنا اور سیدھے میرے پاس واپس
آجانا۔ اس وقت میں اگر چاہتا تو اس کو یعنی ابوسفیان کو اپنے تیر کے ساتھ قتل کر دیتا۔" یہ
سنا کر حضرت حذیفہؓ نے فرمایا۔ میں حضورؐ کی خدمت میں واپس لوٹا تو آپؐ اپنی کسی بیوی کی چادر
اوڑھ کر نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپؐ نے مجھے دیکھا تو آپؐ نے مجھے اپنے دونوں قدموں
کے درمیان گھسا لیا اور مجھ پر اپنی چادر کا ایک پلہ ڈال دیا۔ پھر آپؐ نے رکوع کیا، سجدہ
کیا اور میں اس حال میں آپؐ کے قدموں کے درمیان بیٹھا رہا اور جب آپؐ نے سلام پھیر دیا
تو میں نے آپؐ کو تفصیل بتائی اور غطفان کے قبیلہ والوں نے جب قریش کا حال سنا تو وہ لوگ
بھی اپنے اپنے علاقہ میں واپس جانے لگے۔ یعنی میدان سے روانہ ہو گئے۔

(۴) مدینہ منورہ میں ایک دفعہ حضورؐ باہر تشریف لے گئے تھے۔ راستہ میں ایک
قبہ اونچا بنا ہوا دیکھا۔ آپؐ نے صحابہؓ سے دریافت کیا۔ یہ کیا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا
کہ حضور فلاں انصاری نے یہ اپنا مکان بنایا ہے۔ آپؐ خاموش ہو گئے۔ پھر وہی انصاری
آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حسب معمول آپؐ کو سلام کیا۔ لیکن آپؐ نے کوئی جواب نہ
دیا۔ انہوں نے خیال کیا کہ شاید حضورؐ نے میرا سلام نہیں سنا۔ دوبارہ پھر سلام عرض کیا۔ لیکن

حضورؐ نے پھر بھی سلام کا جواب نہیں دیا۔ اب تو فکر ہوا اور حاضرین مجلس سے آپؐ کی ناراضگی کا سبب دریافت کیا۔ صحابہؓ نے فرمایا۔ کہ حضورؐ نے جب تمہارا قبہ دیکھا تو دریافت فرمایا تھا۔ کہ یہ کس کا مکان ہے! ہم نے عرض کیا کہ فلاں شخص کا ہے۔ بس اتنا قصہ تو ہمارے سامنے پیش آیا۔ وہ انصاری سمجھ گئے کہ میرا اونچا مکان حضورؐ کو ناپسند ہے۔ اسی وقت اس پاک مجلس سے اٹھے اور جاکر اس قبہ کو ڈھا دیا۔ اور اس کے ڈھانے میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ بنیادیں بھی اکھاڑ کر پھینک دیں اور سطح زمین کے برابر کر دیا (ابوداؤد)

ان واقعات سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا۔ کہ محمد رسول اللہ کے اقرار کے یہی معنی ہیں۔ کہ اپنے مال، اپنی جان، اپنی خواہشات کو آپؐ کے حکم کے مقابلہ میں فنا کردے۔

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِہٖ (مشکوٰۃ شریف) یعنی اپنی ہر چیز میں آپؐ کی رہنمائی بلا چون وچرا تسلیم کرے آپؐ کے طریقہ کو بلا دلیل قبول کرے آپؐ کے اقوال اور احکامات کی خوشی خوشی تعمیل کرے صحابہؓ کا قول ہے۔ بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَکْرَھًا وَّ مَنْشَطًا۔ یعنی بیعت کی ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر ہر صورت میں خواہ اس میں کوئی ناگواری ہو یا نہ ہو۔ع محمد رسول کا دل سے اقرار کرنے کا مطلب یہی ہے۔ ورنہ منافق میں اور ہم میں کوئی فرق اور امتیاز باقی نہیں رہتا۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے والا اپنے اس کہنے میں سچا ہے۔ (یعنی اس کو یقین کے ساتھ کہا ہے) تو اس کے گناہ اگر زمین کی خاک کے

ع۔ عبادہ ابن الصامتؓ کی حدیث میں ہے۔ بَایَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْمَنْشَطِ وَالْمَکْرَہِ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حکموں کی تعمیل کرنے پر بیعت کی خواہ وہ حکم میرے نفس کو اچھے لگیں یا میرے نفس پر ناگوار گزریں۔ منشط کے معنی محبوب کے ہیں۔ اور مکرہ کے معنی غیر محبوب یعنی ناپسندیدہ کے ہیں۔

تو اس کے گناہ اگر زمین کی خاک کے برابر ہوں گے تب بھی بخش دیئے جائیں گے۔ اور فرمایا۔جس نے اخلاص سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھا وہ جنت میں جائے گا۔ چنانچہ امام غزالیؒ لکھتے ہیں۔کہ اسی قسم کا کلمہ سب عبادتوں کا خلاصہ اور ذکر الٰہی کا لُبِّ لُباب اور مغز ہے۔ اور مسلمان کی اصل بھی کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہی ہے اور یہی کلمہ اصل ذکر ہے۔ اور باقی تمام عبادتیں اسی ذکر کی تاکید میں ہیں۔ (یعنی مضبوط بنانے کیلئے ہیں) دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں۔ توحید چار درجوں پر ہے۔ توحید کا ایک مغز ہے۔ اس مغز کا بھی ایک مغز ہے۔ اور توحید کا ایک پوست (چھلکا) ہے اور اس پوست کا بھی ایک پوست ہے۔ پس توحید کے دو مغز اور دو پوست ہیں۔ اس کی مثال کچے اخروٹ کی طرح ہے۔ کہ اس میں ایک مغز اور دو چھلکے ظاہر ہیں۔ اور روغن اس مغز کا مغز ہے۔

۱۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ زبان سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے اور دل سے اعتقاد نہ رکھے۔ سو یہ منافقوں کی توحید ہے۔

۲۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ تقلیداً باپ دادوں اور رشتہ داروں کی دیکھا دیکھی کلمہ کے معنوں کا دل سے اعتقاد رکھے کہ جسطرح عام لوگ تسلیم کرتے ہیں۔ یا کسی دلیل سے کلمہ کے معنوں کو صحیح تسلیم کرے۔ جس طرح فلسفی لوگ دلیل کے ساتھ کلمہ کے معنی کو تسلیم کرتے ہیں۔

(۳) تیسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی مشاہدہ سے دیکھے کہ سب کی ایک اصل یعنی اللہ تعالیٰ ہے اور سب کاموں کا ایک ہی فاعل یعنی کرنے والا ہے اور یہ کسی دوسرے کا کام نہیں اور یہ درجہ ایک نور یعنی روشنی کی معرفت حاصل ہوتا ہے۔ جو اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور اسی خاص روشنی سے یہ مشاہد حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یہ مشاہدہ عوام اور فلسفی کے اعتقاد کی طرح نہیں۔ کیونکہ اس کا اعتقاد ایک گرہ ہے۔ جو تقلید یا دلیل کے واسطے سے دل میں ڈالتے ہیں۔ اور تیسرے درجہ کی توحید دل کے کھل جانے کے باعث ہے جو تمام بندھنیں کھول دیتا ہے

اور یہ چیز کسی اللہ والے کی بیعت کے بعد اس کے بتلائے ہوئے طریقہ پر ذکر فکر کرنے سے

حاصل ہوتی ہے۔

مثال۔ ایک شخص تو کسی کے کہنے سے اپنے دل میں یہ اعتقاد رکھے کہ فلاں سردار

گھر میں ہے۔ یہ تو عام لوگوں کی توحید کی مثال ہے۔ کہ انھوں نے اپنے ماں باپ سے سن

کر کلمہ کے معنی کو تسلیم کر لیا ہے۔

دوسرا وہ شخص ہے کہ سردار کے گھوڑے اور غلام کو دیکھ کر اعتقاد کرے۔ کہ سردار گھر میں

ہے یہ فلسفیوں کے اعتقاد کی مثال ہے کہ انھوں نے معنی کو دلیل سے تسلیم کیا ہے۔

تیسرا شخص وہ ہے کہ سردار صاحب کو اپنی آنکھوں سے گھر میں دیکھ لے۔ تو یہ عارفوں

کی توحید کی مثال ہے۔ کہ یہ لوگ توحید کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

تو ان تین شخصوں میں بہت بڑا فرق ہے اگرچہ اس توحید کا درجہ بھی اعلیٰ ہے لیکن عارف اس

مقام پر پہنچ کر مخلوق کو بھی دیکھتا ہے اور خالق کو بھی۔ اور جانتا ہے کہ مخلوق خالق سے ہے۔ اس

درجہ کی توحید میں کثرت اور دروازے بہت ہیں۔ اور عارف جب دو کو دیکھتا ہے۔ تو مخلوق

کو خالق سے فرق کرنے میں رہتا ہے۔ خیالات جمع نہیں ہوتے۔ تو یہ درجہ بھی توحید کا کمال نہیں

ہے۔ توحید کا چوتھا درجہ یہ ہے۔ کہ آدمی ایک کے سوا دوسرے کو نہ دیکھے اور سب

کو ایک ہی دیکھے اور ایک ہی پہچانے تو اس مشاہدہ میں فرق کرنے کا کچھ کام نہیں۔ صوفی

لوگ اس درجہ کو فنا فی التوحید کہتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت حسین حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ خواص رحمۃ اللہ علیہ کو

جنگل میں پھرتے دیکھا۔ پوچھا کیا کرتے ہو؟ کہا، توکل میں اپنا قدم جما رہا ہوں۔ اس پر

حسین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تم نے اپنی عمر تو باطن کی آبادی میں گذاری فنا کے ساتھ توحید میں کب پہنچو گے؟

بس یہ چار مقام ہیں۔

۱۔ منافق کی توحید تو یہ پوست (چھلکے) کا پوست ہے۔ جیسے کہ اخروٹ کا اوپر والا چھلکا

اگر کھاؤ تو برا معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کے باطن کو دیکھو تو بدشکل اور برا اگرچہ اس کا ظاہر سبز

اور خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس کو جلاؤ تو دھواں دیتا ہے۔ اور آگ بجھا دیتا ہے۔ اور بچا رکھ دو تو وہ کسی کام میں نہیں آتا۔ بلکہ خواہ مخواہ ہی جگہ گھیرتا ہے۔ مگر چند روز اسے اخروٹ ہی پر لگا رہنے دیں تاکہ وہ اپنے اندر والے چھلکے کو تازہ رکھے اور آفتوں سے بچائے رکھے اسی طرح منافق کی توحید کسی کام کی نہیں۔ اور یہ پوست بہ نسبت مغز کے بالکل بے حقیقت ہوتا ہے۔

۲۔ اسی طرح عوام الناس اور فلسفیوں کی توحید بھی اسی کام کی ہے۔ کہ اس کے مغز یعنی جان کو دوزخ کی آگ سے بچائے رکھتی ہے اور یہ توحید اگرچہ کام کی ہے۔ مگر مغز اور روغن کی لطافت سے خالی ہے۔ جس طرح اخروٹ کا مغز بھی مقصود اور عزیز ہے۔ مگر جب تم اس کا روغن سے مقابلہ کرو گے تو یہ اس کے مقابلہ میں پھوک اور ثقل کی حیثیت سے خالی نہ ہوگا۔ اور فی نفسہ کمال صفائی کو نہ پہنچا ہوگا۔

۳۔ تو تیسرے درجے کی توحید میں بھی کثرت اور تفرقہ اور زیادتی پائی جاتی ہے۔

۴۔ معلوم ہوا کہ چوتھا درجہ اعلیٰ درجہ کا صاف ہے۔ کیونکہ اس میں حق ہی حق رہتا ہے اور اس درجہ کا موحد ایک کے سوا اور کسی کو نہ دیکھتا ہے۔ نہ اسکی فکر کرتا ہے۔ بلکہ وہ اس میں ایسا فنا ہوتا ہے۔ کہ اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے۔ جس طرح اور چیزیں اس کے دیکھنے میں فنا ہو گئیں۔ اسی طرح وہ خود بھی اپنے دیکھنے میں فنا ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کے سوا کسی چیز پر اس کی نظر نہیں رہتا۔

حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

موحد کہ بر پائے ریزی زرش | چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد ز کس | بریں است بنیاد توحید و بس

(ترجمہ) موحد کے پاؤں میں اگر سونا رکھ دو یا اس کے سر پہ تلوار رکھ دو تو یہ موحد نہ کسی سے امید رکھتا ہے۔ اور نہ کسی سے خوف رکھتا ہے۔ اور اسی چیز پر توحید کی بنیاد ہے۔

ایک اردو کے شاعر بھی توحید کے مضمون کو اس طرح ادا کرتے ہیں۔ ؎

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

اور ہماری تبلیغ میں کلمہ کا جو اولین درجہ رکھا گیا۔ اس کی غرض صرف یہی ہے کہ کلمہ کے معنی کی مشق بڑھاتے بڑھاتے چوتھے۔ درجہ کی توحید حاصل کرکے ہر امر میں ہدایت خداوندی کا پابند ہو جائے۔ امام غزالیؒ ابتدا مجاہدہ رکن ع۳ کیمیائے سعادت میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔ مرید کو چاہئے کہ ہر چیز کو بھلا کر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر ایمان لائے اور اس کے معنی کی تحقیق اپنے دل سے کرے، اور یہ اس کی حقیقت ہے کہ سوائے حق جل وعلا کے کوئی معبود نہ رہے کہ جس کی بندگی میں سر جھکائے اور اگر حرص وہوا، اور تمنا اس پر غالب ہو گئی ہو تو اس کا معبود وہی ہے۔ جس کی وہ بندگی کرتا ہے۔ اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ (پارہ ع۲۵ مثلاً بیوی بچے، مال اور جان، عزت اور آبرو کے بنانے اور ان کے راضی کرنے کا فکر اللہ ورسولؐ کے مقابلہ میں اگر دامن گیر رہا تو اس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (اللہ کے معبود ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کا اقرار دل سے نہیں کیا۔ اور جب یہ حال حقیقت ہو جائے اور سوائے خدا کے کوئی بھی اس کا معبود نہ رہے تو اس وقت اکثر کاموں کا انکشاف اپنے مکاشفہ اور مجاہدہ سے حاصل کر لیتا ہے۔ یعنی اس درجہ کا موحد صاحب کشف ہو جاتا ہے۔ اور تمام کاموں کی حقیقتیں اس کے سامنے روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی ہیں۔

اور عروہ بن مسعود نے حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرامؓ کی بے نظیر اطاعت کا جو نقشہ واپس آکر مکہ والوں کے سامنے بیان کیا تھا۔ اس سے اس امر کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے اقرار کے بعد صحابہ کرامؓ کی کیا کیفیت ہو گئی تھی۔

مسلمانوں کے جذبۂ اطاعت کے متعلق عروہ کے تاثرات۔ غزوۂ حدیبیہ

سے واپس ہو کر جب مکہ پہنچا تو اس نے کفار مکہ سے اس طرح گفتگو کی۔ اے قریش! میں بڑے بڑے بادشاہوں کے یہاں گیا ہوں۔ قیصر و کسریٰ، نجاشی کے درباروں کو میں نے اچھی طرح دیکھا اور ان کے شاہی آداب بھی اچھی طرح دیکھے ہیں۔ خدا کی قسم! میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کی جماعت اپنے بادشاہ اور رعیت کی ایسی تعظیم کرتی ہو جیسی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت ان کی تعظیم کرتی ہے۔ اگر وہ تھوکتے ہیں تو جس کے ہاتھ پر پڑ جاتا ہے وہ اس کو بدن اور منہ پر مل لیتا ہے۔ اور جو بات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ سے نکلتی ہے۔ اس کو پورا کرنے کو سب کے سب ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ان کے وضو کے استعمال کا پانی آپس میں لڑ لڑ کر تقسیم کرتے ہیں اور اس کو زمین پر گرنے نہیں دیتے۔ اگر کسی کو قطرہ نہ ملے تو دوسرے کے ہاتھوں کو ہاتھ سے مل کر اپنے ہاتھ مل لیتے ہیں۔ ان کے سامنے بولتے ہیں تو بہت ہی ہلکی آواز سے بولتے ہیں۔ ان کے سامنے ادب کی وجہ سے سر کو جھکائے رکھتے ہیں۔ اور محمد کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اگر ان کے سر یا داڑھی کا کوئی بال گر جاتا ہے۔ تو اسکو تبرکاً اٹھا کر رکھ لیتے ہیں۔ اور اس کی بھی تعظیم و تکریم اور احترام کرتے ہیں۔ غرضیکہ میں نے کسی جماعت کو اپنے سردار سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت ان کی اطاعت اور ان کے ساتھ محبت کرتی ہے۔ (حکایات صحابہؓ و ابن کثیر)

کلمہ کی برکتیں (۱) جب بندہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھتا ہے تو ایک فرشتہ اس کلمہ کو لے کر آسمان کی طرف جاتا ہے۔ راہ میں دوسرا فرشتہ آسمان سے اترتا ہوا اس کو ملتا ہے آسمان سے اترنے والا فرشتہ دنیا سے جانے والے فرشتہ سے پوچھتا ہے۔ کہ تم کہاں جاتے ہو دنیا سے جانے والا فرشتہ کہتا ہے۔ کہ فلاں آدمی کا کلمہ لے کر عرش الٰہی پر پہنچانے جاتا ہوں۔ آسمان سے اترنے والا فرشتہ کہتا ہے۔ کہ میں اسی آدمی کی مغفرت کا پروانہ لے کر عرش الٰہی سے آرہا ہوں۔ (مجالس سُنیہ)

۲۔ جب کوئی آدمی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتا ہے، تو اس کو تمام دنیا کے کافروں کی تعداد

کے برابر ثواب ملتا ہے (شرح اربعین نوویہ)۔

(۳) ملک الموت کی پیشانی پر کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لکھا ہوا ہے۔ جب دل سے کلمہ پڑھنے والا (نزع) جان کنی کے عالم میں ہوگا۔ اور ملک الموت اس کی روح قبض کرنے کیلئے تشریف لائیں گے تو اللہ کے فضل سے اس شخص کی نظر ملک الموت کی پیشانی پر پڑے گی۔ اور اس کو دیکھ کر فوراً کلمہ یاد آجائے گا۔ اور مرنے وقت میں اس کا کلمہ کے ساتھ دم آخر ہوگا۔ اور جس کا خاتمہ کلمہ پر ہوا وہ جنت میں داخل ہوگیا[۱] (تفسیر نیشاپوری)

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔ کہ اے لوگو! بکثرت لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ پڑھنے والوں پر موت کے وقت کوئی گھبراہٹ نہ ہوگی۔ اور نہ ان لوگوں کی قبر میں کسی قسم کی انہیں وحشت۔ ہوگی۔ اور نہ حشر کے دن ان کو کوئی بے چینی ہوگی۔ مجھے اس وقت گویا یہ بات نظر آرہی ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ پڑھنے والے اپنی قبروں سے اٹھ رہے ہیں۔ اور اپنے سروں سے خاک جھاڑ رہے ہیں۔ اور یہ کہہ رہے ہیں۔ کہ لاکھ لاکھ شکر ہے اس خدا کا جس نے تمام تکلیفیں ہم سے دور کردیں۔ اور کوئی رنج و غم ہمارے پاس نہ پھٹکا۔

(۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ اور اس یہودی کا ایک جوان بیٹا تھا۔ اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا۔ اتفاقاً وہ نوجوان بیمار ہوا۔ اور نزع نزع کی حالت اس پر طاری ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خبر پاتے ہی اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اور آخری حالت دیکھ کر اس کو کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تلقین فرمائی۔ نوجوان نے اجازت کی غرض سے اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ اس کے باپ نے اس کو اجازت دے دی اور کہا۔ اطع ابا القاسم۔ اس نوجوان نے کلمہ پڑھا اور فوراً ہی مر گیا۔ حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے اس کو کفن پہنایا۔ اور خود ہی جنازہ کی نماز پڑھائی۔ جب قبرستان میں جنازہ لے چلے تو تو صحابہؓ نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایڑیاں کھڑی کر رکھی ہیں۔ اور پنجوں کے

---

[۱] حدیث میں ہے۔ مَنْ کَانَ اٰخِرُ کَلَامِہٖ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔

بل چل رہے ہیں. صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اس طرح چلنے کا کیا سبب ہے۔؟
آپ نے فرمایا کہ اس نوجوان کے جنازہ کو کندھا دینے کے لئے آسمان سے اس قدر فرشتے اترے ہیں، کہ ان کی کثرت کی وجہ سے میں اپنا پورا پاؤں بھی زمین پر نہیں رکھ سکتا۔ صحابہؓ نے پھر دریافت کیا یا رسول اللہ! اس کے جنازہ کے ساتھ شرکت کرنے کے لئے اس قدر فرشتوں کے آنے کی کیا وجہ ہے؟۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس نوجوان کے خلوص کے ساتھ مرتے وقت کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ۔ پڑھ لیا تھا (آپ سوچیئے کہ جس شخص نے آخری عمر میں صرف ایک مرتبہ کلمہ پڑھ کر یہ درجہ پایا تو ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جو ہمیشہ اس کلمہ کا ورد رکھتے ہیں[لے] (احسن المواعظ)

۴۔ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نے ثابت نگل لیا۔ اور آپ کو لے کر سمندر کی تہہ میں پہنچ گئی۔ وہاں پہنچ کر حضرت یونس علیہ السلام نے تسبیح کی آواز سنی. حضرت یونس علیہ السلام نے دربار الٰہی میں عرض کیا الٰہی! یہ آواز کس کی ہے؟ فرمایا کہ سمندر کی تہہ میں جو کنکریاں وغیرہ پڑی ہوئی ہیں۔ وہ ہماری تسبیح کر رہی ہیں۔ یہ ان کی آواز ہے۔ یہ سن کر حضرت یونسؑ نے بھی تسبیح الٰہی شروع کر دی اور پڑھا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ؕ حضرت یونسؑ نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ۔ پڑھا اور مچھلی کو حکم ہوا کہ سطح سمندر پر جا کر یونس کو صحیح وسالم خشکی پر اگل دے۔ حکم الٰہی پاتے ہی مچھلی سمندر پر آئی اور آپ کو ساحل پر اگل کر چلی گئی. صرف یہ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ الخ کی برکت تھی۔ کہ حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ سے صحیح وسالم زمین پر پہنچ گئے۔

فَلَوْلَآ اَنَّہٗ کَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِہٖٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (سورۃ الصٰفٰت پ۲۳)

ترجمہ۔ اگر یونسؑ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ نہ پڑھتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ ہی میں رہتے۔ پھر بھی کلمہ کی بدولت ہم نے اس کو خشکی پر پہنچا دیا فَنَبَذْنٰہُ بِالْعَرَآءِ وَھُوَ سَقِیْمٌ ؕ

لے۔ اس واقعہ کا کچھ حصہ یعنی یہودی بچہ کے اسلام لانے کا حال ترمذی شریف اور صحیح بخاری میں بھی آتا ہے۔ محمد ادریس الانصاری ۲۳ اگست ۱۹۷۲ء ۔

(حضرت سعید بن جبیرؒ کو شہید کرنے کا جب حجاج بن یوسف نے ارادہ کیا تو مکہ کے حاکم کو یہ حکم لکھ کر بھیجا کہ سعید بن جبیرؒ کو ہمارے پاس گرفتار کر کے روانہ کرو۔ چنانچہ مکہ کے حاکم نے اُن کی گرفتاری کے احکامات (وارنٹ) جاری کر دیئے۔ پولیس وارنٹ لے کر ان کے مکان پر پہنچی تو یہ نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت سعیدؒ نے نماز سے فارغ ہو کر دریافت فرمایا تم کون ہو اور کیوں آئے ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم حجاج کی پولیس کے آدمی ہیں، اور آپ کو گرفتار کرنے کے لئے آئے ہیں یہ سن کر فرمایا۔ الحمد للہ اب اس غلام کو جلد ہی مولا کا دیدار نصیب ہوگا۔ پھر فوراً ہی سپاہیوں کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ راستہ میں ایک نصرانی عابد کا گرجا آیا۔ راستہ کے اکثر مسافر رات کے وقت وہاں ہی قیام کرتے تھے۔ یہ لوگ بھی رات کے وقت وہیں ٹھہر گئے۔ جب کافی رات گذر گئی، تو نصرانی عابد اپنے حجرہ سے نکلا اور کہنے لگا۔ اے لوگو! تم گرجا کے اندر چلے جاؤ۔ یہاں رات کے وقت کافی دنوں سے ایک شیر اور شیرنی آیا کرتے ہیں۔ اور رات کے وقت میرے گرجا کے چاروں طرف پھرتے ہیں۔ یہ سن کر تمام سپاہی عبادت خانہ کے اندرونی حصہ میں داخل ہوگئے۔ مگر سعیدؒ نے عبادت خانہ کے اندر جانے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں کافر کے مکان میں پناہ نہ لوں گا۔ مجھے اپنے اللہ کی پناہ کافی ہے۔ میرا اللہ میرے ساتھ ہے۔ وہ ہر وقت میری حفاظت کرتا ہے۔ لوگوں نے کہا۔ آپ کو شیر کھا جائیں گے۔ آپ نے فرمایا میرا اللہ ان شیروں کو میرا چوکیدار بنا دے گا اور ان ہی سے میری حفاظت کا کام لے لے گا۔ کسی نے کہا شاید آپ نبی ہیں۔ فرمایا۔ نبی تو نہیں ہوں۔ مگر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ درجہ کا اُمتی اور سب سے زیادہ گنہگار غلام ہوں۔ چنانچہ جب آدھی رات ہوئی تو یکایک ایک نہایت خونخوار شیرنی آئی اور عبادت خانہ کے پاس حضرت سعیدؒ کو نماز میں دیکھ

کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ جب آپ سجدہ میں گئے تو شیرنی آپ کے پاؤں کے تلوے چاٹنے لگی اور آپ کے قریب ہی کھڑی ہو کر آپ کا پہرہ دینے لگی تھوڑی دیر میں شیر آیا اور وہ بھی آپ کو سونگھ کر شیرنی کی طرح آپ کا غلام اور چوکیدار بن گیا اور آپ کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ نصرانی یہ سب قصہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا اور اس واقعہ سے نہایت ہی حیران تھا۔ رات تو اس نے جوں توں کر کے گذاری۔ صبح ہوتے ہی اپنے عبادت خانہ (گرجا) سے باہر نکلا اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ کر آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ حجاج کے سپاہی حضرت سعیدؒ کی کرامت اور بزرگی دیکھ کر حیران تھے اور چاہتے تھے کہ آپ کو حجاج کے پاس قتل کرانے کے لئے نہ لے جائیں۔ لیکن ظالم حجاج کے خوف سے مجبور تھے جب ان کو حجاج کے سامنے کھڑا کیا گیا تو ان دونوں میں جو گفتگو ہوئی وہ درج ذیل ہے۔

حجاج: تیرا نام کیا ہے؟ (حضرت سعید بن جبیرؒ سے)

سعیدؒ: میرا نام سعید ہے۔

حجاج: تو کس کا بیٹا ہے۔؟

سعیدؒ: میں جبیر کا بیٹا ہوں۔

حجاج: نہیں بلکہ تو شقی ابن کسیر ہے (بدبخت ٹوٹے ہوئے کا بیٹا ہے)

سعیدؒ: میری والدہ میرا نام تجھ سے بہتر جانتی تھیں۔

حجاج: تو بھی بدبخت اور تیری ماں بھی بدبخت ہے۔

سعیدؒ: غیب کا جاننے والا تو نہیں بلکہ علام الغیوب (اللہ تعالیٰ) ہے

حجاج: اب ذرا ہوشیار ہو جا۔ میں تجھ کو قتل کرنے والا ہوں۔

سعیدؒ: تو میری والدہ نے میرا نام سعید ٹھیک رکھا۔

حجاج: دیکھ اب میں تجھ کو جہنم میں پہنچاتا ہوں۔

سعیدؒ : اگر مجھے یقین ہوتا کہ تو مجھ کو جہنم میں پہنچا سکتا ہے تو تجھ کو اپنا خدا بنا لیتا۔

حجاج : بتلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تیرا کیا عقیدہ ہے؟

سعیدؒ : رحمۃ العالمینؐ تھے ۔خدا کے سچے پیغمبرؐ تھے اور بہترین نصیحت کے ساتھ تمام دنیا کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔

حجاج : خلفاء کی نسبت تیرا کیا خیال ہے؟

سعیدؒ : میں اُن کا داروغہ نہیں۔ ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔

حجاج : میں اُن کو بُرا کہتا ہوں یا اچھا؟

سعیدؒ : جس چیز کو میں جانتا نہیں اس کی نسبت مَیں کیا کہہ سکتا ہوں۔

حجاج : خلفاء میں سب سے بہتر تیرے نزدیک کون ہے؟

سعیدؒ : جو خدا کو سب سے زیادہ راضی کرنے والا تھا۔

حجاج : اچھا، سب سے زیادہ خدا کو راضی کرنے والا کون تھا۔؟

سعیدؒ : اس کو تو وہی جانتا ہے جو چھپی ہوئی اور ظاہر چیزوں کو جانتا ہے (یعنی اللہ زیادہ جاننے والا ہے)

حجاج : علی جہنم میں ہیں یا جنّت میں؟

سعیدؒ : اگر مَیں جنّت اور جہنم کو دیکھ آؤں، تو بتا سکتا ہوں کہ وہ جنّت میں ہیں یا نہیں۔

حجاج : تو مجھ سے سچ بولنے کا ارادہ نہیں کرتا۔ (بلکہ چال کی باتیں کرتا ہے)

سعیدؒ : مَیں نے اب تک جھوٹ بھی نہیں کہا۔

حجاج : میں نے سُنا ہے تو کبھی ہنستا نہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

سعیدؒ : مجھے قیامت میں اللہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے، اور اس کی

دوزخ کا خوف

حجاج : میں تو خوب ہنستا ہوں۔

سعیدؒ : اللہ نے ہم کو مختلف طریقوں پر بنایا ہے۔ (تمہارا اس میں کوئی تصور نہیں)

حجاج : اچھا سعید اب بہت دیر ہوگئی، میں تم کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔

سعیدؒ : کوئی پرواہ نہیں۔ میری موت کا سبب پیدا کرنے والا اپنے کام سے کبھی کا فارغ ہو چکا۔

حجاج : میں اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ محبوب ہوں، اور وہ مجھ سے زیادہ راضی ہے۔

سعیدؒ : غیب کی خبر اللہ کے سوا کسی کو نہیں اور جب تک اپنا مرتبہ معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک کوئی بھی جرأت نہیں کر سکتا۔

حجاج : میں جرأت کر سکتا ہوں کیونکہ میں جماعت کے بادشاہ کے ساتھ ہوں اور تو باغیوں کے ساتھ ہے۔

سعیدؒ : میں بھی جماعت سے علیحدہ نہیں ہوں۔ لیکن فتنہ کو پسند نہیں کرتا اور جو تقدیر میں ہے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

حجاج : ہم جو کچھ امیر المومنین کے لئے جمع کرتے ہیں، اس کے متعلق تمہارا کیا فتویٰ ہے؟

سعیدؒ : مجھے پہلے تفصیل معلوم ہونی چاہیئے کہ کیا کچھ وصول کرتے ہو اور کس طرح وصول کرتے ہو؟

حجاج : سونا چاندی اور بڑھیا قسم کے کپڑے منگا کر سامنے رکھ دیتا ہے

سعیدؒ : یہ اچھی چیزیں ہیں اگر اپنی شرائط کے موافق ہوں۔

حجاج : وہ شرائط کیا ہیں ؟

سعیدؒ : یہ کہ تو اُن سے وہ چیزیں خریدے جو قیامت کے روز تیرے لئے امن لانے والی ہوں۔

حجاج : اچھا، جو ہم نے جمع کیا ہے، تمہارے نزدیک اچھی چیز نہیں؟

سعیدؒ : اس چیز کو تو خود ہی سمجھ سکتا ہے۔ کہ اچھی ہے یا بُری ؟

حجاج : کیا تم اس میں سے کوئی چیز پسند کرتے ہو ؟

سعیدؒ : نہیں! میں صرف اس چیز کو پسند کرتا ہوں جو اللہ کو پسند ہو۔

حجاج : (دِق ہوکر) تیرے لئے ہلاکت ہو۔

سعیدؒ : ہلاکت اس شخص کے لئے ہے جو جنت سے ہٹا کر جہنم میں داخل داخل کر دیا جائے۔

حجاج : اچھا، مجھے بتلا، تجھ کو کس طرح قتل کروں ؟

سعیدؒ : جس طرح تو اپنے لئے قتل ہونے کو پسند کرے۔

حجاج : کیا تجھ کو معاف کردوں ؟

سعیدؒ : معافی اللہ کے یہاں کی معافی ہے۔ تیری معافی کوئی وقعت نہیں رکھتی۔

حجاج : (جلاد کو بلا کر) حکم دیتا ہے کہ اس کو قتل کردو۔ حضرت سعیدؒ قتل کرنے کے لئے باہر لائے گئے اور ایک دم ہنسنے لگے حجاج کو معلوم ہوا، تو حضرت سعیدؒ کو دوبارہ اندر طلب کیا گیا اور پوچھا گیا کہ تم کیوں ہنسے ؟

سعیدؒ : تیرے اللہ پہ جرأت کرنے اور اللہ کے تجھ پر حلم کرنے پر ہنسا ہوں۔

حجاج : (حاضرین سے خطاب کر کے) مَیں اس شخص کو قتل کرتا ہوں جس نے مسلمانوں کی جماعت میں تفریق ڈالی اور یہ کہہ کر جلاد کو حکم دیا کہ میرے سامنے اس کی گردن اُڑا دے۔

سعیدؒ : مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دی جائے۔

حجاج : اجازت ہے۔ پڑھ لو۔

حضرت سعیدؒ نماز کی نیّت باندھتے ہیں۔ حجاج کو پھر غصّہ آتا ہے اور اپنے ملازموں سے کہتا ہے کہ اس کا چہرہ قبلہ سے ہٹا کر نصاریٰ کے قبلہ کی طرف کر دو۔ حجاج کے ملازم سنتے ہی ان کا چہرہ قبلہ سے پھیر دیتے ہیں۔ حضرت سعیدؒ آیت فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ پڑھتے ہیں

ترجمہ :- جس طرف تم پھیر دو اسی طرف قبلہ ہے۔ (پارہ ۱ سورہ بقرہ)

حجاج : اس کو اوندھا ڈال دو ہم تو ظاہر پر عمل کریں گے۔

سعیدؒ : مِنۡہَا خَلَقۡنٰکُمۡ وَ فِیۡہَا نُعِیۡدُکُمۡ وَ مِنۡہَا نُخۡرِجُکُمۡ تَارَۃً اُخۡرٰی۔ (ترجمہ) ہم نے تم کو زمین سے ہی پیدا کیا اور زمین میں ہی لوٹائیں گے اور اسی سے پھر نکالیں گے۔ (پارہ ۱۶)

حجاج : اس کو قتل کر دو۔ جلدی کرو۔ اب دیر نہ کرو۔

سعیدؒ : میں تجھ کو گواہ کرتا ہوں۔ اَشۡہَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشۡہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوۡلُ اللّٰہِ اے حجاج تو اس کو یاد رکھنا جب میں قیامت کے روز تجھ سے ملوں گا تو اپنی امانت واپس لے لوں گا۔ اس کے بعد قتل کر دیئے گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون[1]

(تاریخ ابن خلقان۔ حیٰوۃ الحیوان۔ حکایۃ صحابہؓ حضرت الاستاذ مولانا محمد زکریا صاحب)

---

[1] علمائے سلف۔ کتاب الامامۃ السیاسۃ میں یہ بھی لکھا ہے کہ قتل کے بعد حضرت سعیدؒ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۸) قیامت کے روز ایک شخص کو اللہ کی جناب میں پیش کیا جائے گا۔ جس کے گناہوں کے ۹۹ رجسٹر ہوں گے۔ اور ایک ایک رجسٹر اس کی نگاہ کے برابر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جاؤ اس کے اعمال نامے کو ترازو میں تلواؤ۔ چنانچہ یہ شخص وہاں قسم قسم کے خیال کرتا ہوا پہنچے گا۔ جب ننانوے دفتر ایک پلے میں رکھے جائیں گے تب ایک پرچہ لایا جائے گا۔ جس پر صرف لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا ہوگا۔ اس کو نیکیوں کے پلہ میں رکھیں گے تو وہ پرچہ ان سب دفتروں پر وزن میں بڑھ جائے گا۔ اور اس کو حکم ہوگا کہ جنت میں چلے جاؤ۔ یہ شخص نہایت حیرانی کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا۔ (ترمذی)

کلمہ طیبہ کی خصوصیات

(۱) ایک پکارنے والا عرش الٰہی کے نیچے کھڑے ہو کر آواز سے کہتا ہے کہ اے جہنم! تو کس کے لئے پیدا کی گئی؟ جہنم کہتی ہے میں اُس کے لئے پیدا کی گئی جو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا انکار کرے اور جو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتا ہے، اُس پر میں حرام ہوں۔ (احسن المواعظ)

(۲) حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے رات دن میں کسی وقت لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا۔ اس کے اعمال نامے میں جتنے بھی چھوٹے گناہ تھے، سب معاف ہو گئے۔ (ترغیب منذری)

(بقیہ حاشیہ ۱) کے جسم سے اس قدر خون جاری ہوا کہ حجاج نے آج تک کسی مقتول کے جسم سے اتنا خون نکلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اس بات سے اس کو بہت تعجب ہوا۔ اس نے اپنے طبیب خاص سے اسکی وجہ دریافت کی۔ اُس نے بتایا۔ ان کا قلب نہایت مطمئن تھا۔ ان کے دل میں اپنے قتل ہونے کا ذرا سا بھی خوف نہ تھا جس کی وجہ سے اُن کا خون اپنی مقدار پر بحالہ قائم رہا۔ بخلاف دوسرے لوگوں کے کہ اُن کا خون موت سے پہلے ہی خشک ہو جاتا ہے۔ محمد ادریس، رجب ۱۳۹۳ھ)

(۳) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب میری اُمّت کے گناہ گار مرد عورت جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ تب یہ لوگ متفق ہو کر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا ذکر کریں گے۔ کلمہ سنتے ہی جہنّم کی آگ ان کے پاس سے دور ہو جائے گی۔ مالک داروغہ دوزخ، دوزخ کی آگ سے کہیں گے۔ اے آگ! ان کو جلا کر کوئلہ کر دے۔ آگ عذر کرے گی کہ اے مالک! یہ لوگ ایسا کلمہ پڑھتے ہیں کہ اس کلمہ کی وجہ سے میں ان کو کبھی بھی نہیں جلا سکتی۔ مالک پھر فرمائیں گے۔ نہیں نہیں، ان کو اپنی لپیٹ میں لے کر جلا دے۔ آگ پھر عذر کرے گی کہ بھلا میں کس طرح جلا سکتی ہوں یہ لوگ تو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ پڑھتے ہیں۔ مالک تیسری مرتبہ آگ کو حکم دیں گے کہ جلدی کرو اور ان کو جلا کر خاک سیاہ کر دے۔ تب آگ اُن کے نزدیک آئے گی۔ اس وقت اللہ کے حکم سے ان کی زبانیں بند ہو جائیں گی اور پھر یہ لوگ کلمہ نہ پڑھ سکیں گے۔ اس وقت جہنم کی آگ ان کو اپنی لپیٹ میں لے کر جلانا شروع کر دے گی۔ (تنبیہ ابو اللیث سمرقندی)

دل سے کلمہ پڑھنے والے کی قبر میں روشنی ہو گی اور اس کی قبر کو فراخ کر دیا جائے گا۔

احوالِ مَہر و برزخ

(۴) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، جب میّت کو قبر میں داخل کر دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ جن کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اور ان کی آنکھیں نیلی ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک کو مُنکَر دوسرے کو نکیر کہتے ہیں اور یہ دونوں فرشتے آکر اس طرح سوال کرتے ہیں۔ کیا کہتا ہے تو اس شخص (محمدؐ) کے بارے میں۔ تب مُردہ اس کے جواب میں یہ کلمہ کہے گا۔ ھُوَ عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ یعنی وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اس پر یہ دونوں فرشتے کہیں گے۔ ہم تیری صورت دیکھ کر سمجھ

گئے تھے کہ تو یہی کہے گا۔ اس کے بعد اس کی قبر میں ۷۰ ہاتھ مربع فراخی کر دی جائے گی۔ اور پھر اس کے واسطے وہاں پر روشنی کر دی جائے گی اور پھر مردہ سے کہا جائے گا کہ سو جا (آرام کر) مُردہ اس کے جواب میں یہ کہے گا کہ میں چاہتا ہوں کہ واپس اپنے بال بچوں کو اپنی حالت کی اطلاع دوں۔ اس پر فرشتے فرمائیں گے نہیں۔ بلکہ آرام کر جس طرح دُلہن آرام کرتی ہے اور اس کو کوئی نہیں چھیڑتا۔ بجز اس کے خاوند کے اور اگر یہ مُردہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا زبان سے تو اقرار کرتا تھا لیکن دل میں اس کی تصدیق نہیں تھی تو فرشتوں کے جواب میں کہے گا کہ جس طرح اور لوگ کلمہ پڑھتے تھے۔ میں بھی اسی طرح پڑھتا تھا۔ اس پر فرشتے فرمائیں گے ہم کو تیرے چہرے سے پہلے ہی اندازہ تھا کہ تو اس طرح کہے گا اور اس کے بعد زمین سے کہا جائے گا کہ اے زمین تو اس پر برابر ہو جا چنانچہ زمین اس پہ برابر ہو جائے گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اس کی دائیں پسلیاں بائیں میں اور بائیں پسلیاں داہنی میں داخل ہو جائیں گی۔ اور وہ اسی طرح قیامت تک عذاب میں مبتلا رہے گا (ترمذی)

۵) مسلمان سے قبر میں کلمہ طیبہ سنا جائے گا۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان سے جب قبر میں سوال کیا جائے گا تو وہ اس کے جواب میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھے گا (بخاری و مسلم)

(۶) کلمہ طیبہ کے مقابلہ میں آسمان اور زمین اور ان کی ساری کائنات ہلکی ہیں۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے اللہ مجھے کوئی ایسی چیز (وظیفہ) بتلایا جائے

جس سے میں آپ کو یاد کر لیا کروں۔ اس پر ارشادِ عالی ہُوا کہ اے موسیٰ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ کر ہم کو پکارا کرو اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ کر ہمارا ذکر کیا کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ اے اللہ یہ کلمہ طیبہ تو تمہارے تمام بندے پڑھتے ہیں۔ میں تو کوئی ایسی خاص چیز چاہتا ہوں، جو میرے سوا دوسرا کوئی اس کو نہ جانے اس پر حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اے موسیٰ (تم اس کلمہ کی قدر نہیں جانتے) اگر میرے علاوہ ساتوں آسمان اور ان کی حفاظت کرنے والے اور ساتوں زمینیں معہ اپنے رہنے والوں کے ترازو کے پلّہ میں رکھ دیئے جائیں اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ایک پلّہ میں رکھ دیا جائے تو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سب پر غالب ہو جائے گا۔
(مشکوٰۃ شریف)

(۷) کلمہ طیبہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچتا ہے۔

فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سُبْحَانَ اللّٰہِ نصف المیزان ہے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اس کو بھر دیتا ہے اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے لئے اللہ کے سوا کوئی پردہ نہیں۔ یہاں تک کہ یہ کلمہ براہِ راست سیدھا اللہ کی جناب میں پہنچ جاتا ہے۔
(ترمذی وقال غریب)

(۸) کلمہ پڑھنے والے حضورؐ کی شفاعت کے سب سے زیادہ مستحق ہوں گے

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے روز سب سے زیادہ میری شفاعت کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جن لوگوں نے دل سے یقین کر کے سچ سمجھ کر اقرار کیا ہوگا۔

(۹) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھنے والے کو رب العزت اپنے دستِ قدرت سے جہنم سے نکالیں گے۔ (بخاری شریف)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، قیامت کے روز میں چوتھی مرتبہ اللہ کی

جناب میں تعریف کروں گا اور پھر سجدہ میں چلا جاؤں گا تب اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ اے محمدؐ! اُٹھاؤ اپنے سر کو اور کہو، ہم تمہاری سنیں گے۔ مانگو، ہم تم کو دیں گے سفارش کرو، ہم تمہاری سفارش قبول کریں گے۔ میں عرض کروں گا۔ اے میرے پالنے والے! مجھے اجازت دیجئے ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا اور اُن کے پاس اس کے سوا کوئی عمل نہیں۔ اس وقت حق تعالیٰ فرمائیں گے۔ اے ہمارے پیارے! یہ تمہارے لئے نہیں بلکہ قسم ہے میری عزت اور میرے جلال اور میری بڑائی اور عظمت کی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے والوں کو جہنم سے میں خود اپنے ہاتھ سے نکالوں گا۔

(۱۰) کلمہ پڑھنے کے بعد تمام چھوٹے بڑے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔
(بخاری و مسلم)

حضرت عمرو بن عاص رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے خود حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضورؐ اپنے ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں آپ سے بیعت ہو جاؤں، آپؐ نے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے عمرو! کیا ہوا میں نے عرض کیا۔ حضورؐ میں چاہتا ہوں کہ پہلے آپؐ سے کچھ شرائط طے کر لوں آپؐ نے فرمایا۔ تیری کیا شرائط ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ میرے تمام گناہ معاف ہونے چاہئیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا۔ اِنَّ الْاِسْلَامَ یَھْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَہٗ، اے عمرو! تم جانتے نہیں کہ ایک مرتبہ کلمہ پڑھنے سے جتنے بھی اس سے پہلے گناہ ہو چکے ہیں سب معاف ہو جاتے ہیں (مسلم شریف)

(۱۱) جس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، دل کی تصدیق کے ساتھ پڑھا۔ اس پر جہنم کی آگ حرام ہے (بخاری و مسلم)

(۱۲) جس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا۔ اور اسی پر اس کی موت ہو گئی، وہ جنت

میں ضرور داخل ہوگا، اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔ (ترمذی)

(۱۳) کلمہ پڑھ کر جو شرک سے بچتا رہا۔ اس کے واسطے اللہ کی ضمانت ہے کہ اس کو عذاب نہیں کریں گے۔ (بخاری و مسلم)

(۱۴) جو شخص دل کے یقین کے ساتھ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھے اس کے لئے جنّت کی بشارت ہے (مسلم شریف)

(۱۵) جنّت کی کنجیاں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی گواہی دینے سے حاصل ہوتی ہیں۔ (مسند احمد)

(۱۶) جو شخص لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتا ہو، اس کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر کہو اور کسی عمل کی وجہ سے اس کو اسلام سے خارج نہ کرو (ابو داؤد)

(۱۷) جو بندہ رات دن کے کسی حصّہ میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتا ہے، اس کے نامۂ اعمال میں جس قدر چھوٹے گناہ ہوں گے، سب مٹا دیئے جائیں گے اور ان کے عوض اتنی ہی نیکیاں وہاں پر لکھ دی جائیں گی۔ (مسند ابو یعلیٰ)

(۱۸) جس نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تعظیم سے پڑھا اور اس کے حرفوں کی کشش کو ذرا کھینچ کر پڑھا۔ تو اس کے چار ہزار گناہ معاف ہوں گے۔ اور اگر اس کے اتنے گناہ نہ ہوں گے تو اس کے گھر والوں اور پڑوسیوں کے اتنے ہی گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (تنبیہ ابو اللیث) اس سے معلوم ہوا کہ ذکر کرنے والوں کا پڑوس بھی بہتر چیز ہے۔ اور ان کے بال بچہ بننا بھی بڑی اللہ کی رحمت ہے

(۱۹) عرش الٰہی کے سامنے ایک عظیم الشان نور کا ستون ہے۔ جب کوئی شخص دنیا میں کلمہ پڑھتا ہے تو وہ نورانی ستون خود بخود حرکت کرنے لگتا ہے۔ حق تعالیٰ اس ستون سے فرماتے ہیں کہ ٹھہر جا کیوں حرکت کرتا ہے۔ وہ ستون عرض کرتا ہے کہ الٰہی جب تک اس کلمہ کے پڑھنے والے کی بخشش اور معافی نہ ہو جائے

گی، میں اس کی سفارش کرنے کی غرض سے اسی طرح حرکت کرتا رہوں گا۔ باری تعالےٰ کا ارشاد ہوگا۔ اچھا، ہم نے اس کلمہ پڑھنے والے کو بخش دیا۔ تب وہ ستون ٹھہر جائے گا۔ (مسند بزار)

(۲۰) تاریخ آثار الاوّل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ میرے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بیان فرمایا کہ جبریلؑ نے مجھ سے بیان فرمایا کہ میں نے رب العزت سے سُنا ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میرا قلعہ ہے جس نے اس کلمہ کو صدقِ دل سے پڑھا وہ میرے قلعہ میں داخل ہوگیا اور جو شخص بھی میرے قلعہ میں داخل ہوگیا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہوگیا۔[۱]

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھنے والوں کے چند سچے قصے

(۱) منتخب النفائس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص چار سو اسّی برس تک کفر و بت پرستی میں مبتلا رہا۔ توفیقِ ایزدی نے دستگیری فرمائی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُوْسٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ پڑھا۔ ادھر کلمہ پڑھا، اُدھر جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ اے موسیٰ! رب العزت نے ایک دفعہ کلمہ پڑھنے کے سبب اس شخص کے چار سو اسّی برس کے سارے گناہ معاف کردیئے۔

(۲) ایک روز کا واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ فلاں انصاری جو صحابی ہیں، حالت نزع میں مبتلا ہیں۔ آپؐ سنتے ہی ان صحابیؓ کے مکان پر

---

[۱] صوفیائے کرام اکثر اپنی کتابوں میں اس حدیث کو بیان کرتے ہیں۔ الفاظ یہ ہیں لا الٰہ الا اللہ حصنی ومن قالہا دخل فی حصنی ومن دخل فی حصنی اٰمن من عذابی۔ محمد ادریس الانصاری ۲۴ اگست ۱۹۷۲ء مطابق رجب ۱۳۹۲ھ۔

رونق افروز ہوتے۔ دیکھا کہ واقعی نزع کی حالت میں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ خدا کے بندے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ لے ـــــــــ کیونکہ مَنْ کَانَ اٰخِرُ کَلَامِهٖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ یعنی آخری وقت لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھنا جنت میں جانے کی علامت ہے۔ ارشادِ گرامی سن کر سرِ حیران صحابی رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ کلمہ پڑھوں لیکن زبان کی طاقتِ گویائی جواب دے چکی تھی، مجبور ہو کر آسمان کی طرف شہادت کی انگلی اٹھائی اور اشارہ سے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر ہونٹوں کو جنبش دی۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے صحابہ رضی اللہ عنہم نے مسکرانے کی وجہ دریافت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس سے جب کلمہ طیبہ کی بابت کہا تو یہ بے چارہ کلمہ نہیں پڑھ سکا اور اپنے پاس والوں کو گواہ نہ بنا سکا۔ تب اس نے ناچار ہو کر آسمان کی طرف اشارہ کیا اور آسمان والے کو اپنا گواہ بنایا۔ ادھر اس نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی۔ فوراً ربّ العزت کی طرف سے فرشتوں کو ندا ہوئی کہ اے فرشتو دیکھو جب میرے بندہ کی زبان بند ہوگئی اور وہ اپنی زبان سے کسی کو اپنے کلمہ کا گواہ نہ بنا سکا، تب اس نے ہماری طرف رجوع کیا کیونکہ ہم دل کی باتوں سے بھی واقف ہیں۔

یَعْلَمُ مَا تُکِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ۝ (پارہ ۲۰-۱) ہم کو اس نے کلمہ کو گواہ بنایا ہے۔ لہٰذا اے فرشتو، ہم تم کو گواہ بناتے ہیں کہ ہم نے اس بندہ کے تمام گناہ معاف کئے۔ وہ ہمارا بندہ ہے، ہم اس کے خدا ہیں۔

شرح مواہب لدنیہ میں ہے۔ ابو سعید مقبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کہ میں بعض جزیروں کی سیر کو گیا۔ وہاں میں نے ایک عظیم الشان درخت دیکھا۔ جس کے بہت بڑے رنگ کے پتے تھے، پتوں کے بیچ میں ہر پتہ پر سفید حرفوں میں کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا تھا۔ حضرت حمزہ زیات فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں

کوفہ کی ایک ویران جگہ شب باش ہوا جب بہت سی رات گذر گئی تو دو جن ڈراؤنی شکل کے جو نہایت خبیث تھے، اسی کھنڈر میں آئے۔ ایک نے دوسرے سے کہا۔ یہ وہی شخص ہے جو کوفہ کے لوگوں کو قرآن پڑھاتا ہے اس کو آج قتل کروں گا۔ دوسرے نے کہا کیوں؟ اس نے کہا تم کو کیا پڑی ہے۔ آج یہ بچ نہیں سکتا اور وہی جن میرے قتل کے ارادہ سے میرے پاس آیا۔ میں ان دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ اور اس کے ارادہ سے میں واقف تھا۔ میں فوراً آیت شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلٰئِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ط لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (پارہ ۳) پڑھی وہ قاتل جن عاجز اور ذلیل ہو کر واپس ہو گیا۔ اور باوجود اپنی پوری کوشش کے مجھے قتل نہ کر سکا۔ دوسرے جن نے کہا تم تو اس کو قتل کرنا چاہتے تھے، اب اس کلمہ کی وجہ سے تمہارے ذمہ صبح تک اس کی حفاظت اور چوکیداری ضروری ہو گئی اور اب کسی حال میں بھی ہم یہاں سے نہیں جا سکتے۔ جبراً و قہراً اس کی حفاظت کرو اور اس کا پہرہ دو۔ یہ شخص اللہ کی حفظ و امان میں آگیا ہے، کیونکہ اس نے ایسی آیت پڑھی ہے کہ ہر شے پر اس کی حفاظت ضروری ہو گئی۔

۴۔ تفسیر کبیر میں ایک حاجی صاحب کا واقعہ لکھا ہے کہ عرفات کے میدان میں سات کنکریاں لے کر، ان کنکریوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔ اے کنکریو! میں تمہیں اپنے کلمہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ط کا گواہ بناتا ہوں۔ پھر اس شخص نے کنکریوں کو میدان عرفات میں پھینکا۔ رات کو خواب میں یہ دیکھا کہ میدانِ حشر قائم ہے ہر ایک شخص کے نیک اور بد اعمال تولے جاتے ہیں۔ جس وقت میرے اعمال تولے گئے تو میرے گناہ زیادہ وزنی نکلے اور نیکیاں کم ہو گئیں۔

حکم الٰہی ہوا کہ اس کو دوزخ میں لے جاؤ۔ حکم سنتے ہی ملائکہ مجھے دوزخ کی

طرف لے چلے۔ مگر میں نے دوزخ کو دیکھا کہ ساتوں دروازوں پر اس کی ایک ایک سل حائل ہے۔ جہنم کی نگرانی کرنے والے فرشتوں نے بہت زور لگایا کہ اس کو ہٹا دیں مگر وہ سل کسی صورت میں اُن سے نہ ہٹ سکی۔ مجبور ہو کر فرشتوں نے مجھے عرش الٰہی کے نیچے پہنچا دیا وہ کنکریاں میرے ساتھ بارگاہ الٰہی میں پہنچیں اور میری سفارش کرنی شروع کر دی حتیٰ کہ رب العالمین نے مجھے بخش دیا اور فرمایا کہ اس کو جنت میں لے جاؤ۔ یہ حکم سن کر وہ کنکریاں دوڑیں اور مجھ سے پہلے جنت کے دروازوں پر پہنچ گئیں۔ ساتوں دروازوں پر وہ کنکریاں مجھے پکارنے لگیں کہ تو نے ہمیں اپنے کلمہ کا گواہ بنایا تھا۔ آج تو اس دروازے سے جنت میں داخل ہو جا۔ دوسری کنکری کہتی تھی کہ اس دروازے سے آئیے اور جنت میں داخل ہو جیئے۔ غرضیکہ ساتوں کنکریاں اسی طرح اپنی اپنی طرف سے آنے کی دعوت دیتی تھیں۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی اور دن بھر میری طبیعت اس منظر کو دیکھ کر مسرور رہی۔

۵۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ پڑھنے والوں کی جماعت اپنے گناہوں کے سبب جہنم میں داخل کی جائے گی۔ اتفاقاً یہود و نصاریٰ اور مشرکین ایک روز جہنم میں اس جماعت کو دیکھ کر طعنہ دیں گے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ آج تمہارے کچھ بھی کام نہیں آیا۔ ہم لوگ تو اس کے قائل نہیں تھے۔ پھر ہمارا اور تمہارا جہنم کی آگ میں جمع ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ لہٰذا ہم اور تم اسے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے پڑھنے والو برابر ہو گئے۔ حضورؐ عالی ارشاد فرماتے تھے کہ جب یہ طعنہ کفار کی جانب سے دیا جائے گا تو فوراً ہی رحمتِ الٰہی جوش میں آئے گی۔ اور ارشاد ہو گا کہ آج ہمارے کلمہ کو کفر کے برابر کر دیا گیا اے جبرئیل جلدی جاؤ دیکھو ہمارے کلمہ پڑھنے والے گناہ گاروں کا جہنم میں

کیا حال ہو چکا۔ جبرئیلؑ عرض کریں گے۔ خداوندا تو ان کے حال سے اچھی طرح واقف ہے۔ آج کیا وجہ ہوئی ہے جو ان خطا کاروں کی طرف نظرِ رحمت مبذول ہوئی۔ ارشاد ہوگا کہ اے جبرئیل بات یہ ہے کہ آج کفار نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھنے والوں کو اس ہمارے کلمہ کا طعنہ دیا ہے۔ اب کلمہ طیبہ پڑھنے والوں کے لیئے وہ وقت قریب ہے کہ عام معافی کا اعلان کر دیا جاوے۔ یہ ارشاد سُن کر جبرئیل امینؑ دوزخ کی طرف روانہ ہوں گے (مالک (داروغہ) دوزخ) حضرت جبرئیلؑ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھ کر دریافت فرمائیں گے۔ فرمایئے جناب آج کیسے تشریف آوری ہوئی؟

جبرئیل علیہ السّلام، مالک سے پوچھیں گے۔ بتلاؤ تو سہی کلمہ پڑھنے والوں کا کیا حال ہے؟

مالک علیہ السلام کہیں گے۔ کچھ نہ پوچھیئے ان کی حالت نہایت ابتر ہے۔ ایک تو تنگ مکان مقید ہیں۔ دوسرے آگ نے اُن کے جسم کو جلا ڈالا۔ ہڈیاں راکھ ہو گئیں اور آگ نے اُن کا کچھ بھی باقی نہیں چھوڑا۔ صرف ان کی زبان اور دل محفوظ ہے یہ سن کر جبرئیل علیہ السّلام فرمائیں گے۔ اچھا، دوزخ یعنی خدائی جیل خانہ کا دروازہ کھولو، تاکہ مَیں بھی معائنہ کر لوں۔ مالک یہ سنتے ہی جہنّم کا دروازہ کھولیں گے اور سرپوش اٹھادیں گے۔ اسی وقت جبرئیل علیہ السلام ملاحظہ کرنے کے لیئے مالک کی ہمراہی میں تشریف لے جائیں گے۔ احکم الحاکمین کے سزا یافتہ قیدی جبرئیل علیہ السّلام کی نورانی شکل دیکھ کر مالک سے پوچھیں گے۔ یہ کون ہیں؟ ہم نے آج تک ایسی نورانی شکل کبھی نہیں دیکھی۔ مالک ان کو جواب دیں گے کہ یہ جبرئیل امین ہیں جو سب سے آخر میں خاتم النّبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لیکر جایا کرتے تھے۔ حضورؐ کا اسم گرامی سُن کر گنہگاران اُمّت چیخ اٹھیں گے اور رو رو کر عرض کریں گے کہ جبرئیل خدارا ہمارے نبی کو ہمارا سلام پہنچا کر ہمارے حالِ زار سے

مطلع کر دیجئے۔ جبرئیل امین ان لوگوں سے وعدہ فرما کر، فرمائیں گے بے فکر رہو میں ضرور اس کا خیال کروں گا۔ یہ کہہ کر جبرئیل وہاں سے رخصت ہوں گے اور اپنے مقام پر آئیں گے۔ ارحم الراحمین کا ارشاد ہوگا۔ اے جبرئیل سناؤ کیا دیکھ کر آئے عرض کریں گے۔ یا الٰہی! تو سب کچھ جانتا ہے۔ وہ نہایت تنگ اور پریشان حال ہیں۔ اسی ہم کلامی کی لذت میں جبرئیل علیہ السلام ایسے محو اور بے خود ہوں گے کہ جہنمیوں کا وعدہ یکسر فراموش ہو جائے گا۔ آخر خود رب العالمین ارشاد فرمائیں گے۔ جبرئیل، کیا تم نے ہمارے کلمہ پڑھنے والوں سے کوئی وعدہ بھی کیا ہے؟ عرض کریں گے بے شک اے پروردگار میں وعدہ کر آیا ہوں ارشاد عالی ہوگا۔ اچھا ہمارے حبیبؐ کے پاس جاؤ اور اپنا وعدہ پورا کراؤ۔ اشارہ پاتے ہی حضرت جبرئیلؑ امین حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر گذارش کریں گے کہ اے حبیبؐ رب العالمین، آپ کی گناہ گار اُمت کی، تباہ حالی دیکھ کر حاضر خدمت ہوا ہوں اے محبوب رب العالمین آپ کی نافرمان امت نہایت الحاجت کے ساتھ رو رو کر سلام عرض کرتی تھی اور یہ التجا کرتی تھی کہ خدا کے لئے ہمارے حال زار کی خبر لیجئے۔ شفیع المذنبین اس خبر کے سنتے ہی فرمائیں گے لَبَّیْكَ اُمَّتِیْ۔ اے میرے اُمتی، تمہارا نبیؐ تمہاری سفارش کے لئے حاضر ہے اور اپنے مقام محمود سے رخصت ہو کر عرش الٰہی کے نیچے حاضر ہو کر ایک مرتبہ سربسجود ہوں گے اور خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسی ایسی تعریف و توصیف کریں گے جو سارے جہان میں کسی نے نہیں کی ہوگی اس حالت میں خدا جانے کتنا عرصہ گذر جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوگا۔ اے ہمارے محبوب سر اٹھاؤ۔ سَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ۔ بولو کیا چاہیئے، جو کچھ مانگو گے ملے گا۔ جو سفارش کرو گے۔ قبول ہوگی۔ یہ سنتے ہی رحمۃ للعلمین سجدہ سے سر اٹھائیں گے اور زبان مبارک پر یَارَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ کی صدائیں ہوں گی

ارشادِ باری ہوگا۔ جاؤ جس نے تمام عمر میں صدق دل سے ایک دفعہ بھی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ لیا اور شرک نہیں کیا خواہ کتنا بڑا گناہ گار کیوں نہ ہو، اس کو جہنم سے نکال لو۔ اجازت پاتے ہی آپ ﷺ مسلمانوں کو اطلاع دیں گے۔ اے لوگو! محمد نے معافی کا پروانہ حاصل کر لیا ہے۔ اے جنت والو، میرے ساتھ چلو اور تم جس کو پہچان سکو جہنم سے نکال لو۔ ارشاد سنتے ہی اہل جنت آپ ﷺ کے ہمراہ ہولیں گے پھر یہ قافلہ دوزخ کی طرف کوچ کرے گا۔ مالک، داروغہ دوزخ آپ ﷺ کو دیکھتے ہی باادب کھڑے ہو جائیں گے۔ آپ ﷺ دریافت کریں گے۔ اے مالک! جلدی بتاؤ میری گنہگار اُمت کا کیا حال ہے۔

مالک عرض کریں گے۔ کچھ نہ پوچھئے۔ آپ ﷺ فرمائیں گے بہت جلد جہنم کے دروازے کھولو۔ مالک حکم پاتے ہی جہنم کا دروازہ کھول دیں گے جب جہنمیوں کی آپ ﷺ کے چہرہ انور اور جمالِ مبارک پر نظر پڑے گی تو بے ساختہ اپنی زبانوں سے یَا مُحَمَّدُ اَحْرَقَتِ النَّارُ جُلُوْدَنَا وَاَکْبَادَنَا وَوُجُوْھَنَا، یعنی سرکار، آگ نے ہمارے جسم اور ہمارے کلیجے جلا ڈالے اور چہرے جھلس دیئے کا شور مچائیں گے۔ آپ ﷺ اس آہ وزاری سے متاثر ہو کر فوراً حکم دیں گے کہ ان کو جہنم سے نکالا جائے۔ چنانچہ حکم پاتے ہی لاتعداد جہنمیوں کو جو جل کر کوئلے کی طرح ہوں گے۔ نکالا جائے گا۔ اس کے بعد ان دوزخیوں کو صاف کرنے کے لئے نہر الحیوٰۃ میں (جو جنت میں ایک نہر ہے) داخل کیا جائے گا۔ کچھ دیر کے بعد ہی یہ لوگ چودھویں رات کے چاند کے مانند روشن اور نورانی ہو کر اس نہر سے نکلیں گے۔ اور پھر کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ کی بدولت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں آباد ہو جائیں گے۔ جب کفار اپنی آنکھوں سے کلمہ کی برکات کا مشاہدہ کر لیں گے۔ تب پچھتائیں گے۔ اور کہیں گے کاش!

ہم بھی مسلمان ہوتے۔ رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ اس وقت کافر لوگ تمنا کریں گے، کاش ہم بھی مسلمان ہوتے۔ (ابن کثیر، ابن جریر، طبری)

(۶) صاحب زواجر نقل کرتے ہیں۔ ایک کافر بادشاہ اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا اور مسلمانوں کو اس قدر قتل کرایا کرتا تھا جس کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ اتفاقاً مسلمانوں کا لشکر اس کے ملک پر غالب آگیا اور اس کافر بادشاہ کو زندہ پکڑ لیا۔ فوجیوں کی رائے ہوئی کہ اس ظالم بادشاہ کو ایک دیگ میں بند کر کے اس کا منہ مضبوطی سے بند کر دیا جائے۔ اور پھر اس دیک کو چولہے پر رکھ دیا جائے اور اس کے نیچے آگ جلادی جائے تاکہ اس کو اپنے ظلم کی پوری پوری سزا دی جائے۔ اس رائے پر اکثر لوگوں کا اتفاق ہوگیا اور اس بادشاہ کو دیگ میں بند کر دیا گیا۔ دیگ کا منہ مٹی جوش کر کے اس کے نیچے آگ جلادی گئی۔ جب دیگ گرم ہونے لگی اور اس ظالم بادشاہ کو تکلیف پہنچنے لگی۔ تب اس نے اپنے تمام جھوٹے دیوتاؤں کو پکارا کہ میری مدد کر پہنچو۔ وہاں کون سنتا تھا اور کون مدد کر سکتا تھا۔ وہ بادشاہ اپنے تمام دیوتاؤں اور بتوں سے کہنے لگا۔ میں نے تمہاری خاطر ہزاروں مسلمانوں کو تہ تیغ کیا۔ آج تم اپنے اور میرے دشمنوں کے پنجے سے مجھے نہ چھڑاؤ گے غرضیکہ اس کی سب چیخ وپکار بے کار ہوگئی۔ آخر کار اس کے دل میں یہ بات آئی کہ مسلمانوں کا کلمہ تو پڑھ کر دیکھوں۔ چنانچہ اس نے بے ساختہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھا۔ بس اب کیا دیر تھی۔ کلمہ پڑھتے ہی پہاڑ کی جانب سے ایک آندھی اور ابر آتا ہوا نمودار ہوا۔ آناً فاناً بارش شروع ہوئی اور آگ اسی وقت بجھ گئی پھر اس زور کی آندھی چلی کہ اس دیگ کو اڑا کر ایک ایسے ملک میں لے گئی، جہاں پر اللہ اللہ کہنے والا ایک بھی متنفس نہ تھا۔ اور وہاں پر ایک چوک میں جہاں بڑا بھاری مجمع ہو رہا تھا۔ اسی جگہ یہ دیگ اوپر سے اس طرح اتری جس طرح کوئی اس کو

آہستہ آہستہ سنبھال کر اُتار رہا ہو۔ یہ لوگ اس دیگ کو دیکھ کر بہت زیادہ تعجب کرنے لگے کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ چنانچہ اس دیگ کو کھولا گیا اس میں دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی صحیح سالم بیٹھا ہوا ہے۔ اس کو باہر نکلا۔ پھر اس آدمی سے پوچھا کہ تم کون ہو اور یہاں پر کس طرح پہنچے اور اس دیگ میں کس طرح قید ہوئے اس پہ بادشاہ نے اپنی ساری سرگذشت (ماجرا) اور قصہ ان لوگوں کو سنایا کہ پہلے میں کافر تھا اور مسلمانوں کو قتل کیا کرتا تھا۔ اتفاقاً مسلمانوں کا لشکر میرے ملک پر غالب آگیا اور انہوں نے مجھے قید کر لیا اور پھر مجھے سزا دینے کے لئے ان لوگوں نے مجھ کو اس دیگ میں بند کر دیا۔ اور دیگ میں بند کر کے اس طرح آگ جلائی اور اس طرح میں نے اپنے معبودوں کو پکارنا شروع کیا جب وہ کام نہ آئے تو مسلمانوں کا کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط پڑھا۔ اس کلمہ کے پڑھتے ہی بارش برسی اور ہوا مجھ کو وہاں سے اُڑا کر یہاں لے آئی اور میں صحیح سالم دیگ سے نکل آیا۔ سب لوگوں نے اس واقعہ کو نہایت تعجب کے ساتھ سنا اور اس کے بعد وہ سب لوگ بھی کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کو پڑھتے گئے اور مسلمان ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ اس قصبہ میں کوئی شخص ایسا نہ رہا جو مسلمان نہ ہو گیا ہو۔

نوٹ ۱:۔ اس قسم کی سزا دینی اسلامی قانون میں جائز نہیں۔ جو کچھ ان لوگوں نے کیا اس کے ذمہ دار وہی لوگ ہیں اس سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں۔

نوٹ ۲:۔ بظاہر اس واقعہ پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ دیگ میں بند ہو کر بغیر سانس لئے وہ کیسے زندہ رہ سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بچہ میں جب جان پڑتی ہے تو وہ چار ماہ کا ہوتا ہے۔ لیکن جان پڑنے کے بعد ۴ ماہ یا ۵ ماہ ماں کے پیٹ میں بغیر سانس لئے کیسے زندہ رہتا ہے۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ فلاں انصاری حالتِ نزع میں ہیں۔ آپؐ سنتے ہی ان کے پاس پہنچ گئے اور ان کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تلقین کرنی شروع کی۔ ان انصاری نے ہر چند چاہا کہ کلمہ پڑھ لوں لیکن زبان بند ہو چکی تھی۔ مجبور ہو کر شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور اشارہ سے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہا۔ اس وقت حضورؐ نے تبسّم فرمایا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضورؐ کے تبسّم فرمانے کا کیا سبب ہے؟

آپ نے ارشاد فرمایا جب میں نے اس بے چارے سے کلمہ طیبہ کی تلقین کی تو اس کی زبان بند ہو چکی تھی۔ ہمارے سامنے وہ کلمہ نہ پڑھ سکا۔ آخر کار اس نے رب العالمین کو اپنے کلمہ کا اشارہ سے گواہ بنایا۔ اور رب العالمین نے اس پر اپنے فرشتوں سے فرمایا۔ اے فرشتو! گواہ رہنا، ہم نے اس بندہ کو بخش دیا۔ وہ ہمارا بندہ ہے اور ہم اس کے خدا ہیں اور ہم اس کے کلمہ کے گواہ ہیں[1] (حیٰوۃ القلوب)

۸۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے شہر خراساں کے قریب ایک بچہ دیکھا جس کے داہنی طرف ماتھے پر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قدرتی قلم سے لکھا ہوا تھا اور بائیں طرف مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا تھا۔

۹۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم سمندر کے اندر کشتی میں بیٹھ کر جا رہے تھے۔ ہمارے غلام نے ایک مچھلی کا شکار کیا۔ جب ہم نے اس مچھلی کو دیکھا تو وہ سفید رنگ کی تھی اور سیاہ حرفوں میں اس کے داہنے کان کے پاس لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لکھا ہوا تھا اور بائیں کان کی طرف مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا تھا (احسن المواعظ)

خواب کی باتیں

۱۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو کسی نے خواب میں دیکھا اور

---

[1] یہ واقعہ صـ پر آچکا ہے۔ مزید یاد دہانی کے لئے مکرر لکھ دیا گیا۔

اُن سے پوچھا کہ آپ ہمیشہ زبان سے اشارہ فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ سب کام میرے سامنے رکھے ہوئے ہیں۔

فرمایا۔ ہاں اس زبان سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا تو خدا تعالیٰ نے میرے سامنے بہشت رکھ دی۔ (کیمیائے سعادت)

۲۱۔ خلیفہ ہارون رشید کی بیوی ملکہ زبیدہ کو کسی نے خواب میں دیکھا اور اُن سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان چار کلموں کے باعث جو دُنیا میں پڑھا کرتی تھی رحم فرمایا اور وہ یہ ہیں:۔ ۱۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فنا کردوں مَیں اس کے ساتھ اپنی عمر کو۔ ۲: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ داخل ہوں میں اس کے ساتھ قبر میں۔ ۳۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ خالص ہو جاؤں مَیں صرف اس کے ساتھ ۴۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ملاقات کردں مَیں اس کے ساتھ اپنے پرورد گار سے۔

اجمالی نظر

۱۔ بندہ جو بھی عمل کرتا ہے اس کو قیامت کے روز اعمال کی ترازو میں رکھا جائے گا۔ جب لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو ترازو میں رکھیں گے تو آسمان و زمین اور جو کچھ اس میں ہے سب سے زیادہ وزنی ہوگا۔

۲۔ اگر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے والا اپنے اس کہنے میں سچا ہے (یعنی یقین سے کہا ہے) تو اس کے گناہ اگرچہ زمین کی خاک کے برابر بھی ہوں وہ بھی بخش دیئے جائیں گے۔

۳۔ جس نے کلمہ پڑھا وہ بہشت میں داخل ہوگا۔

۴۔ جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۰ سو بار روز پڑھا، تو گویا اُس نے دس غلام روز آزاد کیے اور سو نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھی گئیں اور سو برائیاں اس کے نامہ اعمال سے مٹا دی گئیں، اور یہ کلمہ اس رات اور دن میں شیطان سے بچاؤ

کا بہت بڑا ذریعہ ہے

۵۔ جب تم غمگین اور کسی قسم کا تم کو غم اور رنج ہو تو یہ کلمہ پڑھ لیا کرو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ انشاء اللہ سب غم جاتے رہیں گے۔ (امام غزالیؒ)

۶۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سب سے بہتر اور اچھا ذکر ہے۔

۷۔ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اوّل لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی شہادت دینا۔ دوسرے نماز پڑھنا۔ تیسرے رمضان کے روزے رکھنا۔ چوتھے زکوٰۃ دینا۔ پانچویں حج کرنا۔ (بخاری شریف)

۸۔ ایمان کی کچھ اوپر ستر شاخیں ہیں ان میں سب سے زیادہ افضل لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا کہنا ہے اور سب سے چھوٹی شاخ راستہ سے تکلیف دینے والی چیز دور کرنا ہے۔

۹۔ جو شخص اس حالت میں مرا کہ اس کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی کا یقین ہے اس پر دوزخ کی آگ حرام ہے (مسلم شریف)

۱۰۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جب بھی کوئی (مرد یا عورت) خلوص کے ساتھ پڑھتا ہے۔ اسی وقت اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، تاکہ یہ کلمہ عرش الٰہی تک پہنچ جائے جب تک وہ گناہ کبیرہ سے بچتا رہے (ترمذی)

۱۱۔ جس شخص نے سُبْحَانَ اللّٰہِ سُبْحَانَ اللّٰہِ سو مرتبہ صبح اور سو مرتبہ شام کو پڑھا اس کو سو حج کرنے کا ثواب ملے گا۔

۱۲۔ جس شخص نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ صبح شام سو مرتبہ پڑھا۔ اس کو جہاد کے اندر سو گھوڑے دینے کا ثواب ملا۔

۱۳۔ جس شخص نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ صبح شام سو سو مرتبہ پڑھا، اس کو اتنا ثواب ملے گا، جتنا کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے سو غلاموں کو خرید کر آزاد کر دیا ہو۔

۱۴۔ جس شخص نے اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ صبح شام سو سو مرتبہ پڑھا۔ اس کے برابر اس دن کسی کی نیکی نہیں ہو گی۔ البتہ وہ شخص جس نے یہی کلمے کہے یا اس سے زیادہ تعداد میں یہ تسبیح پڑھی (ترمذی شریف)

کل امر ذی بال لم یبدأ ببسم اللہ فھو اقطع (الحدیث)

جو مہتم بالشان کام بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ ناقص و ناتمام رہیگا

فضائل بسم اللہ

ریحان

مؤلفہ:

ابو معاویہ منظور احمد تونسوی مدظلہ العالی

فاضل مدرسہ قاسم العلوم ــــ ملتان

خطیب:

جامع مسجد بیت المکرم خونی برج (ملتان)

کتب خانہ مجیدیہ

بیرون لوہاری گیٹ ملتان

فہرست مضامین

تشکر

الحمد لولیہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ نبیہ الذی لا نبی ولا رسول بعدہ وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔ آمین۔

اما بعد۔ احقر ابو معاویہ منظور احمد متوطن بڈوار شمالی تحصیل تونسہ شریف نے بسم اللہ شریف سے متعلق ۱۳۹۱ھ جمعہ کے روز اس مبارک موضوع پر اپنی سعی و کاوش کا آغاز کیا۔ ؎

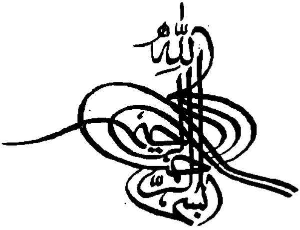
میری انتہائے نگارش یہی ہے ؎ تیرے نام سے ابتدا کر رہا ہوں۔

مسلسل تین برس مختلف کتابوں سے استفادہ کرتا رہا۔ ۲ر صفر ۱۳۹۴ھ بمطابق ۷ر مارچ کو اس رسالہ کو مکمل کیا۔ پھر مسودہ پڑا رہا۔ چھاپنے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ محترم حافظ غلام محمد صاحب ابن مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب مالک مکتبہ محمدیہ ملتان نے اس بار گراں اٹھانے کی حامی بھری۔ موصوف کو خدا جزائے خیر عطا فرمائے۔ چنانچہ اس رسالہ کے تمام تر حقوق انہیں کو دیتا ہوں۔ کوئی صاحب ان کی اجازت کے بغیر شائع نہیں کر سکتا۔ آخر میں تمام علماء و طلباء اور اہل علم حضرات سے درخواست ہے کہ اگر رسالہ ہذا میں کوئی غلطی ہو تو ہمیں مطلع فرما دیں۔ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کر دی جائے گی۔ ہم آپ کے مشکور و ممنون ہوں گے۔

دعا جو

منظور احمد تونسوی (فاضل عربی) و فاضل قاسم العلوم ملتان

خطیب جامع مسجد بیت الکرم خونی برج ملتان



بسملہ کی لفظی تحقیق

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بخشش کرنے والا مہربان ہے۔ بسملہ میں لفظ اسم کا الف کثرتِ استعمال کے باعث ساقط ہو گیا ہے۔ اور اس کے بدلے ب لمبی لکھی جاتی ہے۔ بغوی نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا قول نقل کیا ہے کہ لوگو! بَ کو دراز لکھو اور سّ کو اچھی طرح ظاہر کرو اور مَ کو گول لکھا کرو۔ اس میں کتاب اللہ کی تعظیم ہے۔ اسم سِمُوٌّ سے مشتق ہے، نہ کہ وِسْمٌ۔ کیوں کہ سُمَیٌّ اور سُمَیَّۃٌ اس کی دلیل ہے۔ عربی زبان کا عام ضابطہ ہے کہ کسی لفظ کے مادہ کے اصلی حروف تصغیر میں ظاہر کر دیے جاتے ہیں۔ اس قاعدہ کے موافق اگر اسم کی اصل سِمُوٌّ نہ قرار دی جائے۔ بلکہ وِسْمٌ قرار دی جائے تو تصغیر میں وُسَیْمٌ اور وُسَیْمَۃٌ ہونا چاہیے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اسم کی تصغیر سُمَیٌّ اور سُمَیَّۃٌ آتی ہے۔ معلوم ہوا کہ اسم کی اصل سِمُوٌّ ہے اور سِمُوٌّ کی تصغیر سُمَیٌّ اور سُمَیَّۃٌ قاعدہ کے مطابق ہی ہے۔

لفظ ب کی تحقیق

اور حرف بَ مصاحبت یا استعانت یا تبرک کے لیے ہے اور استعانت اللہ کے ذکر سے ہوا کرتی ہے۔ اور یہ بَ اس فعل سے متعلق ہے۔ جو الرَّحِیْم کے بعد

مقدر ہے۔ یعنی اَتَبَرَّکُ جیسے بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖھَا وَمُرْسٰھَا میں اور یہ بات محقق ہے کہ ابتدا بسملہ سے ہونی چاہیئے۔ عبدالقادر الرھاوی نے اربعین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بڑا کام بسملہ سے شروع نہ ہو۔ وہ ناتمام رہے گا۔

تحقیق لفظ اللہ بعض نے کہا کہ یہ اسم جامد ہے اور حق بات یہ ہے کہ اِلٰہ بمعنی معبود سے مشتق ہے۔ ہمزہ حذف کر کے الف لام اس کے عوض لایا گیا ہے۔ اور چونکہ یہ عوض بطور لزوم کے ہے۔ اس لیے یا اللہ کہنا جائز ہوگیا۔

کیونکہ اشتقاق کے معنی ہی یہ ہیں کہ دو لفظ معنی اور ترکیب میں مشترک ہوں۔ پھر یہ لفظ اس ذات واجب الوجود کا نام ہوگیا۔ جو مستجمع ہے۔ تمام صفات کمال کو اور پاک ہے تمام رذائل سے اور اسی لیے یہ لفظ خود موصوف ہوا کرتا ہے۔ کسی اور لفظ کی صفت واقع نہیں ہوتا۔ اور بر اظہار توحید کے وقت لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا جاتا ہے اور کبھی اس کا اطلاق اصل معنیٰ پر ہوتا ہے۔ فرمایا وَھُوَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ آسمانوں اور زمینوں میں صرف وہی معبود ہے۔

تحقیق اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یہ دونوں لفظ رحمۃ سے مشتق ہیں۔ اور رحمۃ رقت قلب (دل کی نرمی) کو کہتے ہیں۔ جس کا مقتضیٰ فضل واحسان ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات میں مبادی الفاظ کا لحاظ نہیں ہے۔ بلکہ غایات ومعنی کا لحاظ رکھا گیا ہے اور رحمت کا انجام احسان ہے انجام کو غایات کہتے ہیں اور آغاز کو مبادی۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ مبادی انفعالات ہوا کرتے ہیں اور انفعالات سے اللہ تعالیٰ منزہ ہے) بعض کا قول ہے کہ یہ دونوں ہم معنی لفظ مبالغہ کے صیغے ہیں اور حق یہ ہے رحمٰن میں زیادتی لفظ کے باعث رحیم کے نسبت مبالغہ زیادہ تر ہے اس لئے لفظ رحیم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص نہیں ہوا۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بالمؤمنین رءوف الرحیم

کہا گیا ہے اور رحمٰن صرف اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں اسم مہربانی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کی نسبت زیادتی اور مبالغہ پایا جاتا ہے۔ پھر یہ زیادتی کبھی مقدار کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ (یعنی رحمت سے فائدہ اٹھانے والے زیادہ ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کو رَحْمٰنُ الدُّنْیَا وَرَحِیْمُ الْاٰخِرَۃِ کہتے ہیں۔ کیونکہ رحمت آخرت میں صرف پرہیزگاروں کا حصہ ہے اور کبھی یہ زیادتی محض کیفیت کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے اللہ کو رَحْمٰنُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَرَحِیْمُ الدُّنْیَا کہتے ہیں۔ کیوں کہ آخرت کی تمام نعمتیں بیش قیمت ہیں۔ اور دنیا کی بعض نعمتیں حقیر ہیں اور بعض جلیل القدر ہیں چونکہ لفظ رحمٰن اعلام کی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لئے لفظ رحیم پر مقدم رکھا گیا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ رحمت کو تقدم زمانی حاصل ہے اور عموم رحمتِ دنیا میں مقدم ہے۔

کیا بسملہ اس امّت کی خصوصیت ہے۔ یا پہلی اُمتوں کو عطا ہوئی تھی؟

یہ کہ بسملہ شریف اس امت کے خواص میں سے ہے یا پہلی امتوں کو بھی عطا ہوئی ہے۔ ابو بکرؒ التونسی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر کتاب کو بسملہ شریف سے شروع کیا ہے اور علامہ سیوطیؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ فاتحۃ کل کتاب۔۔ یعنی بسملہ شریف تمام کتابوں کی ابتداء ہے۔

چنانچہ ایک حدیث شریف سے بھی اس کا ثبوت بایں پہنچتا ہے۔ وہ یہ

کر رہی الثعلبی باسنادہ عن ابی بردۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا اخبرک بایۃ لم تنزل علی احد بعد سلیمان بن داؤد غیری فقلت بلی قال بای شیء تستفتح القرآن اذا افتتحت الصلوٰۃ فقلت بسم اللہ قال ھی ھی۔ الخ

ترجمہ:۔ حضرت ابو بردہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے ایسی آیت نہ بتا دوں جو سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے بعد میرے سوا کسی نبیؑ پر نازل نہیں ہوئی۔ میں نے عرض کیا ضرور فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا بتاؤ جب نماز پڑھتے ہو تو قرآن مجید کہاں سے شروع کرتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! بسملہ سے۔ فرمایا یہی ہے۔ یہی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بسملہ اس امت کی خصوصیت نہیں ہے۔ اور پہلی امتوں کو عطا ہو ئی تھی۔ مگر بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بسم اللہ شریف اس امت کی خصوصیت ہے سابقہ امتوں کو عطا نہیں ہوئی۔ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام شروع میں والا ناموں میں "باسمک اللّٰھم" لکھا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بِسْمِ اللّٰہِ مجرٖھا الخ کا نزول ہوا۔ تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکتوبات کے شروع میں بسم اللہ لکھواتے تھے۔ یہاں تک کہ قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ نازل ہوئی تو پھر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم والا ناموں کے شروع میں یوں لکھواتے "بسم اللہ الرحمٰن"۔ یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا۔ حتیٰ کہ سورۃ نمل کی آیت اِنَّہٗ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" کا نزول ہوا تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم والا ناموں کے آغاز میں مکمل بسملہ تحریر کراتے تھے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ بسملہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے خصائص میں سے ہے۔ جواب لیکن یہ ٹھیک نہیں۔ کیونکہ پہلی کتابیں غیر عربی میں تھیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے تھے۔ لہٰذا عدم علم سے نفی لازم نہیں آتی۔

بسملہ کے متعلق مذاہب کی تحقیق

اہل مدینہ جیسے امام مالکؒ وغیرہ۔ اہل شام جیسے امام اوزاعیؒ وغیرہ۔ اہل بصرہ جیسے ابو عمروؒ اور یعقوبؒ اور امام ابوحنیفہؒ وغیرہ فقہاء کوفہ کا مذہب یہ ہے کہ بسم اللہ نہ سورۃ فاتحہ کا جز ہے۔ نہ اور کسی سورۃ کا۔ بلکہ تبرکاً (یا دو سورتوں کو جدا کرنے کے لیے) ہر سورۃ کا آغاز اس سے ہوا ہے اور تکرار تبرکاً ہے۔ البتہ جزو قرآن ضرور ہے۔

۲۔ امام سفیان ثوریؒ۔ ابن مبارکؒ۔ امام شافعیؒ اہل مکہ جیسے۔ ابن کثیرؒ۔ امام عاصم کوفیؒ امام کسائیؒ۔ غالب اصحاب شافعیؒ اور امامیہ کا مذہب یہ ہے کہ سورۃ براۃ کے علاوہ تمام سورتوں سے مستقل آیت ہے بطور دلیل یہ حدیث پیش کی جاتی ہے۔ جس کو حاکم نے سند صحیح کے ساتھ وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ کی تفسیر میں سعید بن جبیرؒ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ سبع مثانی ام القرآن سورۃ فاتحہ ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس کی ساتویں آیت ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ نے اکو اسطرح پڑھا جسطرح میں نے پڑھا اور پھر فرمایا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ساتویں آیت ہے۔

دوسری دلیل ترمذی کی حدیث ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کیا کرتے تھے۔ تو معلوم ہوا کہ بسم اللہ الخ ہر سورت کا جزو ہے

جواب :۔ مگر علامہ پانی پتیؒ اور دیگر محدثین نے کہا ہے کہ پہلی حدیث میں ابن عباسؓ کا یہ قول کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ساتویں آیت ہے۔ فقط ابن عباسؓ کا گمان ہے مرفوع حدیث نہیں اور ترمذی کی حدیث باعتبار اسناد قوی نہیں۔

تیسری دلیل کہ بسم اللہ الخ ہر سورۃ کا جز ہے۔ کیونکہ قرآن میں ہر جگہ اسی خط سے لکھی گئی ہے۔ جس خط سے تمام قرآن لکھا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو اس بات کی دلیل ہے کہ بسم اللہ داخل قرآن ہے۔

نہ کہ اس بات کی کہ وہ ہر سورت کا جزء ہے۔ اور یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ حالانکہ یہ صحیح حدیث ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ ملک کی بابت فرمایا ہے۔ سورۃ من القرآن ثلثون آیۃ۔ سورۃ ملک تیس آیتوں کی ہے اور اس سورۃ کی آیتیں گننے والوں نے اتفاق کیا ہے کہ اس سورۃ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو الگ کر کے تیس آیتیں ہیں۔

۳۔ امام حمزہؒ کوفی۔ بعض شوافع اور امام احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ بسملہ فقط سورۃ فاتحہ کی جزء ہے۔ اس کی دلیل میں یہ حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔

ابن جریجؒ نے ابو ملیکہؒ اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے نقل کیا ہے اور حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاتحۃ الکتاب پڑھی اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ایک آیت شمار کیا۔ الحمد للہ رب العالمین الخ کو دوسری آیت الخ اس طرح آپؐ نے سورۃ فاتحہ کی سات آیتیں شمار کیں۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فاتحۃ الکتاب کی سات آیات ہیں اور پہلی آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے۔

(اخرجہ طبرانی و بیہقی و ابن مردویہ)

بسملہ کے متعلق ایک فقہی بحث

آیا بسملہ کو نماز میں پڑھنا جائز ہے یا نہ۔ اگر نماز میں اس کی قرأت جائز ہے تو کس طرح پڑھنا چاہیئے۔ جہراً (یعنی بلند آواز سے) یا سرًا (آہستہ) پڑھنا چاہیئے۔ اکثر احنافؒ نے نماز میں بسم اللہ کے پڑھنے کو ضروری کہا ہے۔ جیسا کہ زیلعیؒ نے شرح کنز میں فرمایا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ بسملہ کا نماز کے اندر پڑھنا واجب ہے اور زاہدیؒ نے مجتبیٰؒ سے نقل کیا کہ صحیح بات یہ ہے کہ بسملہ کی قرأت ہر رکعت میں ضروری ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ سے صحیح روایت اسی طرح مروی ہے اور نماز میں بسملہ کے ساتھ اخفا کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم شریف میں حضرت

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں۔ ان میں سے کسی نے بسم اللہ کو بلند آواز سے نہیں پڑھا۔

دوسری دلیل (وہ حدیث ہے جو امام احمدؒ نے عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ مجھ کو میرے باپ نے نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین بلند آواز سے پڑھتے سنا اور بعد فراغ کہا کہ بیٹے اسلام میں بدعت اور نئی بات پیدا کرنے سے احتراز کر۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے اور کسی کو بسم اللہ الخ پڑھتے نہیں سنا۔ تو احادیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں بسملہ کی قرأت میں اخفاء کرنا چاہیئے۔ یہی سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی اور طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ ایک حدیث نقل کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ و حضرت عثمان رضی اللہ عنہ و حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی نماز میں بسملہ آہستہ پڑھتے تھے۔ اور یہی مذہب ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ و ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ۔ سفیان ثوریؒ۔ ابن المبارکؒ و حسن بن ابی الحسنؒ و النخعیؒ و الشعبیؒ و قتادہؒ و عمر بن عبدالعزیزؒ و اعمشؒ زہریؒ و مجاہدؒ و احمدؒ وغیرہ حضرات کا۔)

دوسرا مذہب یہ ہے کہ بسملہ کی قرأت میں جہر کرنا چاہیئے۔ امام شافعیؒ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ اور دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ جس میں انہوں نے فرمایا کہ کان رسول اللہ یجھر ببسم اللہ کہ حضورؐ نماز میں بسملہ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

جواب :۔ اس حدیث کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ معارض ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث کے جس میں وہ فرماتے ہیں۔ لم یجھر النبی ببسملۃ حتی مات۔ کہ وفات تک آپؐ نے کبھی بھی بسملہ بلند آواز سے نہیں پڑھی۔

جواب ۲ :- یہ ہے کہ آپ کا بسملہ کو بلند آواز سے پڑھنا جواز کے لیے تھا اور یہ فریق ثانی کے ہاں بھی مسلم ہے۔

بسملہ کو ب سے شروع کرنے میں نکتہ | با استعانت کے معنی کے ساتھ ہے۔ اس لیے کہ اس میں ادب بھی ہے۔ اور اظہارِ عبودیت بھی۔ اور ساتھ ہی بندوں کی قدرت مستقلہ کی نفی بھی۔ یہ معنی آیت ایاک نستعین الخ کے زیادہ مناسب بھی ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے نام مبارک سے استعانت کا حکم شرع سے ثابت ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مشرکین اکثر اوقات ہر کام میں اپنے معبودوں کے نام سے استعانت کرتے تھے۔ تو مؤمنین کو اپنے معبودِ حقیقی کے نام سے امداد طلب کرنے کا طریقہ تعلیم کیا گیا۔ تاکہ مشرکین کے طریقہ کی تغلیط ہو جائے کہ تقرب اللہ کے نام سے حاصل کرنا چاہیئے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ تسمیہ ہر مومن کے قلب میں موجود ہوگا۔ تو اس سے بندہ کی جانب سے حول یعنی نیکی کرنے کی طاقت اور قوۃ برائی سے بچنے کی قوت، کی نفی ہو جائے گی کہ تمام طاقتوں کا مرکز صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ بندہ کچھ نہیں۔ اور یہی مقصود ہے عقائد کے باب میں۔

بسملہ کے ب کو مکسور (زیر والا) کیوں لایا گیا | بسم اللہ الخ کے ب کو کسرہ دیا گیا ہے۔ کسرہ کا معنی ہے عاجزی اور خشوع وخضوع۔ تو اس کو مکسور لا کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتصال وتعلق اور قربِ ذات، عاجزی اور ذلت نفس کے ساتھ ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ تکبر و سرکشی سے نہیں۔ جتنی انکساری وذلت ہوگی، اتنی مقدار معرفت حق سے نصیب ور ہوگا۔ چنانچہ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس میں ایک راز ہے اور وہ راز یہ ہے کہ باء مرتبہ میں الف سے دوسرے نمبر پر ہے۔ الف مجردہ جز بسیط ہے اور

مراتب میں تمام حروف پر مقدم ہے۔ اس کے ساتھ حق کے وجود کی طرف اشارہ ہے جو تمام موجودات پر مقدم ہے۔ اور ب سے اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کی ان صفات کی طرف جن سے کائنات کا نقطہ وجود میں آیا۔ (موجود ہوا)

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ شبلی ہیں۔ فرمایا نہیں۔ بلکہ ب کے نیچے والا نقطہ ہوں۔

۸ صفات جمالیہ کو صفات جلالیہ پر سبقت حاصل ہے۔ جیسے حدیث شریف میں ارشاد ہے۔ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ۔ کہ میری رحمت میرے غضب سے سبقت لے گئی۔ ب مجرورہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اور اس کو شروع میں لانے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مدارِ رحمتِ الٰہی پر ہے۔ جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لن یدخل احدکم الجنۃ عملہ قیل حتی انت یا رسول اللہ قال حتی انا الا ان یتغمدنی اللہ برحمتہ

ترجمہ: آپ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی انسان اپنے عمل کی بنا پر جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کو بھی فرمایا ہاں میں بھی عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔

شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ بسم کے ہمزہ کو اس لیے حذف کیا گیا۔ تاکہ درمیان میں فاصلہ نہ آئے۔ یعنی خضوع و عاجزی کے بعد متصل رحمت کا حصول ہے۔

M. imp

بسم اللہ الرحمن الرحیم کے متعلق علمی تحقیق۔

نکتہ ۱: اس قادرِ مطلق نے اپنے کلام قرآن مجید کی حرف ب سے کیوں ابتدا فرمائی۔ غور سے سنئے گا۔

جواب: روزِ میثاق میں اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے جواب میں سب سے پہلے انسان کی زبان سے جو لفظ نکلا۔ اس لفظ کا آغاز بھی ب سے تھا۔ یعنی بلیٰ پس حب کہ ب وہ اول حرف ہے۔ جس سے ابن آدم کے لب سب سے پہلے آشنا ہوئے

تو یہاں بھی غالباً حکمتِ الٰہی نے چاہا کہ افتتاحِ قرآن میں بھی اسی حرف کی خصوصیت رہے۔ تاکہ لوگ اسی کے عہد کو یاد کر کے قرآن اور احکام قرآن کی تعمیل کریں۔ الآیۃ۔
اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ترجمہ: پورا کرو تم میرے عہد کو اور پورا کروں گا میں تمہارے عہد کو۔ اَلْكَرِيْمُ اِذَا وَعَدَ وَفٰى کو ملحوظ رکھتے ہوئے موردِ الطافِ الٰہیہ بنیں۔

(یہ نکتہ جواہر التفسیر میں موجود ہے)

نکتہ ۲: الف بباعث طوالت اور فتح کے صورت سرکشی رکھتا ہے۔ اور بؔ میں بسبب تساقط اور کسرہ کے انکسار اور صورتِ عاجزی ہے۔ اسی وجہ سے بؔ نے یہ رتبہ پایا کہ کلام الٰہی کا آغاز اسی حرف سے ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ کہ جس نے اللہ کے لیے تواضع کی۔ اللہ اس کو بلند کرتا ہے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے عجیب انداز میں حدیث شریف کی ترجمانی کی ہے

دلا گر تواضع کنی اختیار ‌ ‌ ‌ شود خلق دنیا ترا دوست دار
تواضع کند ہر کہ ہست آدمی ‌ ‌ ‌ نہ زیبد ز مردم بجز مردمی
تواضع بود حرمت افزائے تو ‌ ‌ ‌ کند در بہشت بریں جائے تو
تواضع کلید در جنت است ‌ ‌ ‌ سرفرازی و جاہ را زینت است
تواضع عزیزت کند در جہاں
گرامی شوی ہمچو دلہا جو جاں

اور جو کوئی سر اٹھاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو گراتا ہے۔ تاکہ جاننے والے جان لیں کہ خداوند کریم کو عاجزی پسند ہے اور غرور و سرکشی سے ناراض ہوتا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے حرف بؔ سے اپنے کلام کو شروع فرمایا۔

نکتہ ۳ یوں کہیو کہ بؔ شفوی ہے اور ہرچند فؔ اور مؔ بھی شفوی ہیں۔ لیکن جس قدر کہ بؔ کے تلفظ سے لب ملتے ہیں۔ اس قدر میمؔ کے تلفظ سے نہیں ملتے۔ مگر فؔ کے تلفظ سے کسی قدر ملتے ہیں۔ لیکن فؔ میں یہ خرابی ہے کہ نقطہ اس کے اوپر ہے۔ اس سے سرکشی متصور ہوتی ہے۔

نکتہ ۴ یا یوں سمجھیں کہ بؔ کے معنی میں اتصال، معیت اور قربت ہے۔ اور غرض تمام علموں سے یہی ہے کہ بندہ کو خدا تعالیٰ سے اتصال اور قرب حاصل ہو۔ عزت وکرامت اور شرافت کے ساتھ درجہ قربت کا کامل ہو جائے۔ پس تمام علموں کا منشاء و مدعی حرف بؔ سے حاصل ہو گیا۔ اس لیے بؔ سے شروع کیا۔

نکتہ ۵ یا یوں کہیے کہ ابتدا ر کلام بؔ بسم اللہ سے اور اختتام کلام سؔ والناس سے کر کے دونوں لفظوں کو ملا کر لفظ بسؔ ظاہر کر کے تبلا دیا ہے کہ جو شخص قرآن مجید کی تلاوت کرے گا اور احکام قرآن کو مان لے گا اس کے لیے یہی کافی اور بس ہے۔

نکتہ ۶ یا یوں سمجھو کہ حرف بؔ دراصل ہمیشہ مکسور ہوتا ہے۔ اس میں ہر طرح صورۃً و معنیً کسرو انکساری محقق تھی۔ یعنی پستی اور عاجزی۔ تو اس نے اَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ۔ میں شکستہ دلوں کے پاس ہوں۔ جن کے مزاج میں عاجزی اور انکساری زیادہ ہے۔ ان لوگوں کے دلوں سے بہت نزدیک ہوں اس وجہ سے بؔ سے شروع کیا۔ گویا اسی عاجزی کے باعث بؔ نے خداوندِ کریم کے نام پاک سے قرب کا شرف پایا۔

نکتہ ۷ اللہ تعالیٰ نے بسم اللہ میں خاص تین اسماء کو کیوں اختیار فرمایا اور ان تین میں حصر کی کیا وجہ ہے۔ فِعْلُ الْحَكِيْمِ لَا يَخْلُوْ عَنِ الْحِكْمَةِ۔ تو اس میں نکتہ اور حکمت یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کے تین ہی مدارج ہیں۔ یعنی

مفرد۔ تثنیہ۔ جمع اور آدمی کے بھی تین حال ہوتے ہیں۔ بچپن۔ شباب۔ بڑھاپا اور آدمی کی حیثیات بھی تین ہوتی ہیں۔ امیری۔ غریبی۔ متوسط اور عالم بھی تین ہیں دنیا آخرت۔ برزخ اور احوال بھی تین ہیں۔ بیداری۔ نیند۔ موت۔ اور عقبیٰ میں بھی تین ہی مقام اور مستقر ہیں۔ جنت۔ دوزخ۔ اعراف۔ اس لیے ان تین اسماء مبارکہ کو اختیار فرمایا ہے کہ ان تینوں ناموں کو یقین کیساتھ پڑھنے والا ان کی برکت سے ہر تین احوال میں محفوظ و مامون رہیگا

مگر یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے ان تینوں ناموں کو کیوں خصوصیت ہوئی حالانکہ اسماء الٰہی اور بھی بہت ہیں۔ وجہ خصوصیت یہ ہے کہ ہر کام کا حصول خواہ دینی ہو۔ خواہ دنیوی۔ ان تین چیزوں پر موقوف ہے۔

۱۔ اوّلاً موجود ہونا تمام عالم اسباب کا۔ یہ امر ساتھ اسم اللہ کے مناسبت رکھتا ہے۔ کہ کمال درجہ کی تمام صفات کو گھیرے ہوئے ہے۔

۲۔ کل اسباب کا باقی رہنا۔ اس کام کے شروع سے آخر تک۔ یہ صفت رحمانیت کی خصوصیت ہے۔ کیونکہ ہر عالم کی صفت بقا اسی صفت کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

۳۔ ہر کام کا مفید ہونا۔ یعنی ہر کام کے اخیر میں اس کا فائدہ مرتب ہونا۔ یہ اسم رحیم کا وصف ہے۔ کہ اپنی رحمت سے بندوں کی محنت برباد نہیں کرتا۔ اسی لیے انہیں تین ناموں کے ساتھ تعلیم کیا۔ تاکہ بندہ کا کام کسی طرح برباد نہ ہو۔ اور ہر کام کا شروع اور اختتام انہیں تین ناموں کی مدد و برکت سے پایا جائے۔

یہ نکات امام ابوسعید حنفیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھے ہیں۔ بحوالہ۔

نکتہ ۸ اللہ تعالیٰ نے بسم اللہ شریف میں چار کلمے اور اُنیس حروف رکھے۔ اس میں کیا راز تھا چار اور اُنیس کی تخصیص میں کیا راز ہے؟

چار کلمے مقرر کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ جہاں تک دیکھا ہے۔ ہر شئی کی خواہ دنیوی ہو یا اخروی۔ اصلاح چار کے عدد میں ہے۔ مثلاً زمانہ کی اصلاح۔ ربیع۔ خریف

شتا۔ صیف میں ہے۔ اور اجسام کی اصلاح آتش۔ باد۔ آب۔ خاک میں ہے۔ ابدان کی اصلاح دم۔ صفرا۔ بلغم۔ سودا میں ہے۔ اور نفوسِ انسانی کی اصلاح صلوٰۃ، صوم حج۔ زکوٰۃ میں اور حرارت۔ برودت۔ رطوبت۔ یبوست میں ہے۔ اور باطن کی اصلاح عقل۔ علم۔ خوف۔ رجا میں اور اقوال کی اصلاح سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ میں ہے۔ اور ملائکۃ اللہ کی اصلاح جبرائیلؑ۔ میکائیلؑ۔ اسرافیلؑ۔ عزرائیلؑ میں ہے۔ اور کتابوں کی اصلاح زبور تورات۔ انجیل۔ قرآن مجید میں ہے۔ نبوت کی اصلاح خلیلؑ۔ کلیمؑ۔ روحؑ۔ حبیبؐ میں ہے۔ خلافت کی اصلاح ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ میں ہے

تو بسم اللہ میں چار کلمے مقرر کرکے اشارہ کردیا کہ جو شخص اس کو پڑھے گا۔ اللہ اپنی رحمتِ خاصہ سے اصلاح جسمی اور اصلاح روحانی۔ اصلاح معاشرتی اور اصلاح ملکی سے نوازے گا۔

یہ نکات تفسیر حقائق التنزیل فی دقائق التاویل میں مسطور ہیں۔

نکتہ ۹ بسم اللہ میں انیس حرف کیوں ہیں؟ اُنیس کے عدد کی خصوصیت میں یہ نکتہ پنہاں ہے کہ رات دن کی کل ساعات چوبیس ہیں۔ پانچ ساعتوں میں پانچ نمازیں فرض فرمائیں۔ باقی رہیں اُنیس ساعتیں۔ ان ساعات میں انسان پر جتنی نعمتیں اترتی ہیں۔ اُن کے شکریہ ادا کرنے کے لیے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو مقرر فرمایا کہ اس میں بھی انیس حرف ہیں۔ ہر حرف کو ہر ایک ساعت پر متوکل سمجھنا چاہیئے۔ کہ اس کی برکت سے انسان ہر بلا سے محفوظ رہے۔ پس لازم ہے کہ ہر ساعت میں پوری بسم اللہ انیس اُنیس مرتبہ پڑھ لیا کریں۔ تاکہ پوری چوبیس ساعتیں عبادت میں لکھی جائیں۔ اس لیے بسم اللہ کے انیس حروف رکھے ہیں۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ بسم اللہ کے انیس حرف ہیں اور عذاب

دوزخ کے بھی انیس متوکل ہیں۔ جو شخص روزانہ بعد نماز فجر اور بعد نماز مغرب انیس بار بسم اللہ شریف کو خلوص نیت اور درست عقیدہ کے ساتھ پڑھے گا۔ تو انیس متوکلوں کے عذاب سے پناہ میں رہے گا۔

خلاصہ چونکہ دربانِ دوزخ انیس ہیں اور دن رات کی چوبیس ساعتوں میں سے نماز کے پانچ وقت نکال دینے کے بعد انیس ہی ساعتیں باقی رہتی ہیں۔ لہٰذا بسم اللہ کو بھی انیس حروف پر ختم کیا۔ تاکہ ہر مؤکل کے عذاب سے بچا رہے۔ اور ہر لحظہ عبادت میں شمار ہو جائے۔

(یہ نکات تفسیر مظہر العجائب میں مسطور ہیں)

فضائلِ بسم اللہ شریف کے متعلق ارشاداتِ رسولؐ

حدیث: عن امیر المؤمنین ابی بکرؓ الصدیق رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قال بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ کتب اللہ لہٗ عشرۃ آلاف حسنۃ ومحی عنہ عشرۃ آلاف سیئۃ ورفع لہ عشرۃ آلاف درجۃ۔ ترجمہ: سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جس شخص نے بسم اللہ شریف کو پڑھا۔ اللہ تعالیٰ اس کے نامۂ اعمال میں دس ہزار نیکیاں لکھ دیتے ہیں اور دس ہزار اس کے گناہ معاف کر دیتے ہیں۔ اور دس ہزار درجے اس کے بلند کر دیتے ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے۔ مَنْ قَالَ بِسْمِ اللّٰہِ مَرَّۃً لَمْ یَبْقَ مِنْ ذُنُوْبِہٖ ذَرَّۃٌ۔ ترجمہ جس نے ایک مرتبہ بسم اللہ کو پڑھ لیا۔ اس کے تمام (صغیرہ) گناہ معاف ہو گئے۔

حدیث شریف میں آیا ہے۔ اِذَا قَالَ الْعَبْدُ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یَذُوْبُ الشَّیْطٰنُ کَمَا یَذُوْبُ الرَّصَاصُ فِی النَّارِ۔ ترجمہ:۔ کہ جس وقت انسان بسم اللہ الخ پڑھتا ہے۔ تو شیطان ایسا گھلتا ہے جیسے آگ میں سیسہ گھلتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان جب پیشاب۔ پاخانہ۔ یا اپنی بیوی سے صحبت کرنے کے لیے برہنہ ہوتا ہے تو شیاطینِ جن اُن کے تمام اُمور میں خلل انداز ہوتے ہیں۔ اور پریشان کرتے ہیں۔ لیکن جب انسان بسم اللہ پڑھ کر برہنہ ہوتا ہے۔ تو پھر یہ شیاطین جن اور انسانوں کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔ اور اُن کے بدن کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ اور نہ کوئی خلل ڈال سکتا ہے۔

بسم اللہ الخ کے متعلق خلفائے راشدینؓ کے اقوال

سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا طُوبٰی لِمَنْ قَالَ بِسْمِ اللّٰہِ الخ کَیْفَ یَنْغَمِسُ غَدًا فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ۔ ترجمہ:۔ کیا مبارک ہے وہ انسان جس نے بسم اللہ الخ کو پڑھا۔ اچھی طرح وہ کل (قیامت کے روز) رحمتِ الٰہی میں ڈوبے گا۔ یعنی خوب اچھی طرح اس کو بہشت کی نعمتیں ملیں گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ لَوْلَا التَّسْمِیَۃُ لَھَلَکَ الْبَرِیَّۃُ۔ ترجمہ:۔ اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ ہوتی تو دنیا ہلاک ہو جاتی۔

امام مظلوم سیدنا حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ مَنْ قَالَ بِسْمِ اللّٰہِ الخ فِیْ عُمْرِہٖ مَرَّۃً لَمْ یَبْقَ مِنْ مَعَاصِیْہِ ذَرَّۃٌ۔ ترجمہ:۔ کہ جس نے تمام عمر میں ایک بار بسم اللہ شریف پڑھ لی۔ اس کے تمام گناہ (صغیرہ) ختم ہو جاتے ہیں۔

(حدیث میں آیا ہے کہ جب مالک (داروغہ) دوزخ چاہتا ہے کہ کسی فرشتہ کو طبقاتِ دوزخ میں کسی شخص پر عذاب جدید کرنے کے لیے بھیجے تو پہلے اس فرشتہ کی پیشانی پر بسم اللہ لکھ دیتا ہے۔ پھر وہ فرشتہ دوزخ کے تمام طبقات میں چلتا پھرتا ہے اور آگِ دوزخ اُس پر اثر نہیں کرتی)

(اور ایک عجیب حکایتؒ جو بعض کتب میں منقول ہے کہ قیصر روم قبولِ اسلام کے بعد حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے حضور میں عرضی پیش کی کہ میرے سر میں بڑی شدت سے درد رہتا ہے اور کوئی علاج مفید ثابت نہیں ہوا۔ حضرت عمرؓ نے ایک سیاہ ٹوپی سلوا کر اس کے پاس بھیجی اور فرمایا کہ اس کو ہر وقت اوڑھے رہنا۔ قیصر جب اس کو اوڑھتا تو درد میں افاقہ ہو جاتا اور جب اتار دیتا تو درد عود کر آتا۔ اس نے وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ ٹوپی کے اندر ایک کاغذ کا ٹکڑا ہے۔ جس پر بسم اللہ شریف لکھی ہوئی ہے۔)

حکایت ۲۔ مکاتیب معتبرہ میں منقول ہے کہ بشر حافیؒ ابتداء حال میں ایک دن میخانہ کی طرف جا رہے تھے کہ راہ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا پایا۔ اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی ہوئی تھی۔ انہوں نے اس کو آنکھوں سے لگایا اور نہایت تعظیم و تکریم سے اُس کو طہارت اور غسل دے کر، چوم کر ایک پاکیزہ اور محفوظ جگہ میں رکھ دیا۔ پھر شراب خانہ میں چلے گئے۔ خوب پی کر نشہ میں دھت اور مست ہو کر سو رہے۔ اُدھر حضرت شیخ حسن بصریؒ کو الہام ہوا کہ جلد میخانہ میں جا کر بشر حافیؒ کو بشارت دو اور ہمارے باب رحمت پر اس کو اٹھا لاؤ۔ حضرت حسن بصریؒ بحکم احکم الحاکمین خوشخبری سنانے چلے۔ میخانہ میں جب داخل ہوئے۔ میکشوں نے کہا کہ اے شیخ تم ادھر کیسے تشریف لائے بے گانوں کی صحبت سے آپ کو کیا غرض۔

زود زیں کوچۂ رنداں بسلامت بگزر
تا خرابت نکند صحبتِ رندانے چند

حضرت شیخ نے کہا کہ یہ سچ کہتے ہو۔ لیکن

ع نہ خود آمدم اینجا کہ بخود رہا بردم

یعنی میں از خود نہیں آیا۔ بلکہ خداوند کریم نے بشر کو لینے کے لیے بھیجا ہے۔ وہ کدھر ہیں۔ لوگوں کے بتانے پر اس کے پاس گئے۔ اُن کو نشہ میں مخمور پایا۔ آخر اُن کو اپنے ساتھ لائے۔ ہوش بحال ہونے پر اُن کو بشارت دی۔ اور غیب سے ندا آئی۔ یا بِشْرُ رَفَعْتَ اِسْمِیْ فَرَفَعْنَاكَ وَطَيَّبْتَ اِسْمِیْ فَطَيَّبْنَاكَ۔ ترجمہ: اے بشر تو نے میرے نام کو بلند کیا۔ ہم نے تیرے درجے بلند کیے۔ تو نے ہمارے نام کو پاک صاف کیا تو ہم نے تجھے گناہوں کی نجاستوں سے پاک صاف کیا ہے۔

لطف و احسان آپ کا ہے قدردانی آپ کی
بندہ کس لائق ہے صاحب مہربانی آپ کی

حکایت ۳: روضۃ الاصفیاء میں لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک مجاور تھا صائم الدہر۔ قائم اللیل۔ روزہ نماز کے سوا کبھی اس کو کسی نے دنیا دی کام کرتے نہیں دیکھا۔ بلکہ کسی نے کبھی کھاتے اور پیتے بھی نہیں دیکھا اور سنا۔ بلکہ افطار کے وقت ایک کاغذ جیب سے نکال لیتے اور خوب نظر بھر کر اس کو دیکھ کر پھر جیب میں رکھ لیا کرتا تھا۔ جب اُس کا انتقال ہوا تو غسل دینے والے نے اس کاغذ کے ٹکڑے کو اس کی جیب سے نکالا۔ تو دیکھا گیا کہ اس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی ہوئی تھی۔ اُس کی قوت زور پر اس کی زندگی منحصر تھی۔ کھانے پینے سے کچھ مطلب نہیں تھا۔ دیکھنے والوں نے اس پر نہایت تعجب کا اظہار کیا۔ تو غیب سے آواز آئی۔ لَا تَعْجَبُوْا يَا عُجَّابُ لِاَنَّا بِالْاُلُوْهِيَّةِ رَبَّيْنَاهُ وَبِالرَّحْمَةِ وَفَّقْنَاهُ وَبِالرَّحِيْمِيَّةِ غَفَرْنَاهُ ترجمہ: اے تعجب کرنے والو۔ تعجب مت کرو۔ اس لیے کہ ہم نے اپنی الوہیت سے اُس کی پرورش کی اور ہم نے اپنی رحمانیت سے اس کو توفیق دی۔ اور اپنی

رحیمیت سے ہم نے اس کو بخشا۔

حکایت ۴۔ اسرار الفاتحہ میں لکھا ہے کہ ایک اعرابی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور عرض کی کہ یا رسول اللہؐ اِنَّا هَرَ عَلٰى ذَنْبِىْ فَاسْتَغْفِرْلِىْ۔ ترجمہ۔ یا رسول اللہ! میں بڑا گنہگار ہوں۔ آپ میرے لیے بخشش مانگیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھا کرو اور وہ ارحم الراحمین تیرے گناہ بخش دے گا۔ وہ اعرابی متعجب ہو کر کہنے لگا۔ اَبِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہ اتنا ہی اے اللہ کے رسولؐ۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان مرد یا عورت سچے دل اور یقین کے ساتھ بسم اللہ الخ پڑھا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس بندہ کو دوزخ سے آزاد کر دے گا۔

حکایت ۵۔ اسرار الابرار میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبل الرحمہ نامی جنت میں ایک پہاڑ ہے۔ اس کی چوٹی پر نعمت السلام ایک شہر مشہور ہے۔ اس شہر میں ایک بالاخانہ قصر الرزق نام والا ہے۔ اس قصر میں ایک کمرہ ہے بیتُ الجلال۔ اس کے چار ہزار دروازے ہیں۔ وہ مکان بسم اللہ شریف کے پڑھنے والوں کو ملے گا۔ اور وہ لوگ وہاں جس دروازے سے چاہیں گے۔ اپنے رب کو بلا حجاب دیکھیں گے۔ ان کو ہمیشہ دیدار الٰہی ہوا کریگا۔

حکایت ۶۔ بعض معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج میں حبیب رفیق اعلیٰ کے پاس تشریف لے گئے تو وہاں مختلف عجائبات الٰہی کا نظارہ فرمایا۔ تمام جنات کا مشاہدہ کیا۔ وہاں چار نہریں ایسی نظر مبارک سے گزریں جن کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کیا گیا ہے۔ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى۔ ترجمہ۔ اس میں نہریں ہیں۔ پانی کی جس میں

بد بو کچھ نہیں آتی۔ اور نہریں ہیں دودھ کی۔ جن کا مزہ نہیں بدلتا۔ اور نہریں ہیں شراب کی۔ جن میں مزہ ملتا ہے پینے والوں کو۔ اور نہریں ہیں شہد کی جو بالکل صاف ستھری ہیں۔ حضور علیہ السلام نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کہاں سے آتی ہیں اور کہاں کو جاتی ہیں۔ عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ اتنا تو مجھے معلوم ہے کہ یہ چاروں حوضِ کوثر میں جاکر گرتی ہیں۔ اور یہ معلوم نہیں کہ کہاں سے آتی ہیں۔ اتنے میں ایک فرشتہ آیا اور آپؐ کو وہاں سے اٹھا کر لے گیا۔ اور بہت دور منزلوں کی راہ پرلے جاکے ایک دم میں ایک درخت کے نیچے بٹھا دیا۔ آپؐ نے دیکھا کہ اس درخت کی جڑ میں ایک قبہ ہے۔ ایک سفید بڑے موتی کا اتنا بڑا موتی کہ اگر ساری دنیا کو اس کے منہ پر رکھ دیا جائے تو ایسا معلوم ہو کہ چھوٹی سی چڑیا کسی بڑے درخت کی ٹہنی پر بیٹھی ہے۔ اور اس قبہ میں زبرجد کا دروازہ ہے۔ اس میں سونے کا قفل ہے۔ اس کی چابی ہے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ آپؐ نے بسم اللہ پڑھی فوراً دروازہ کھل گیا۔ آپؐ اندر تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ اس قبہ کے چاروں کونوں سے یہ چار نہریں جاری ہیں۔ ایک کونے پر لفظ بسم لکھا ہے اور دوسرے کونے پر لفظ اللہ تیسرے کونے پر لفظ الرحمٰن اور چوتھے کونے پر لفظ الرحیم لکھا ہوا ہے۔ بسم اللہ کی میم سے پانی کی نہر جاری ہے۔ اللہ کی ہ سے دودھ کی نہر جاری ہے۔ اور پھر الرحمٰن کی نون سے شراب کی نہر رواں ہے۔ اور رحیم کی میم سے شہد کی نہر بہتی ہے۔ پھر وہیں آپؐ کو آواز آئی۔ اے میرے محبوب آپ کی اُمت میں سے جو کوئی بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ پڑھا کرے گا۔ وہ ان انہارِ عُقبیٰ میں محروم نہ رہے گا۔ ایک شاعر نے خوب ترجمانی کی ہے۔

اے خدا اگریم بدل نام ترا!
نہر ہائے تسمیہ سازے عطار

حکایت ۷۔ لمعان صوفیہ میں لکھا ہے کہ کوئی بزرگ بسم اللہ شریف کے فضائل پر وعظ فرما رہے تھے۔ ایک یہودی کی بیٹی بھی اس محفل میں موجود تھی۔ وہ لڑکی فضائل بسم اللہ سن کر متاثر ہوئی۔ اور اسلام قبول کر لیا۔ اسی وقت سے اس لڑکی کی زبان پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ورد جاری ہو گیا۔ ہر وقت اٹھتے۔ بیٹھتے۔ سوتے۔ جاگتے چلتے پھرتے بسم اللہ کا ذکر جاری تھا۔ اس وجہ سے لڑکی کے ماں باپ اس سے نہایت ناراض رہتے اور اس کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے اور وہ چاہتے تھے۔ کہ لڑکی پر کوئی الزام عائد کر کے اس کو قتل کر دیں۔ چنانچہ اس لڑکی کے باپ نے جو بادشاہِ وقت کا وزیر تھا۔ ایک دن بادشاہ کی مہر کی انگوٹھی جو اس کے پاس رہتی تھی، اپنی لڑکی کے سپرد کر دی۔ اس نے بسم اللہ شریف پڑھ کر انگوٹھی لے کر جیب میں ڈال دی۔ رات کو اس کے باپ نے انگوٹھی لڑکی کی جیب سے نکال کر دریا میں ڈال دی۔ نیچے ایک مچھلی کھڑی تھی وہ انگوٹھی کو نگل گئی۔ صبح کو ایک ماہی گیر نے جال ڈالا۔ وہ مچھلی شکار ہوئی۔ شکاری نے لا کر وزیر صاحب کے نذر پیش کر دی۔ وزیر نے مچھلی لڑکی کو دی پکانے کے لیے۔ لڑکی نے بسم اللہ کہہ کر مچھلی لی۔ اور بسم اللہ کہہ کر اس کا پیٹ چاک کر دیا۔ تو وہ انگوٹھی مچھلی کے پیٹ سے نکلی۔ اس نے بسم اللہ پڑھ کر پھر جیب میں ڈال دی۔ اور مچھلی پکا کے باپ کے آگے رکھ دی۔ کھانا کھانے کے بعد جب دربار کا وقت آیا۔ باپ نے لڑکی سے انگوٹھی طلب کی، اس نے بسم اللہ پڑھ کر انگوٹھی جیب سے نکال دی۔ باپ یہ واقعہ دیکھ کر حیران ہو گیا اور اس طرح لڑکی کے قتل کا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بسم اللہ کی برکت سے لڑکی کو محفوظ رکھا۔

شعر

تسمیہ موجب شود فضل خدا

تسمیہ مانع شود شر و جور و جفا

رحم :۔ رحم بھی انسان کے بنیادی اخلاق میں سے ہے۔ دنیا میں ہم ایک دوسرے کے ساتھ کسی معاوضہ کا خیال کیے بغیر جو کوئی بھلائی کا کام کرتے ہیں۔ ان کو غور و فکر سے تدبّر سے دیکھیے تو سب کی تہ میں رحم کا جذبہ کارفرما نظر آئے گا۔ جس کے دل میں اس جذبہ کا کوئی ذرّہ نہ ہوگا۔ اس سے دوسروں کے ساتھ بے رحمی، سنگ دلی ظلم اور شقاوت اور جو کچھ ظاہر ہو وہ کم ہے۔ اس لیے رحم کو اسلام کی اخلاقی تعلیم میں خاص اہمیّت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خاص اسماء میں سے اللہ کے بعد جو نام سب سے زیادہ اہم اور عام ہے وہ رحمٰن ہے یعنی (بڑا رحم کرنے والا ہے۔ اور اس کے ساتھ دوسرا نام رحیم آتا ہے۔ قرآن پاک میں پہلا اسم مبارک خدا کے علم کی حیثیت سے لیا گیا ہے۔ اور دوسرا اسم مبارک صفت کے طور پر بار بار آتا ہے۔ مسلمان کو حکم ہے کہ جب کوئی کام شروع کریں۔ تو پہلے خدا کا نام لیں۔ یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے۔ اس اسم مبارک کی وجہ سے اس کام میں بڑی برکت ہوگی چنانچہ ہر سورۃ کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کیا گیا ہے۔

اور فرشتے بھی اپنی دعاؤں میں کہتے ہیں۔

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا

ترجمہ:۔ اے ہمارے رب تو نے اپنی رحمت اور علم میں ہر چیز کو سما لیا ہے۔

اسی رحمتِ الٰہی کی تفصیل سے سارا قرآن مجید بھرا ہوا ہے۔

هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔ (حشر) وہی رحم والا مہربان ہے۔

مسلمانوں کو یوں دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ۔

ترجمہ :۔ اے اللہ! تو سب رحم کرنے والوں میں سے سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔

دُعاء

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ط
اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصّٰلِحِيْنَ
اٰمین یا الٰہ العالمین ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى
خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔
بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

رحمت حق بہر دو[1] باد قرین
رَحِمَ اللّٰهُ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمِيْنَ

(۱؎ مراد مؤلف کے ماں باپ ہیں)

منظور احمد تونسوی ۔
ابو معاویہ

۲، صفر ۱۳۹۳ھ ۷، مارچ ۱۹۷۳ء ۔

وضو گناہوں کی صفائی اور معافی کا ذریعہ ہے

وضو کے فضائل

اور اس کی برکات

یعنی

وضو کے آداب و برکات

— ماخوذ از معارف الحدیث —

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی

— مع اضافہ —

چند احادیث از مشکوٰۃ شریف

ناشر:

کتب خانہ مجیدیہ

بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وُضُو کے فضائل اور برکات

اس زمانہ میں بحمد اللہ قریب قریب تمام مضامین پر مستقل کتابیں اور رسالے لکھ دیئے گئے ہیں مگر فضائل وضو کے عنوان سے آج تک کوئی مستقل رسالہ منصۂ شہود پر نہیں آیا تھا اور اس سلسلہ میں مجھے اس کی بہت زمانہ سے تلاش تھی کہ کہیں سے اس قسم کا مواد مل جائے جس کو مستقل رسالہ کی شکل میں شائع کیا جائے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کی کتاب "معارف الحدیث" جلد سوم میں مواد مل گیا۔ جس کو شائع کرنے مولانا موصوف نے بڑی فراخ دلی سے اجازت عنایت فرمادی اور یہ بھی حکم فرمایا کہ کسی عالم سے اضافہ کرالیں مولانا محمد فاضل صاحب ناظم جامعہ فاروقیہ ڈرگ کالونی (کراچی) سے تذکرہ کیا گیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے ضروری کاموں کو ایک مختصر وقت میں ملتوی کرکے اس کام کو بایں صورت پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ کہ مشکوٰۃ شریف سے چند احادیث اور اس پر مختصر تشریحات تحریر فرما کر اس خاکسار کو ممنون فرمایا۔

شریعت اسلامیہ ایک مکمل نظام حیات ہے۔ پیدائش سے لے کر موت تک بلکہ موت کے احکام پر مشتمل ہے۔ طہارت و نظافت کا اعلیٰ نمونہ اسلام نے پیش کیا ہے دیگر ادیان میں ہرگز نہیں ہے بلکہ سچی بات یہ ہے کہ کسی دوسرے مذہب میں پاکی و ناپاکی کا تصور ہی نہیں ہے جسے اہل علم تسلیم کرتے ہیں۔

جن سلیم الفطرت انسانوں کی روحانیت بہیمیت سے مغلوب نہیں ہوتی ہے

وہ حدث کی حالت میں یعنی جب پیشاب پاخانے جیسے کسی سبب سے اُن کا وضو ٹوٹ جائے تو اپنے باطن میں وہ ایک گونہ ظلمت و کدورت اور ایک طرح کی گندگی محسوس کرتے ہیں (اور اصل حدث در اصل یہی کیفیت ہے اور شریعت اسلامی نے اسی ازالے کیلئے وضو مقرر فرمایا ہے۔

جن بندوں نے بہیمیت کے سفلی تقاضوں سے مغلوب ہو کر اپنے لطیف رُوحانی احساسات کو فنا نہیں کر دیا ہے وہ حدث کی حالت میں اس باطنی گندگی اور ظلمت و کدورت کو بھی محسوس کرتے ہیں اور یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ وضو سے یہ کیفیت زائل ہو کر ایک روحانی پاکیزگی و نورانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ وضو کا اصل مقصد و موضوع تو یہی ہے اور اسی وجہ سے اس کو نماز یعنی بارگاہ الٰہی کی خاص حضوری کی لازمی شرط قرار دیا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنے فضل سے اس کے علاوہ بھی بہت سی برکات رکھی ہیں جو اس رسالہ سے معلوم ہوں گی۔ وما توفیقی الا باللہ

احقر (حافظ) غلام محمد عفی عنہ،

مالک مکتبہ محمدیہ، ملتان

نوٹ !" فضائل وضو کی برکات " کی فہرست صـ پر ملاحظہ فرماویں ۔

" ادارہ "

وضو گناہوں کی صفائی اور معافی کا ذریعہ

(۱) عن عثمان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من توضأ فاحسن الوضوء خرجت خطایاہ من جسدہ حتی تخرج من تحت اظفارہ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے وضو کیا اور (بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق) خوب اچھی طرح وضو کیا تو اس کے سارے گناہ نکل جائیں گے۔ یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح مطلب یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وہدایات کے مطابق باطنی پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے آداب وسنن وغیرہ کی رعایت کیساتھ اچھی طرح وضو کرے گا۔ تو اس سے صرف اعضاء وضو کی میل کچیل اور حدث والی باطنی ناپاکی ہی دور نہ ہوگی بلکہ اس کی برکت سے اس کے سارے جسم کے گناہوں کی ناپاکی بھی نکل جائے گی اور وہ شخص حدث سے پاک ہونے کے علاوہ گناہوں سے بھی پاک وصاف ہو جائے گا۔ آگے آنے والی بعض حدیثوں سے اس کی مزید تفصیل معلوم ہوگی۔

(۲) عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا توضأ العبد المسلم او المومن فغسل وجھہ خرج من وجھہ کل

خطیئۃ نظر الیہا بعینیہ مع الماء او مع اخر قطر الماء فاذا غسل یدیہ کل خطیئۃ کان بطشتہا یداہ او مع آخر قطر الماء فاذا غسل رجلیہ خرج کل خطیئۃ مشتہا رجلاہ مع الماء او مع اخر قطر الماء حتی یخرج نقیاً من الذنوب (رواہ مسلم)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلم بندہ وضو کرتا ہے اور اس میں اپنے چہرہ کو دھوتا ہے اور اس پر پانی ڈالتا ہے تو پانی کیساتھ اس کے چہرہ سے وہ تمام گناہ نکل جاتے ہیں (گویا دھل جاتے ہیں) جو اس کی آنکھ سے سرزد ہوتے تھے اور اس کے بعد جب وہ اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو سارے گناہ اس کے ہاتھوں سے خارج ہو جاتے ہیں اور دھل جاتے ہیں جو اس کے ہاتھوں سے ہوئے اس کے بعد جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے۔ تو وہ سارے گناہ اس کے پاؤں سے خارج ہو جاتے ہیں جو اس کے پاؤں سے ہوئے اور جن کے لیے اس کے پاؤں استعمال ہوئے یہاں تک کہ وضو سے فارغ ہونے کیساتھ وہ گناہوں سے بالکل پاک ہو جاتا ہے۔" (صحیح مسلم)

یہاں چند باتیں وضاحت طلب ہیں۔

تشریح ۱۔ مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں وضو کے پانی کے ساتھ گناہوں کے جسم سے نکل جانے اور دھل جانے کا ذکر ہے، حالانکہ گناہ میل کچیل اور ظاہری نجاست جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ جو پانی کیساتھ نکل جائے اور دھل جائے بعض شارحین نے اس کی توجیہ میں کہا ہے کہ گناہوں کے نکل جانے کا مطلب صرف معافی اور بخشش ہے۔ اور بعض دوسرے حضرات نے فرمایا ہے کہ بندہ جو گناہ جس عضو سے کرتا ہے اس کا ظلماتی اثر اور اس کی نحوست پہلے اس عضو میں اور

پھر اس شخص کے دل میں قائم ہوجاتی ہے۔ اور پھر جب اللہ کے حکم سے اور اپنے آپ کو پاک کرنے کے لئے وہ بندہ سنن وآداب کے مطابق وضو کرتا ہے تو جن عضو سے اس نے گناہ کئے ہوتے ہیں۔ اور گناہوں کے جو گندے اثرات اور ظلمتیں اس کے اعضاء اور اس کے قلب میں قائم ہوچکی ہوتی ہیں، وضو کے پانی کیساتھ وہ سب دھل جاتی اور زائل ہوجاتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی معافی اور مغفرت بھی ہوجاتی ہے۔ یہی دوسری توجیہہ اس عاجز کے نزدیک حدیث کے الفاظ سے زیادہ قریب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) ——— حضرت ابوہریرہ رضؓ والی اس حدیث میں چہرہ کے دھونے کیساتھ صرف آنکھوں کے گناہوں کے دھل جانے اور نکل جانے کا ذکر فرمایا گیا ہے حالانکہ چہرہ میں آنکھوں کے علاوہ ناک اور زبان و دہن بھی ہیں اور بعض گناہوں کا تعلق انہی سے ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اعضاء وضو کا استیعاب نہیں فرمایا ہے بلکہ بطور تمثیل کے آنکھوں اور ہاتھ پاؤں کا ذکر فرمادیا ہے۔

اس مضمون کی ایک دوسری حدیث میں (جس کو امام مالکؒ اور امام نسائیؒ نے عبداللہ الصنابحیؓ سے روایت کیا ہے) اس سے زیادہ تفصیل ہے اس میں کلی اور ناک کے پانی (مضمضہ و استنشاق) کیساتھ زبان و دہن اور ناک کے گناہوں کے نکل جانے اور دھل جانے کا اور اسی طرح کانوں کے مسح کیساتھ کانوں کے گناہ نکل جانے کا ذکر بھی ہے۔

(۳) ——— نیک اعمال کی یہ تاثیر کہ وہ گناہوں کو مٹاتے اور ان کے داغ دھبوں کو دھو ڈالتے ہیں، قرآن مجید میں بھی مذکور ہے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

(اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (ھود ع ۱۰)

"یعنی نیک اعمال گناہوں کو مٹا دیتے ہیں"

اور احادیث میں خاص خاص اعمال حسنہ کا نام لے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے کہ فلاں نیک عمل گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور فلاں نیک عمل گناہوں کو معاف کرا دیتا ہے۔ فلاں نیک عمل گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے، اس قسم کی بعض حدیثیں اس سلسلہ میں پہلے بھی گزر چکی ہیں اور آئندہ بھی مختلف ابواب میں آئیں گی، ان میں سے بعض حدیثوں میں حضورؐ نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ نیک اعمال کی برکت سے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں اسی بنا پر اہل حق اہل السنۃ اس کے قائل ہیں کہ اعمال حسنہ سے صرف صغائر ہی کی تطہیر ہوتی ہے۔ قرآن مجید بھی فرمایا گیا ہے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ (النساء ع ۵)

"اگر تم کبائر منہیات (بڑے بڑے گناہوں) سے بچتے رہو گے تو تمہاری (معمولی) برائیاں اور غلطیاں ہم تم سے دفع کر دیں گے۔"

الغرض مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں وضو کی برکت سے جن گناہوں کے نکل جانے اور دھل جانے کا ذکر ہے اُن سے مراد صغائر ہی ہیں، کبائر کا معاملہ بہت سنگین ہے، اس زہر کا تریاق صرف توبہ ہی ہے۔

وضو جنت کے سارے دروازوں کی کنجی

(۳) عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما منکم من احد یتوضأ فیبلغ او فیسبغ الوضوء

ثم یقول اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ الا فتحت لہٗ ابواب الجنۃ الثمانیۃ یدخلھا من ایھا شاء۔

(رواہ مسلم)

"حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک سلسلۂ کلام میں فرمایا، جو کوئی تم میں سے وضو کرے (اور پورے آداب کیساتھ خوب اچھی طرح) اور مکمل وضو کرے پھر وضو کے بعد کہے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ تو لازمی طور پر اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جائیں گے، وہ جس دروازے سے بھی چاہے گا جنت میں جا سکے گا۔"

تشریح وضو کرنے سے بظاہر صرف اعضاء وضو کی صفائی ہوتی ہے اس لئے بندۂ مومن وضو کرنے کے بعد محسوس کرتا ہے کہ میں نے حکم کی تعمیل میں اعضاء وضو تو دھولئے اور ظاہری طہارت اور صفائی کر لی، لیکن اصل گندگی تو ایمان کی کمزوری، اخلاص کی کمی اور اعمال کی خرابی کی گندگی ہے، اس احساس کے تحت وہ کلمۂ شہادت پڑھ کے ایمان کی تجدید اور اللہ تعالیٰ کی خالص بندگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پیروی کا گویا نئے سرے سے عہد کرتا ہے، اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کامل مغفرت کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے اس کے لئے جنت کے سارے دروازے کھل جاتے ہیں۔

امام مسلم ہی نے ایک دوسری روایت میں اسی موقع پر کلمۂ شہادت کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ

لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ نیز اسی حدیث کی ترمذی کی روایت میں اس کلمۂ شہادت کے بعد اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ ؁ کا بھی اضافہ ہے۔

قیامت میں اعضاءِ وضو کی نورانیت

(۴) عن ابوھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اُمَّتِیْ یُدْعَوْنَ یوم القیٰمۃ غُرًّا محجلین مِنْ آثار الوضوء فمن استطاع منکم ان یطیل غرتہٗ فلیفعل (رواہ البخاری ومسلم)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اُمتی قیامت کے دن بلائے جائیں گے تو وضو کے اثر سے ان کے چہرے اور ہاتھ اور پاؤں روشن اور منور ہوں گے، پس تم میں سے جو اپنی وہ روشنی اور نورانیت بڑھا سکے ۔ اور مکمل کرسکے تو ایسا ضرور کرے۔" (صحیح بخاری ومسلم)

تشریح وضو کا اثر اس دنیا میں تو اتنا ہی ہوتا ہے کہ چہرے اور ہاتھ پاؤں کی دھلائی صفائی ہوجاتی ہے اور اہل ادراک ومعرفت کو ایک خاص قسم کی روحانی نشاط وانبساط کی کیفیت بھی حاصل ہوتی ہے ۔ لیکن جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں (اور اس کے علاوہ بھی متعدد حدیثوں میں) فرمایا ہے ۔ قیامت میں وضو کا ایک مبارک اثر یہ بھی ظاہر ہوگا کہ وضو کرنے والے آپ کے امتیوں کے چہرے اور ہاتھ پاؤں وہاں روشن اور تاباں ہوں گے اور یہ ان کا وہاں امتیازی نشان ہوگا ۔ پھر جس کا وضو جتنا کامل ومکمل ہوگا، اس کی یہ نورانیت اور تابانی بھی اُسی درجہ کی ہوگی، اس لئے حدیث کے آخر میں حضور نے فرمایا ہے کہ

جس سے ہو سکے وہ اپنی اس نورانیت کو مکمل کرنے کی امکانی کوشش کرتا ہے جس کی صورت یہی ہے کہ وضو ہمیشہ فکر اور اہتمام کیساتھ مکمل کیا کرے اور آداب کی پوری نگہداشت رکھے۔

تکلیف اور ناگواری کے باوجود کامل وضو!

(۵) عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الا ادلكم على ما يمحوا الله به الخطايا ويرفع به الدرجت قالوا بلى يا رسول الله قال اسباغ الوضوء على المكاره وكثرة الخطا الى المساجد وانتظار الصلوة بعد الصلوة فذلكم الرباط فذلكم الرباط (رواه مسلم)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو وہ اعمال بتاؤں جن کی برکت سے اللہ گناہوں کو مٹاتا ہے اور درجے بلند فرماتا ہے؟ حاضرین صحابہؓ نے عرض کیا حضرت ضرور بتلائیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا (۱) تکلیف اور ناگواری کے باوجود پوری طرح کامل وضو کرنا (۲) اور مسجدوں کی طرف قدم زیادہ پڑنا (۳) اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا منتظر رہنا۔ پس یہی ہے حقیقی رباط یہی ہے اصلی رباط" (مسلم شریف)

تشریح اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین عملوں کی ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے کہ ان اعمال سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور درجوں میں ترقی ہوتی ہے، ایک یہ کہ وضو کرنے میں اگر کسی وجہ سے تکلیف اور مشقت ہو تو اس کے باوجود وضو پورا پورا کیا جائے اور اس میں خلافِ سنّت اختصار سے کام نہ لیا جائے، مثلاً سردی کا موسم ہے اور پانی ٹھنڈا ہے یا پانی کم

ہے جو پورا وضو سنت کے مطابق کرنے اور ہر عضو کو تین تین دفعہ دھونے کے لئے کافی نہیں ہو سکتا، بلکہ ایسا کرنے کے لیئے پانی کچھ دور چل کر لانا پڑتا ہے تو ایسی صورت میں تکلیف اور مشقت اٹھا کر سنت کے مطابق کامل وضو کرنا ایسا محبوب عمل ہے جس کی برکت سے بندے کو گناہوں سے پاک صاف کر دیا جاتا ہے اور اس کے درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں۔ دوسرا عمل آپ نے بتایا "مسجد کی طرف قدموں کا زیادہ پڑنا" یعنی مسجد سے زیادہ تعلق رکھنا اور نماز کے لئے بار بار مسجد کی طرف جانا، اور ظاہر ہے کہ جس کا مکان مسجد سے جتنے زیادہ فاصلے پر ہوگا اس سعادت میں اس کا حصہ اسی حساب سے زیادہ ہوگا۔ اور تیسرا عمل آپ نے بتایا " ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا منتظر رہنا " اور دل کا اسی میں لگا رہنا اور ظاہر ہے کہ یہ حال اسی بندہ کا ہوگا۔ جس کے دل کو نماز سے چین وسکون ملتا ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرۃ عینی فی الصلوٰۃ والی کیفیت کا کوئی ذرہ جس کو نصیب ہوگا۔

حدیث کے آخر میں آپ نے فرمایا " یہی حقیقی رباط ہے۔ یہی اصلی رباط ہے رباط کے معروف معنی، اسلامی سرحد پر پڑاؤ کے ہیں۔ دشمن کے حملہ سے حفاظت کے لئے جو مجاہدین سرحد پر متعین کر دیئے جاتے ہیں ان کے وہاں پڑاؤ کو رباط کہا جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بڑا عظیم الشان عمل ہے کہ ہر وقت جان خطرہ میں رہتی ہے۔ —— اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین اعمال کو غالباً اس لحاظ سے " رباط " فرمایا ہے کہ ان تینوں عملوں کا اہتمام شیطان کی غارت گری سے حفاظت کی محکم تدبیر ہے اور شیطانی حملوں سے اپنے ایمانوں کی حفاظت مقصدی لحاظ سے ملکی سرحدات کی حفاظت سے بھی اہم ہے

واللہ تعالیٰ اعلم

وضو کا اہتمام، کمال ایمان کی نشانی

(۶) عن ثوبان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استقیموا ولن تحصوا واعلموا ان خیر اعمالکم الصلوٰۃ ولا یحافظ علی الوضوء الا مومن۔ (رواہ مالک احمد وابن ماجہ والدارمی)

"حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ٹھیک چلو، صراط مستقیم پر قائم رہو (لیکن چونکہ یہ استقامت بہت مشکل ہے اس لئے) تم اس پر پورا قابو ہرگز نہ پاسکو گے (لہٰذا ہمیشہ اپنے کو قصوروار اور خطاکار ہی سمجھتے رہو) اور اچھی طرح جان لو کہ تمہارے سارے اعمال میں سب سے بہتر عمل نماز ہے (اس لئے اس کا سب سے زیادہ اہتمام کرو) اور وضو کی پوری پوری نگہداشت بس بندۂ مومن ہی کرسکتا ہے۔"

تشریح وضو کی محافظت و نگہداشت، کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہمیشہ سنت کے مطابق اور آداب کی رعایت کیساتھ کامل وضو کیا جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے برابر باوضو رہے۔ شارحین نے یہ دونوں ہی مطلب بیان کئے ہیں اور اس عاجز کے نزدیک محافظت کا لفظ ان دونوں ہی باتوں پر حاوی ہے۔ بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں "محافظت علی الوضوء" کو کمال ایمان کی نشانی اور اہل ایمان و یقین کا عمل بتایا ہے۔

وضو پر وضو

(۷) عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من توضأ علی طہر کتب لہ عشر حسنات۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے طہارت کے باوجود (یعنی باوضو ہونے کے باوجود تازہ) وضو کیا اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔"

تشریح اس ارشاد کا مقصد بظاہر یہ واضح کرنا ہے کہ باوضو ہونے کی حالت میں تازہ وضو کرنے کو فضول وعبث نہ سمجھا جائے بلکہ یہ ایسی نیکی ہے جس کے کرنے والے کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

اکثر علمار کرام کی رائے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا تعلق اس صورت سے ہے کہ جب پہلے وضو سے کوئی ایسی عبادت کرلی گئی ہو۔ جس کے لئے وضو ضروری ہے۔ اس لئے اگر کسی نے وضو کیا اور ابھی وضو سے کوئی عبادت اور نہیں کی اور نہ کوئی ایسا کام کیا جس کے بعد وضو کی تجدید مستحب ہو جاتی ہے۔ تو ایسی صورت میں اس کو تازہ وضو نہیں کرنا چاہیئے۔

ناقص وضو کے بُرے اثرات

(۸) عن شبیب بن ابی روح عن رجل من اصحٰب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم انّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم صلّی صلوٰۃ الصّبح فقرء الرّوم فالتبس علیہ فلمّا صلّی قال ما بال اقوام یصلّون معنا لا یحسنون الطّھور وانّما یلبس علینا القراٰن اُولٰٓئک۔ (رواہ النسائی)

"شبیب بن ابی روح نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے ایک دن فجر کی نماز پڑھی اور اس میں آپؐ نے سورۂ روم شروع کی تو آپؐ کو اس میں اشتباہ ہو گیا اور خلل

پڑ گیا۔ جب آپ نماز پڑھ چکے تو فرمایا بعض لوگوں کی یہ کیا حالت ہے
کہ ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہو جاتے ہیں اور طہارت (وضو وغیرہ)
اچھی طرح نہیں کرتے، بس یہی لوگ ہمارے قرآن پڑھنے میں خلل ڈالتے
ہیں۔ (سنن نسائی)

تشریح معلوم ہوا ہے کہ وضو وغیرہ طہارت اچھی طرح نہ کرنے کے بُرے اثرات دوسرے صاف قلوب پر بھی پڑتے ہیں کہ ان کی وجہ سے قرآن مجید کی قرأت میں گڑبڑ ہو جاتی ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک دوسرے لوگوں کی اس طرح کی کوتاہیوں سے اتنا متاثر ہوتا تھا تو پھر ہم عوام کس شمار و قطار میں۔ لیکن چونکہ ہمارے قلوب پر زنگ کی تہیں جم گئی ہیں اس لئے ہم کو ان چیزوں کا احساس نہیں ہوتا۔ اس حدیث سے بڑی وضاحت کیساتھ یہ یہ بات معلوم ہو گئی کہ انسان کے قلب پر ساتھ والوں کی اچھی یا بری کیفیات کا کس قدر اثر پڑتا ہے۔ اصحاب قلوب صوفیا کرام نے اس حقیقت کو خوب سمجھا ہے۔

نماز کیلئے وضو کا حکم

طہارت کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جو ہدایات دی ہیں ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کی حیثیت مستقل احکام کی ہے جیسے استنجے کے احکام جسم کو اور کپڑوں کو پاک رکھنے کے احکام، پانی کی پاکی اور ناپاکی کے تفصیلی احکام وغیرہ وغیرہ ——— اور بعض وہ ہیں جن کی حیثیت شرائط نماز کی ہے۔ وضو کا حکم اسی قبیل سے ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ

إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ نماز جو اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں حاضری اور اس سے مخاطبت ومناجات کی ایک خاص الخاص شکل ہے اس کے لئے باوضو ہونا شرط ہے۔ پس اگر کوئی شخص باوضو نہیں ہے (یعنی حدث کی حالت میں ہے۔ جس کی حقیقت پہلے بتائی جا چکی ہے) تو نماز شروع کرنے سے پہلے شروع کرنے سے پہلے اس کو وضو کر لینا چاہیئے۔ دربار الٰہی کی خاص حاضری کا یہ لازمی ادب ہے، اس کے بغیر اس کی نماز ہرگز قبول نہیں ہوگی۔ اس سلسلہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات ذیل میں پڑھیئے!

(۹) عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تقبل صلوٰة من احدث حتی یتوضأ (رواه البخاری ومسلم)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا وضو نہیں ہے اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔ تاوقتیکہ وہ وضو نہ کر لے۔"

(۱۰) عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تقبل صلوٰة بغیر طهور ولا صدقة من غلول (رواه مسلم)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی نماز طہارت کے بغیر قبول نہیں ہوسکتی اور نہ کوئی ایسا صدقہ قبول ہو سکتا ہے جو ناجائز طریقہ سے حاصل کئے ہوئے مال سے کیا جائے۔"

تشریح اس حدیث میں "طہور" سے مراد وضو ہے اور اس کا مطلب وہی ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اوپر والی حدیث کا ہے صرف الفاظ

کا فرض ہے۔

(۱۰) عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مفتاح الصلوٰۃ الطہور وتحریمھا التکبیر وتحلیلھا التسلیم۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی والدارمی و رواہ ابن ماجہ عنہ وعن ابی سعید)

"حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کی کنجی طہور (یعنی وضو ہے) اور اس کی تحریم تکبیر ہے (یعنی اللہ اکبر کہکر آدمی نماز میں داخل ہو جاتا ہے۔ جس کے بعد بات چیت کرنے اور کھانے پینے کے ایسے جائز کام نماز کے ختم ہونے تک اس کے لئے حرام اور ناجائز ہو جاتے ہیں) اس کی تحلیل السلام علیکم کہنا ہے (یعنی نماز کے ختم پر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے کے بعد وہ ساری باتیں آدمی کے لئے حلال اور جائز ہو جاتی ہیں جو نماز کی وجہ سے اس کے لئے حرام اور ناجائز ہو گئی تھیں")

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن دارمی، اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔

(۱۱) عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مفتاح الجنۃ الصلوٰۃ ومفتاح الصلوٰۃ الطہور (رواہ احمد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی طہور (یعنی وضو) ہے"

تشریح ان دونوں حدیثوں میں طہور یعنی وضو کو نماز کی کنجی فرمایا گیا ہے۔ گویا جس طرح کوئی شخص کسی مقفل گھر میں کنجی سے اس کا تالا کھولے بغیر داخل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح بغیر وضو کے نماز میں داخلہ نہیں ہو سکتا۔ ان چاروں حدیثوں

کی تعبیر میں اگرچہ کچھ فرق ہے لیکن حاصل اور مدعا سب کا یہی ہے کہ نماز کے قابل قبول ہونے کے لئے وضو شرط ہے نماز چونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضری اور اس سے مخاطبت و مناجات کی اعلیٰ اور انتہائی شکل ہے، جس کے آگے اس دنیا میں ممکن نہیں اس لئے اس کے ادب کا حق تو یہ تھا کہ ہر نماز کے لئے سارے جسم کا غسل اور بالکل پاک صاف اچھا لباس پہننے کا حکم دیا جاتا لیکن چونکہ اس پر عمل بہت مشکل تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ازراہ کرم صرف اتنا ضروری قرار دیا کہ نماز پاک کپڑے پہن کر پڑھی جائے۔ اور سارے جسم کے غسل کی بجائے صرف وضو کرلیا جائے۔ جس میں وہ سارے ظاہری اعضا دھل جاتے ہیں جو انسان کے جسم میں خاص اہمیت رکھتے ہیں اور اس حیثیت سے وہی تمام جسم کے قائم مقام قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ نیز ہاتھ پاؤں، چہرہ اور سر یہی وہ اعضا ہیں جو عام طور پر لباس سے باہر رہتے ہیں۔ اس لئے وضو میں صرف انہی کے دھونے اور مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں وضو نہ ہونے کی حالت میں طبیعت میں جو ایک خاص قسم کا روحانی تکدر اور انقباض ہوتا ہے اور وضو کرنے کے بعد انشراح و انبساط کی ایک خاص کیفیت اور ایک خاص طرح کی لطافت و نورانیت جو انسان کے باطن میں پیدا ہوتی ہے، جن بندگان خدا کو ان کیفیتوں کا احساس اور تجربہ ہوتا ہے وہ خوب سمجھتے ہیں کہ نماز کے لئے وضو کو لازمی شرط قرار دیئے جانے کا اصل راز کیا ہے باقی اتنی بات تو ہم عوام بھی سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مقدس عالی بارگاہ میں حاضری کا یہ ادب ہے۔

اللہ کے جو بندے صرف اتنی بات سمجھ کر وضو کریں گے۔ انشاءاللہ وہ بھی اپنے وضو میں ایک خاص لذت و نورانیت محسوس کریں گے۔

وضو کا طریقہ

(۱۲) عَن عثمٰن انه توضا فافرغ علی یدیه ثلثاً ثم تمضمض و استنثر ثم غسل وجهه ثلثاً ثم غسل یده الیمنٰی الی المرفق ثلثاً ثم غسل یده الیسرٰی الی المرفق ثلثاً ثم مسح براسه ثم غسل رجله الیمنٰی ثلثاً ثم الیسرٰی ثلثاً ثم قال رایت رسول الله صلی الله علیه وسلم توضا نحو وضوئی هٰذا ثم قال من توضا وضوئی هٰذا ثم یصلی رکعتین لا یحدث نفسه فیهما بشیٍٔ غفر له ما تقدم من ذنبه (رواه البخاری ومسلم واللفظ للبخاری)

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دن اس طرح وضو فرمایا کہ پہلے اپنے دونوں ہاتھوں پر تین دفعہ پانی ڈالا پھر کلی کی اور ناک میں پانی لے کر اسے نکالا اور ناک کی صفائی کی پھر تین دفعہ اپنا پورا چہرہ دھویا۔ اس کے بعد داہنا ہاتھ کہنی تک تین دفعہ دھویا، پھر اسی طرح بایاں ہاتھ کہنی تک تین دفعہ دھویا۔ اس کے بعد سر کا مسح کیا، پھر داہنا پاؤں تین دفعہ دھویا۔ پھر اسی طرح بایاں پاؤں دھویا۔ (اسی طرح پورا وضو کرنے کے بعد) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے بالکل میرے اس وضو کی طرح وضو فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جس نے میرے اس وضو کے مطابق وضو کیا پھر دو رکعت نماز (دل کی پوری توجہ کیساتھ) ایسی پڑھی جو حدیث نفس سے خالی رہی (یعنی دل میں ادھر اُدھر کی باتیں نہ سوچیں) تو اس کے پچھلے سارے گناہ معاف ہوگئے۔"

تشریح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا جو طریقہ بتلایا ہے بلکہ عملاً کر کے دکھایا ہے یہی وضو کا افضل اور مسنون طریقہ ہے البتہ اس میں کلی اور پانی سے ناک کی صفائی سے متعلق یہ نہیں بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے یہ کتنے دفعہ کیا۔ لیکن بعض دوسری روایتوں میں تین تین دفعہ کی تصریح ہے۔

آگے حدیث میں جو دو رکعتیں خشوع و خضوع کیساتھ پڑھنے کا ذکر ہے یہ ضروری نہیں کہ وہ نفل ہی ہوں، بلکہ اگر کسی کو مسنون طریقہ پر وضو کر کے کوئی فرض یا سنت نماز بھی ایسی نصیب ہو گئی جو حدیث نفس سے یعنی ادھر اُدھر کے خیالات سے خالی رہی تو انشاء اللہ حدیث کی موعود مغفرت اس کو بھی حاصل ہوگی ——— شارحین حدیث اور عارفین نے لکھا ہے کہ حدیث نفس یہ ہے کہ ادھر ادھر کا کوئی خیال ذہن میں آئے اور دل اس میں مشغول ہو جائے لیکن اگر کوئی خطرہ دل میں گزرے اور دل اس میں مشغول نہ ہو بلکہ اس کو ہٹانے اور دفع کرنے کی کوشش کرے تو وہ مضر نہیں ہے اور یہ چیز کاملین کو بھی پیش آتی ہے۔ وضو سے بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا سنت ہے۔

(۱۳) عن ابی حیّۃ قال رایت علیاً توضأ فغسل کفیہ حتی انقاھما ثم مضمض ثلثاً واستنشق ثلثاً وغسل وجھہ ثلثاً ومسح براسہ مرۃً ثم غسل قدمیہ الی الکعبین ثم قام فاخذ فضل طھورہٖ فشربہ وھو قائم ثم قال احببت ان اریکم کیف کان طھور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم　　(ترمذی)

ؔ رواہ البغوی عن سفیان بن سلمۃ عن عثمان۔ زجاجۃ المصابیح

مسلسل ۱۴ " ابو حیہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ نے وضو اس طرح فرمایا، پہلے اپنے دونوں ہاتھ اچھی طرح دھوئے یہاں تک کہ ان کو خوب اچھی طرح صاف کر دیا، پھر تین دفعہ کلی کی پھر تین دفعہ پانی ناک میں لیکر اس کی صفائی کی پھر چہرے اور دونوں ہاتھوں کو تین تین دفعہ دھویا۔ پھر سر کا مسح ایک دفعہ کیا۔ پھر دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے۔ اور کھڑے ہی کھڑے آپ نے وضو کا بچا ہوا پانی لے کر پیا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس طرح پورا وضو کر کے دکھانے کے بعد فرمایا۔ میں نے چاہا کہ تمہیں دکھلاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وضو فرمایا کرتے تھے ۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی)

تشریح جیسا کہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر وضو اسی طرح فرماتے تھے۔ کہ دھونے والے اعضاء کو تین تین دفعہ دھوتے تھے اور سر پر مسح ایک ہی دفعہ فرماتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی آپؐ نے ایسا بھی کیا ہے کہ دھوئے جانے والے اعضاء کو بھی صرف ایک ہی ایک مرتبہ یا صرف دو ہی مرتبہ دھویا اور ایسا آپؐ نے یہ دکھانے اور بتانے کے لئے کیا کہ اس طرح بھی وضو ہو جاتا ہے۔ فقہا کی اصطلاح میں اس کو "بیانِ جواز" کہتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی وقت پانی کی کمی کی وجہ سے آپؐ نے ایسا کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

(۱۵) عن عبد اللہ ابن زید اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم توضأ مرتین مرتین (رواہ البخاری)

حضرت عبد اللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک

دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا دو، دو مرتبہ (یعنی دھوئے جانے والے اعضاء کو دو دو بار دھویا" (صحیح بخاری)

تشریح ان دونوں حدیثوں میں اعضاء وضو کے صرف ایک ایک دفعہ یا دو دو دفعہ دھونے کا جو ذکر ہے جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے ایسا آپؐ نے کبھی کبھی صرف یہ جتانے اور دکھانے کے لئے کیا تھا کہ اتنا کرنے سے بھی وضو ہو جاتا ہے، ورنہ عام عادت شریفہ یہی تھی کہ وضو میں آپؐ ہاتھ، منہ اور پاؤں کو تین تین دفعہ دھوتے تھے، اور اسی کی دوسروں کو تعلیم دیتے تھے اور وضو کا یہی افضل اور مسنون طریقہ ہے۔ مندرجہ ذیل دو حدیثوں سے یہ بات اور زیادہ صاف ہو جاتی ہے۔

(۱۶) عن عمرو ابن شعیب عن ابیہ عن جدہٖ قال جاء اعرابیٌ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسال عن الوضوء فاراہُ ثلٰثًا ثلٰثًا ثم قال ھکذا الوضوء فمن زاد علی ھذا فقد اساء وتعدّٰی وظلم (رواہ نسائی وابن ماجہ)

(عمروؓ بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور اپنے دادا عبداللہؓ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی وضو کے بارے میں سوال کرتے ہوئے (یعنی وضو کا طریقہ پوچھتے ہوئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپؐ نے ان کو تین تین دفعہ وضو کر کے دکھایا (یعنی ایسا وضو کر کے دکھایا جس میں آپؐ نے دھوئے جانے والے اعضاء کو تین تین دفعہ دھویا) اس کے بعد آپ نے ان اعرابی سے فرمایا کہ وضو ایسے ہی کیا جاتا ہے۔ تو جس نے اس میں اپنی طرف سے کچھ اور اضافہ کیا تو اس نے بُرائی کی، اور زیادتی کی اور ظلم

کیا۔" (سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں اضافہ کرنے کی جو سخت مذمت کی ہے اس کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ اعضاء وضو کے صرف تین تین بار دھونے سے کامل و مکمل وضو ہو جاتا ہے اب جو شخص اس میں کوئی اضافہ کرے گا وہ گویا شریعت میں اپنی طرف سے ترمیم کرے گا اور بلاشبہ یہ اس کی بڑی جسارت اور بڑی بے ادبی ہو گی۔

(١٧) عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من توضا واحدۃً فتلک وظیفۃ الوضوء التی لا بُدَّ منہا ومن توضا اثنین فلہ کفلان ومن توضا ثلٰثًا فذٰلک وضوئی ووضوء الانبیاء من قبلی (رواہ احمد)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو وضو کرے ایک دفعہ (یعنی دھوئے جانے والے اعضاء کو اس میں صرف ایک ہی ایک دفعہ دھوئے) تو یہ وضو کا وہ درجہ ہے جس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں (اور اس کے بغیر وضو ہوتا ہی نہیں) اور جو وضو کرے دو، دو مرتبہ (یعنی اس میں اعضاء وضو کو دو دو دفعہ دھوئے) تو اس کو (ایک ایک دفعہ والے وضو کے مقابلہ میں) دو حصے ثواب ہو گا۔ اور جس نے وضو کیا تین تین دفعہ (جو افضل اور مسنون طریقہ ہے) تو یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے پیغمبروں کا (یعنی میرا دستور اعضاء وضو کو تین تین دفعہ دھونے کا ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا طریقہ بھی یہی رہا ہے۔ (مسند احمد)

تشریح:- یہ حدیث مسند احمد کی ہے اور اسی میں ایک دوسری روایت

اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ایک ایک دفعہ وضو کر کے دکھایا اور فرمایا کہ "یہ وہ کم سے کم درجہ کا وضو ہے جس کے بغیر کسی کی نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہی نہیں ہوسکتی ۔ اس کے بعد آپؐ نے دو دفعہ کا وضو کر کے دکھایا اور فرمایا کہ پہلے والے وضو کے مقابلہ میں اس کا ثواب دوہرا ملے گا پھر آپ نے تین تین دفعہ والا وضو کر کے دکھایا اور فرمایا کہ یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا۔

اس دوسری روایت کو دارقطنی ، بیہقی ، ابن حبان اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

(زجاجۃ المصابیح)

ان دونوں روایتوں سے بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔

فَلِلّٰہِ الْحَمْد

وضو کی سنتیں اور اُس کے آداب

وضو میں فرض تو بس وہی چار چیزیں ہیں جن کا ذکر سورۂ مائدہ کی اس مندرجہ بالا آیت میں کیا گیا ہے جس میں نماز سے پہلے وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یعنی پورے چہرے کا دھونا، ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا، سر کا مسح کرنا۔ پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا — ان چار چیزوں کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو میں جن چیزوں کا اہتمام فرماتے تھے، یا جن کی ترغیب دیتے تھے، وہ وضو کی سنتیں اور اس کے آداب ہیں جن سے وضو کی ظاہری یا باطنی تکمیل ہوتی ہے مثلاً چہرے اور ہاتھ پاؤں کو بجائے ایک ایک دفعہ کے تین تین بار دھونا، اور مل مل کر دھونا، ڈاڑھی میں اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا، انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی کو حرکت دینا، تاکہ اُس کے نیچے پانی پہونچنے میں شبہ نہ رہ جائے۔ اسی طرح کلّی اور ناک کی صفائی کا اہتمام کرنا۔ کانوں کے اندرونی اور بیرونی حصہ کا مسح کرنا، شروع میں بسم اللہ اور آخر میں کلمۂ شہادت پڑھنا اور خاتمۂ وضو کی دُعا کرنا۔ یہ سب وضو کی سُنتیں اور اس کے آداب و مستحبات ہیں جن سے وضو کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیئے:-

(۲۸) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۔

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کا نام لیے بغیر وضو کیا اس کا وضو ہی نہیں۔

(جامع ترمذی۔ سنن ابن ماجہ)

تشریح: اُمت کے اکثر ائمہ اور مجتہدین کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ

ہے کہ جو وضو غفلت کے ساتھ، اللہ کا نام لئے بغیر کیا جائے وہ بہت ناقص اور بالکل بے نور ہوگا اور ناقص کو کالعدم قرار دے کر اس کی سرے سے نفی کر دینا عام محاورہ ہے "کتاب الایمان" میں یہ بات تفصیل اور وضاحت سے لکھی جا چکی ہے۔ اگلے ہی نمبر پر ابوہریرہ و ابن مسعود و ابن عمر رضی اللہ عنہم کی روایت سے جو حدیث درج ہو رہی ہے اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کا نام لیے بغیر جو وضو کیا جائے وہ اگرچہ بالکل بیکار نہیں ہے لیکن اپنی باطنی تاثیر اور نورانیت کے لحاظ سے بہت ناقص ہے۔

(۲۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ وَّابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَوَضَّاَ وَذَکَرَ اسْمَ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ یُطَهِّرُ جَسَدَهٗ کُلَّهٗ، وَمَنْ تَوَضَّاَ وَلَمْ یَذْکُرِ اسْمَ اللّٰهِ لَمْ یُطَهِّرْ اِلَّا مَوْضَعَ الْوُضُوْءِ

(رواہ الدار قطنی)

حضرت ابوہریرہ و ابن مسعود و ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ جو شخص وضو کرے اور اس میں اللہ کا نام لے، تو یہ وضو اس کے سارے جسم کو پاک کر دیتا ہے، اور جو کوئی وضو کرے اور اس میں اللہ کا نام نہ لے، تو وہ وضو اس کے صرف اعضائے وضو ہی کو پاک کرتا ہے۔

(سنن دار قطنی)

تشریح:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو وضو اللہ کا نام لے کر مثلاً بسم اللہ پڑھ کر یا اسی طرح کا کوئی کلمۂ ذکر زبان سے ادا کر کے کیا جائے تو اس کے اثر سے سارا جسم مُطہّر اور منور ہو جاتا ہے اور جو وضو اللہ کا نام لئے اور اس کا ذکر کئے بغیر کیا جائے تو اس سے صرف اعضا وضو ہی کی طہارت ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ یہ وضو بہت ناقص قسم کا ہوتا ہے۔

(۴۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ اِذَا تَوَضَّأْتَ فَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاِنَّ حَفَظَتَكَ لَا تَبْرَحُ تَكْتُبُ لَكَ الْحَسَنَاتِ حَتّٰی تُحْدِثَ مِنْ ذٰلِكَ الْوُضُوْءِ۔ (رَوَاهُ الطَّبْرَانِیُّ فِی الصَّغِیْرِ)

ترجمہ: آپؐ نے ان سے فرمایا! اے ابوہریرہؓ جب تم وضو کرو تو بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ کہہ لیا کرو اس کا اثر یہ ہوگا کہ جب تک تمہارا یہ وضو باقی رہے گا، اُس وقت تک تمہارے محافظ فرشتے (یعنی کاتبین اعمال) تمہارے لیے برابر نیکیاں لکھتے رہیں گے۔ (معجم صغیر طبرانی)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو وضو بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ کہہ کر کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنی عظیم نیکی ہے کہ جب تک وہ باقی اور قائم رہے اس وقت تک کاتبانِ اعمال اس وضو والے کے نامۂ اعمال میں مسلسل نیکیاں لکھنے کے لئے مامور ہیں۔

(۴۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا لَبِسْتُمْ وَاِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَابْدَءُوْا بِاَیَامِنِكُمْ (رواہ احمد وابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم لباس پہنو، اور جب تم وضو کرو تو اپنے داہنے اعضاء سے ابتدا کیا کرو۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب کوئی کپڑا یا جوتا یا موزہ وغیرہ پہنا جائے تو پہلے داہنی طرف پہنا جائے اور جب وضو کیا جائے تو ہر عضو کے دھونے کی ابتداء داہنی طرف سے کی جائے۔

(۴۲) عَنْ لَقِیْطِ بْنِ صَبِرَةَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْوُضُوْءِ

قَالَ اَسْبِغِ الْوُضُوْءَ وَخَلِّلْ بَیْنَ الْاَصَابِعِ وَبَالِغْ فِی الْاِسْتِنْشَاقِ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ صَائِمًا۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی)

لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ مجھے وضو کی بابت بتایئے؛ (یعنی یہ بتایئے کہ کن باتوں کا وضو میں مجھے خاص طور سے اہتمام کرنا چاہیے آپؐ نے فرمایا: (ایک تو یہ کہ) پورا وضو خوب اچھی طرح اور کامل طریقہ سے کیا کرو (جس میں کوئی کمی کسر نہ رہے) اور (دوسرے یہ کہ) ہاتھ پاؤں دھوتے وقت اُن کی انگلیوں میں خلال کیا کرو اور (تیسرے یہ کہ) ناک کے نتھنوں میں پانی چڑھا کے اچھی ان کی صفائی کیا کرو، اِلّا یہ کہ تم روزہ سے ہو" (یعنی روزہ کی حالت میں پانی زیادہ نہ چڑھاؤ)

(۳۳) عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ یَدْلُکُ اَصَابِعَ رِجْلَیْہِ بِخِنْصَرِہٖ (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ)

مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ وضو فرماتے تو ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی (چھنگلیا) سے پاؤں کی انگلیوں کو (یعنی انکے درمیانی حصوں کو) ملتے تھے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(۳۴) عَنْ اَنَسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ اَخَذَ کَفًّا مِّنْ مَّآءٍ فَاَدْخَلَہٗ تَحْتَ حَنَکِہٖ فَخَلَّلَ بِہٖ لِحْیَتَہٗ وَقَالَ ھٰکَذَا اَمَرَنِیْ رَبِّیْ۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

طریقہ تھا کہ جب وضو فرماتے تو ایک ہاتھ سے پانی لے کر ٹھوڑی کے نیچے ریش مبارک میں خلال کرتے (یعنی ہاتھ کی انگلیاں اس کے درمیان سے نکالتے) اور فرماتے میرے رب نے مجھے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

(۳۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ بِرَأْسِهٖ وَاُذُنَيْهِ بَاطِنَهُمَا بِالسَّبَّابَتَيْنِ وَظَاهِرَهُمَا بِإِبْهَامَيْهِ (رواه النسائی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (وضو میں) اپنے سر مبارک کا مسح فرمایا اور اس کے ساتھ دونوں کانوں کا بھی (اس طرح کہ کانوں کے اندرونی حصّہ کا تو انگوٹھوں کے برابر والی انگلیوں سے مسح فرمایا، اور اوپر کے حصّہ کا دونوں انگوٹھوں سے۔ (سُنن نسائی)

(۳۶) عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَاَدْخَلَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ جُحْرَيْ اُذُنَيْهِ۔

(رواه ابوداؤد واحمد وابن ماجہ)

رُبیع بنت مُعوذ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تو (کانوں کا مسح کرتے ہوئے) دونوں کانوں کے سوراخوں میں بھی آپ نے اپنی انگلیاں ڈالیں۔

(سنن ابی داؤد، مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

(۳۷) عَنْ اَبِيْ رَافِعٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ وُضُوْءَ الصَّلٰوةِ حَرَّكَ خَاتَمَهٗ فِيْ اِصْبَعِهٖ۔

(رواه الدارقطنی، سنن ابن ماجہ)

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کا وضو فرماتے تھے تو انگلی میں پہنی ہوئی اپنی انگوٹھی کو حرکت دیتے تھے تاکہ پانی اس جگہ بھی اچھی طرح پہونچ جائے اور کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے۔ (سنن دارقطنی، سنن ابن ماجہ)

تشریح: مندرجہ بالا حدیثوں میں وضو کے سلسلہ کے جن جن اعمال کا ذکر ہے مثلاً داڑھی اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا، کانوں کے اندر باہر کا اچھی طرح مسح کرنا اور اُن کے سوراخوں تک بھی انگلیاں پہونچانا، اسی طرح ہاتھ میں پہنی ہوئی انگوٹھی کو حرکت دینا، یہ سب وضو کے مکمل آداب ہیں جن کا اہتمام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی فرماتے تھے اور اپنے قول و عمل سے دوسروں کو بھی انکی تعلیم و ترغیب دیتے تھے۔

وضو میں پانی بے ضرورت نہ بہایا جائے

(۳۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو وَابْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِسَعْدٍ وَّهُوَ يَتَوَضَّأُ فَقَالَ مَا هٰذَا السَّرَفُ يَا سَعْدُ، قَالَ اَفِي الْوُضُوْءِ سَرَفٌ؟ قَالَ وَاِنْ كُنْتَ عَلٰى نَهْرٍ جَارٍ۔

(رواہ احمد وابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ سے روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) وضو کر رہے تھے (اور اس میں پانی کے استعمال میں فضول خرچی سے کام لے رہے تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس سے گزرے تو آپ نے اُن سے فرمایا: سعد! یہ کیسا اسراف ہے (یعنی پانی بے ضرورت کیوں بہایا جا رہا ہے)، انہوں نے عرض کیا حضورؐ! کیا وضو کے پانی میں بھی اسراف ہوتا ہے، (یعنی کیا وضو میں پانی زیادہ خرچ کرنا بھی اسراف

میں داخل ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں یہ بھی اسراف میں داخل ہے۔ اگرچہ تم کسی جاری نہر کے کنارے ہی پر کیوں نہ ہو۔ (مسند احمد سنن ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ پانی کے استعمال میں اسراف سے کام نہ لیا جائے۔

وضو کے بعد تولیہ یا رومال کا استعمال

(۲۹) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ مَسَحَ وَجْھَہٗ بِطَرْفِ ثَوْبِہٖ۔

(رواہ الترمذی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ وضو فرماتے تو اپنے ایک کپڑے کے کنارے سے چہرہ مبارک پونچھ لیتے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرمانے کے بعد اپنے کسی کپڑے (چادر وغیرہ) کے کنارے ہی سے چہرہ مبارک پونچھ لیتے تھے اور امام ترمذی ہی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ وضو کے بعد اعضاء وضو کو پونچھنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ایک مستقل کپڑا رہتا تھا جس کو آپ اس کام میں استعمال کرتے تھے۔ بعض اصحاب کرامؓ کی روایات میں بھی ایسے کپڑے یا رومال کا ذکر آیا ہے۔ اس سلسلہ کی تمام روایات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقصد کے لئے کوئی مستقل کپڑا اور رومال کی طرح کا بھی رہتا تھا، اور کبھی کبھی آپ اپنے کسی کپڑے کے کنارے سے بھی یہ کام لیتے تھے۔

واللہ تعالٰی اعلم

ہر وضو کے بعد اللہ تعالیٰ کا کچھ ذکر اور نماز

نمبر(۱۷) پر بحوالہ مسلم و ترمذی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں وضو کے بعد کلمۂ شہادت اور دُعا ماثور اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ٥ پڑھنے کی فضیلت و برکت بیان فرمائی گئی ہے اور نمبر(۲۶) پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث بھی بحوالہ بخاری و مسلم گزر چکی ہے جس میں وضو کرنے کے بعد قلبی توجہ اور یکسوئی کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھنے پر پچھلے سارے گناہوں کی معافی کی بشارت سنائی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک حدیث یہاں اور پڑھ لی جائے۔

(۴۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِبِلَالٍ عِنْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ حَدِّثْنِیْ بِاَرْجٰى عَمَلٍ عَمِلْتَهٗ فِی الْاِسْلَامِ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِی الْجَنَّةِ قَالَ مَا عَمِلْتُ عَمَلًا اَرْجٰى عِنْدِیْ اَنِّیْ لَمْ اَتَطَهَّرْ طُهُوْرًا فِیْ سَاعَةٍ مِّنْ لَيْلٍ اَوْ نَهَارٍ اِلَّا صَلَّيْتُ بِذٰلِكَ الطُّهُوْرِ مَا كُتِبَ لِیْ اَنْ اُصَلِّیَ (بخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فجر کی نماز کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا، تمہیں اپنے جس اسلامی عمل سے سب سے زیادہ اُمید خیر و ثواب ہو وہ مجھے تبلاؤ، کیونکہ میں نے تمہارے چپلوں کی چاپ جنت میں اپنے آگے آگے سنی ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ رات میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں جنت میں چل پھر رہا ہوں اور آگے آگے تمہارے قدموں کی آہٹ سُن رہا

ہوں، تو میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ تمہارے کس عمل کی برکت ہے لہٰذا تم مجھے اپنا وہ عمل بتاؤ جس سے تمہیں سب سے زیادہ ثواب اور رحمت کی امید ہے۔ بلال رضؓ نے عرض کیا کہ مجھے اپنے اعمال میں سب سے زیادہ اُمید اپنے اس عمل سے ہے، کہ میں نے رات یا دن کے کسی وقت میں جب بھی وضو کیا ہے تو اُس وضوسے میں نے نماز ضرور ہی پڑھی ہے، جتنی نماز کی بھی مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت توفیق ملی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ، کے قدموں کی آہٹ یا چپلوں کی چاپ جنت میں سننے کی جو اطلاع دی ہے، جیسا کہ ترجمہ میں بھی ظاہر کر دیا گیا ہے۔ یہ خواب[1] کا واقعہ ہے۔ اس لیے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ بلال رضؓ زندگی ہی میں جنت میں کس طرح پہونچ گئے۔ البتہ حضورؐ کا خواب میں حضرت بلالؓ کو جنت میں دیکھنا اور اُن کا بیان فرمانا اس بات کی قطعی شہادت ہے کہ حضرت بلال رضؓ جنتی ہیں، بلکہ درجہ اول کے جنتیوں میں ہیں۔

اس حدیث کی رُوح اور اس کا خاص پیغام یہ ہے کہ بندہ اس کی عادت ڈالے کہ جب بھی وضو کرے اِس سے حسب توفیق کچھ نماز ضرور پڑھے، خواہ فرض ہو، خواہ سُنّت، خواہ نفل۔

---

[1] جن شواہد اور قرائن کی بنا پر اس کو خواب کا واقعہ قرار دیا گیا ہے انکی تفصیل معلوم کرنے کے لیے فتح الباری کا مطالعہ کیا جائے۔ ۱۲ منہ

سونے کے بعد اٹھ کر ناک جھاڑنا

(۴۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَیْقَظَ اَحَدُکُمْ مِنْ مَنَامِهٖ فَلْیَسْتَنْثِرْ ثَلٰثًا فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ یَبِیْتُ عَلٰی خَیْشُوْمِهٖ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی نیند سے اٹھ کر وضو کرنے لگے تو اپنی ناک کو تین بار جھاڑے۔ اس لئے کہ شیطان سوجانے کے بعد سونے والے کی ناک پر رات بھر رہتا ہے۔

تشریح: انسان جب تک بیدار رہتا ہے تو شیطان انسان کے ہر عضو اور رگ و ریشے میں سرایت کرتا اور اپنے اثرات سے انسانی قلب و جگر کو براہ راست متاثر کرتا رہتا ہے اور سو جانے کے بعد چونکہ تمام اعضاء میں تعطل آجاتا ہے اور وہ کسی قسم کے اثر کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے سوائے اس کے کہ سونے والا کوئی خواب دیکھے اور بیدار ہونے کے بعد اس خواب کا اثر اس پر قائم رہے اگر وہ اچھا خواب دیکھے تو اس پر اثرات اچھے مرتب ہوں گے اور اگر خواب برا ہوا تو اس کے اثرات بھی اسی قسم کے ہوں گے۔ اس لئے شیطان انسان کی ناک میں بیٹھ کر اچھے خواب کو روکتا اور برے خوابوں کو دماغ میں ڈالتا رہتا ہے وضو میں ناک صاف کرتے وقت ان شیطانی اثرات کو ختم کیا جاتا ہے۔ اسی لئے ناک کو انگلی سے صاف کرنے اور خوب مبالغہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ناقص وضو پر وعید

(۴۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَجَعْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِمَاءٍ بِالطَّرِيْقِ تَعَجَّلَ قَوْمٌ عِنْدَ الْعَصْرِ فَتَوَضَّأُوْا وَهُمْ عُجَّالٌ فَانْتَهَيْنَا اِلَيْهِمْ وَاَعْقَابُهُمْ تَلُوْحُ لَمْ يَمَسَّهَا الْمَاءُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ؕ

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے مدینہ جا رہے تھے اور راستے میں ایک ایسی جگہ پر آئے جہاں پانی تھا۔ کچھ لوگ عصر کا وقت ہو جانے پر جلدی جلدی سے وضو کرنے لگے چنانچہ ہم بھی ان تک پہنچ گئے۔ اور ان کی ایڑیاں بالکل خشک تھیں (یہ منظر دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خشک ایڑیاں جہنم میں جلائی جاویں گی اس لئے خوب اہتمام سے وضو کیا کرو)

تشریح: چونکہ ایڑیوں کو دھونے کی فرضیت ہاتھ منہ وغیرہ کی طرح ثابت ہے اور لوگ اس میں تساہل اور سستی سے کام لیتے رہتے تھے اس لئے آپ نے تنبیہ فرمائی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو کرتے وقت بہت دھیان رکھنا چاہئے کہ کہیں کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے بہت سے لوگ جھٹ پٹ اور لپ چھپ ایسا وضو کرتے ہیں کہ پانی اچھی طرح نہیں پہنچاتے۔ خصوصاً سردی کے زمانہ میں زیادہ غفلت برتتے ہیں پانی کو تیل کی طرح لگاتے ہیں حالانکہ پانی کا اعضاء پر بہانا ضروری ہے سردی میں خشکی کی وجہ سے پانی جلد نہیں پہنچتا خوب خیال کرو۔

وضو کا شیطان

(۴۳) عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لِلْوُضُوْءِ

شَیْطَانًا یُقَالُ لَہٗ الْوَلْہَانُ فَاتَّقُوْا وَسْوَاسَ الْمَآءِ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وضو کا ایک شیطان ہے جس کا نام وَلْہَانْ ہے پس تم کے بارے میں وسوسہ ڈالنے والے سے بچو۔

تشریح:۔ جس طرح دیگر امور کے لئے مستقلاً اور جداگانہ شیاطین ہیں اسی طرح وضو کرتے وقت بھی ایک متعین اور مخصوص شیطان ہوتا ہے جس کا کام یہ ہے کہ وہ وضو کرنے والے کو مختلف قسم کے شبہات میں مبتلا کر کے اس کے وضو کو برباد یا کم از کم خلاف سنت بنانے کی سعی بلیغ کرتا ہے مثلاً کبھی یہ وہم ڈالتا ہے کہ پانی اعضاء پر پہنچا ہے یا نہیں۔ اسی طرح تین بار اعضاء کو دھونے کے بعد وہم پیدا کرتا ہے کہ ممکن ہے ایک بار دھویا ہو۔ غرض یہ کہ اس قسم کے اوہام میں مبتلا کر کے وضو کی اصل روح کو ختم کر دیتا ہے اس لئے وضو کرتے وقت اس شیطان کے وساس سے بچنے کے لئے خوب احتیاط کی جائے۔

بعض نواقض وضو

(۴۴) عَنْ عَلِیِّ بْنِ طَلْقٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا فَسَا اَحَدُکُمْ فَلْیَتَوَضَّأْ وَلَا تَاْتُوا النِّسَآءَ فِیْ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن طلق سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آہستہ بھی ریح خارج ہو جاتے تو وضو کرو اور تم لوگ عورتوں کے پیچھے والے مقام میں خواہش پوری نہ کرو

(۴۵) وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ

الْمَذِيِ فَقَالَ مِنَ الْمَذِيِّ الْوُضُوْءُ وَمِنَ الْمَنِيِّ الْغُسْلُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مذی نکلے تو کیا عمل کیا جائے وضو کرے یا غسل کرے، اس کے جواب میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ مذی نکلنے سے وضو اور منی نکلنے سے غسل ہوجاتا ہے نفسانی خواہش کے جوش میں منی نکلنے سے پہلے جو سفید گاڑھا مادہ خارج ہوتا ہے اسے مذی کہتے ہیں۔

(۴۶) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْوُضُوْءَ عَلٰی مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا فَاِنَّہٗ اِذَا اضْطَجَعَ اسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُہٗ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ فرمایا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بلاشبہ اس پر وضو ہے جو لیٹ کر سو گیا کیونکہ جب وہ لیٹا تو اس کے جسم کے جوڑ ڈھیلے پڑ گئے۔

تشریح:- نیند کو وضو توڑنے والی چیزوں میں اس لئے شمار کیا گیا ہے کہ سونے کی وجہ سے بدن کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ اور ہوا نکلنے کا احتمال غالب ہوجاتا ہے ہاں جس نیند سے جوڑ ڈھیلے نہیں ہوتے۔ مثلاً کوئی شخص کھڑے کھڑے بیٹھے بیٹھے سو گیا تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور اگر ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے اس طرح سو گیا کہ ٹیک ہٹ جائے تو گر پڑے ایسا ہونا بھی لیٹ کر سونے کے حکم میں ہے اس سے بھی جوڑ ڈھیلے ہوجاتے ہیں اور وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

(۴۷) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ

الصَّعِيدُ الطَّيِّبُ وَضُوءُ الْمُسْلِمِ وَإِنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِيْنَ فَإِذَا وَجَدَ الْمَاءَ فَالْيَمَسَّهُ بَشَرَتَهُ فَإِنَّ ذَالِكَ خَيْرٌ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاؤدَ)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بے شک پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے اگرچہ دس برس پانی نہ دے۔

تشریح:۔ اگر پانی نہ ملے تو تیمم کر کے نماز پڑھتا رہے اور تیمم کی پاکی غسل اور وضو کی پاکی کے برابر ہے وضو اور غسل کے تیمم کا طریقہ ایک ہی ہے اس کے جائز ہونے کی شرطیں فقہ کی کتابوں میں دیکھ لو مسئلہ تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ پاک ہونے کی نیت سے پاک مٹی پر ایک مرتبہ دونوں ہاتھ مار کر جھاڑ دیوے پھر دونوں ہاتھوں کو پورے چہرے پر اس طرح ملے کہ پیشانی کے بالوں سے لے کر تھوڑی کے نیچے تک اور کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک ذرا بھی جگہ نہ بچے اس کے بعد دوسری مرتبہ مٹی پر ہاتھ مار کر جھاڑ دیوے پھر دونوں ہاتھوں پر دونوں کہنیوں سمیت دونوں ہتھیلیوں کو پھیر دے اور ہتھیلیوں کی پشت پر بھی ہاتھ ملے ایسا کرنے سے تیمم ہو جاتا ہے۔

مومن کا زیور

(۴۸) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبْلُغُ الْحِلْيَةُ مِنَ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ يَبْلُغُ الْوُضُوْءُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں مومن کا زیور وہاں تک

پہنچے گا جہاں تک اس کے وضو کا پانی پہنچتا۔ (مسلم شریف)

تشریح:- وہاں سونے چاندی کی کوئی کمی نہیں زینت کے لئے مرد و عورت سب زیور سے آراستہ ہوں گے اور وہاں سب پر زیور اچھا لگے گا یہ بات وہاں سے متعلق ہے اس لئے یہاں اس عالم میں بخوبی ہر شخص کی سمجھ میں آنا دشوار ہے۔

داہنے ہاتھ کا احترام

(۴۹) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيُمْنٰى لِطُهُوْرِهٖ وَطَعَامِهٖ وَكَانَتْ يَدُهُ الْيُسْرٰى لِخَلَائِهٖ وَمَا كَانَ مِنْ اَذًى۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا داہنا ہاتھ اس لئے تھا کہ اس کے ذریعے وضو اور غسل میں دوسرے اعضاء پر پانی بہائیں اور اس لئے بھی تھا کہ اس سے کھانا تناول فرمائیں اور بایاں ہاتھ استنجے میں استعمال کرنے کے لئے اور گھن کی چیز دور کرنے کے لئے تھا۔

(۵۰) وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا شَرِبَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْاِنَاءِ وَاِذَا اَتَى الْخَلَاءَ فَلَا يَمَسَّ ذَكَرَهٗ بِيَمِيْنِهٖ وَلَا يَتَمَسَّحْ بِيَمِيْنِهٖ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالےٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم (پانی وغیرہ کوئی چیز) پیو تو

برتن میں سانس نہ لو۔ اور جب پاخانہ جاؤ تو داہنے ہاتھ سے شرم کی جگہ کو نہ چھوؤ اور سیدھے ہاتھ سے استنجا نہ کرو۔ **تمت بالخیر**

الحمد للہ یہ رسالہ تمام ہوا۔ ناظرین سے درخواست ہے کہ دعاء میں یاد فرماویں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ه

فہرست مضامین فضائلِ وضو

اعتذار

ہم اپنے کرم فرماؤں سے اس بات کی معذرت چاہتے ہیں کہ فضائل وضو (مصنفہ علامہ مولانا محمد منظور صاحب) سے مسواک کا باب خارج کردیا، کہ اسی مجموعہ فضائل میں مسواک کی ایک مستقل کتاب مندرج ہے۔ لہذا یہاں باب مسواک ضرورت نہیں تھی۔

ادارہ: کتب خانہ مجیدیہ ملتان

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَدَّادٍ قَالَ

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السِّوَاكُ الْفِطْرَةُ

حضرت عبداللہ بن حداد سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ مسواک کرنا فطرت ہے

فضائلِ مسواک

مرتبہ

اطہر حسین مظاہری

ابن الحافظ الحاج القاری سعید احمد رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

ناشر

کتب خانہ مجیدیہ

بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

فہرست مضامین

حرفِ آغاز

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْدُ

استاذی المحترم حضرت الحاج مولانا قاری سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور کا فضائل مسواک پر ایک مختصر رسالہ تصنیف فرمانے کا قصد تھا۔ جس میں مسواک کے فضائل، احکام، آداب، فوائد وغیرہ کا ذکر ہو۔ لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کثیر مشاغل نے مہلت نہ دی۔ بارہا اس کی ضرورت کا اظہار فرماتے رہنے کی وجہ سے حضرت علیہ الرحمۃ کے بڑے صاحبزادے جناب حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب زادت المعالیہ نے اپنی طالب علمی ہی کے زمانہ میں اس موضوع پر بہت سا مواد نہایت تحقیق و تفتیش کے ساتھ جمع فرما کر حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پیش فرما دیا۔ ہونہار صاحبزادہ کی اس جلیل علمی کوشش پر حضرت موصوف نے دادِ تحسین سے ہمت افزائی فرمائی اور اس کی ترتیب و تبویب کا حکم فرمایا۔ لیکن صاحبزادہ موصوف دیگر علمی مشاغل کی وجہ سے تعمیل حکم میں تعجیل نہ فرما سکے اور حضرت استاذ علیہ الرحمۃ کا پیمانۂ حیات لبریز ہو گیا۔ اور آپ کی رُوح رفیقِ اعلیٰ سے جا ملی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

اب ایک عرصہ سے یہ مواد غیر مرتب صورت میں تھا کہ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب مفتی اعظم جامعہ مظاہر علوم نے اپنے چھوٹے بھائی مولانا قاری اطہر حسین صاحب مظاہری کو حکم دیا کہ اس کی ترتیب و تبویب کر کے رسالہ کی ہی صورت میں پیش کریں۔ اور عربی مواد کا اردو ترجمہ بھی کر دیں تاکہ عوام و خواص یکساں طور پر اس سے مستفید و متمتع ہو سکیں۔

پیشِ نظر رسالہ میں عبارت آرائی سے دانستہ طور پر گریز کیا ہے۔ کیونکہ اکثر اوقات اس سے روح و مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ ناظرین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ حضرت الاستاذ مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کی ترقی درجات کے لیئے دُعا فرمائی جاوے اور حضرت مؤلّف و مصنف نیز اس احقر کو بھی دعواتِ صالحہ میں فراموش نہ کیا جاوے۔ آخر میں رب العزت سے بتضرع دعا ہے کہ بارالہا تو اس کے مؤلّف و مصنف کی اس خدمت کو قبول فرما۔

آمین فقط۔

بندہ ہیچداں عتیق احمد بن خلیل صدیقی مظاہری غفرلہٗ
عتیق منزل۔ گنگوہ۔ سہارنپور۔

مسواک کی اہمیّت احادیث کی روشنی

مسواک اور فطرت۔ (۱) عن عائشة رضی قالت قال رسول اللہ صلی اللہ وسلم عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية والسواك واستنشاق الماء وقص الاظفار وغسل البراجم ونتف الابط وحلق العانة وانتقاص الماء يعني الاستنجاء قال الراوي ونسيت العاشرة الا ان تكون المضمضة ـ وفي رواية الختان بدل اعفاء اللحية لم اجد هذه الرواية في الصحيحين ولا في كتاب الحميدي ولكن ذكرها صاحب الجامع وكذا الخطابي رض في معالم السنن عن ابي داؤد، برواية عمار بن ياسر رض (مشكوٰة)

حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ دس چیزیں فطرت میں داخل ہیں۔ مونچھیں کاٹنا۔ ڈاڑھی بڑھانا۔ مسواک کرنا۔ ناک میں پانی دینا۔ ناخن کاٹنا۔ جوڑوں کا دھونا۔ بغل کے بال اکھاڑنا۔ موئے زیرناف مونڈنا۔ استنجا کرنا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں دسویں چیز بھول گیا۔ مگر یاد پڑتا ہے کہ وہ کلی کرنا ہے۔ (مشکوٰۃ)

(۲) عن عبد اللہ بن حداد رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم السواك الفطرة۔

حضرت عبد اللہ بن حداد رض سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسواک کرنا فطرت ہے (اخرجہ ابونعیم)

ف فطرت کے معنی میں محدثین کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ فطرت کا مطلب یہ ہے کہ یہ دس چیزیں گذشتہ تمام انبیاؑ اور رسولوں کی سنت ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ فطرت سے مراد فطرت سلیمہ ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ یہ دس چیزیں انسان کی فطرت اور جِبِلَّتْ میں داخل ہیں۔ انسان ان کو طبعاً پسند کرتا ہے حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ ہر ملت اور ہر جماعت کے کچھ مخصوص شعائر اور ممتاز نشانات ہوتے ہیں جن کے ذریعہ ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حال محسوس و مشاہد ہوتا ہے۔ یہ دس چیزیں بھی مسلمانوں کی خاص علامات اور ملت حنفیہ کے تمام طائفوں اور جماعتوں میں عصراً بعد عصرٍ منقول ہوتی چلی آئی ہیں۔ اسی وجہ سے اُن کو فطرت کہا گیا ہے۔

انبیاؑ کی سنت (۳) عن ابی ایوبؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع من سنن المرسلین الختان والعطر والسواک والنکاح۔

حضرت ابو ایوبؓ سے روایت ہے کہ چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں۔ ختنہ کرنا۔ عطر لگانا۔ مسواک کرنا۔ نکاح کرنا۔

(۴) عن ابی الدرداءؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلث من اخلاق المرسلین تعجیل الفطر وتاخیر السحور والسواک۔ اخرجہ الطبرانی فی معجمہ وابن ابی شیبہ فی مصنفہ مرفوعا والدارقطنی

حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین چیزیں رسولوں کی عادات میں سے ہیں۔ جلدی افطار کرنا۔ سحری

لہ تفصیل فی الخازن والنیل وغیرہما۔ ۱۲

رواہ فی الافراد من حدیث حذیفۃ مرفوعا ونحوحدیث ابی الدرداء (بنایہ)

کھانے میں دیر کرنا اور مسواک کرنا۔

ف معلوم ہوا مسواک میں جہاں اور بہت سی خوبیاں ہیں۔ وہاں سب سے بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ اور ان کی عادات میں سے ہے۔ جو لوگ مسواک استعمال کرتے ہیں وہ بڑے خوش قسمت ہیں کہ مسواک کے اور منافع کے ساتھ ساتھ انبیاء کرام کی اس سنت کا بھی ثواب حاصل کرتے ہیں اور جو لوگ اپنی سستی اور غفلت ہونے کی وجہ سے مسواک نہیں کرتے وہ بڑے ہی نقصان اور ٹوٹے میں ہیں۔ کہ اور منافع کے ہمراہ انبیاء کی اس سنت عظمیٰ کے ثواب سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ علامہ ابن اسمٰعیلؒ فرماتے ہیں کہ مجھے تعجب ہے ان لوگوں پر جو مسواک جیسی اہم سنت کو ترک کرتے ہیں۔ جس کے بارے میں بہت سی احادیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں جن میں اس کے فضائل کو بیان کیا گیا ہے۔ یاد رکھو مسواک چھوڑنا بڑا خسارہ ہے۔

عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بالسواک فانھا مطیبۃ للفم مرضاۃ للرب رواہ احمد ورواہ البخاری تعلیقاً فی کتاب الصیام من حدیث عائشۃؓ والنسائی وابن خزیمۃ موصولاً الان

حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسواک کا استعمال اپنے لیے لازم کر لو۔ کیونکہ اس میں منہ کی پاکیزگی اور

لہ ویُری الحیاء بالحاء المہملۃ والیاء التحتانیۃ یعنی مایقتضی الحیاء فی الدین لا الحیاء الجمل۔ فی روایت بعضہم الختان بالخاء المہملۃ والتشدید النون وہذہ الروایۃ غیر صحیحۃ و لعلہا تصحیف والتشدید لانہ یحرم علی الرجل خضاب الید والرجل تشبیہا بالنساء طیبی مختصراً۔ ۱۲

فیہ مطھرۃ بدل قولہ مطیبۃ۔ حق تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔

ف مطلب یہ ہے کہ مسواک کرنے سے منہ صاف شفاف ہو جاتا ہے اور منہ کی گندہ ہوائیں دُور ہو جاتی ہیں اور اس سنت کی ادائیگی کے سبب حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ مسواک کو اپنے لیے لازم کرلو۔ اور ہمیشہ کرتے رہو۔ کیوں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے اور اس کی وجہ سے نماز کا ثواب ۹۹ گنا یا چار سو گنا بڑھ جاتا ہے۔

احتمالِ فرضیت

عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال تسوکوا فان السواک مطھرۃ للفم مرضاۃ للرب ما جاءنی جبریل الا اوصانی بالسواک حتی لقد خشیت ان یفرض علیّ وعلی امتی ولولا اخاف ان اشق علی امتی لفرضتہ علیھم وانی لا ستاک حتی خشیت ان احفی مقادم فمی۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسواک کیا کرو، کیونکہ مسواک میں منہ کی پاکی اور حق تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ جبریل علیہ السلام مجھے ہمیشہ مسواک کی وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے خوف ہُوا کہ کہیں مجھ پر اور میری امّت پر فرض نہ ہو جائے اگر مجھے اپنی امت پر دشواری کا خوف نہ ہوتا۔ تو میں اُن پر مسواک فرض کر دیتا۔ اور میں اس قدر کثرت سے مسواک کرتا ہوں کہ مجھے اپنے منہ کے اگلے حصے کے چھیل جانے کا خوف ہے۔

عن ابی ھریرۃؓ لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواک مع کل صلاۃ رواہ البخاری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم

والفظ لہ وسلم الا انہ قال عند کل صلوٰۃ والنسائی وابن ماجۃ وابن حبان فی صحیحہ الا انہ قال مع الوضوء عند کل صلاۃ ورواہ احمد بن خزیمۃ فی صحیحہ وعندھما لامرتھم بالسواک مع کل وضوء۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اگر مجھے اپنی امت کی مشقت اور دشواری کا خیال نہ ہوتا۔ تو میں اُن میں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک استعمال کرنے کا حکم دیتا۔

ف مطلب یہ ہے کہ چونکہ ہر نماز کے وقت مسواک کرنا مشقت اور دشواری سے خالی نہیں ہے، اس لیے مسواک کو امت پر فرض نہیں کیا گیا۔ اگرچہ اس کے فضائل اور منافع کا تقاضا یہی تھا کہ فرض ہوتی تاکہ امت کا ہر فرد ان فضائل و منافع کو حاصل کر سکتا۔ مگر حق تعالیٰ کی رحمت و شفقت کہ اپنے بندوں کی سہولت اور آسانی کے پیش نظر اس کو فرض نہیں کیا تاکہ مسواک نہ کرنے والا گنہگار نہ ہو۔ لیکن ساتھ ہی اس کی ترغیب بھی دی اور اس کو سنت قرار دیا۔ تاکہ اس کے فضائل اور منافع سے محرومی بھی نہ ہو۔

وصیتِ جبریلؑ عن ام سلمۃ رضی قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما زال جبریل یوصینی بالسواک حتی خفت علی اضراسی رواہ الطبرانی باسناد وفیہ لین والبیہقی وابن ماجہ من حدیث ابی امامۃ رضی

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبریل علیہ السلام مجھے ہمیشہ مسواک کی وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے اپنی داڑھوں کے گر جانے کا خوف ہوگیا۔

احتمالِ وحی عن ابن عباس رضی

حضرت ابن عباس رضی اللہ

اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لقد امرت بالسواک حتی ظننت ان ینزل فی قرآن او وحی۔ (ابو یعلی)

عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے (اتنی کثرت سے) مسواک کرنے کا حکم کیا گیا کہ مجھے اس کے بارے میں وحی آنے کا خیال ہونے لگا۔ یعنی میں نے سمجھا کہ قرآن میں اس کا حکم نازل ہو گا۔

ف جبریل علیہ السلام کا بار بار اس کی وصیت و تاکید کرنا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے بارے میں قرآن یا وحی کا گمان کرنا۔ مسواک کی کثرت سے اپنی ڈاڑھوں کے گر جانے کا خوف فرمانا۔ یہ سب امور مسواک کی اہمیت و تاکید کو بخوبی ثابت کر رہے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مسواک کا استعمال نہایت ضروری ہے۔

زنا سے حفاظت

اغسلوا ثیابکم وخذوا من شعورکم واستاکوا وتزینوا فان بنی اسرائیل لم یکونوا یفعلون ذالک فزنت نساؤھم جامع صغیرا و فی السراج واسنادہ ضعیف۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم اپنے کپڑوں کو دھوؤ اور اپنے بالوں کی اصلاح کرو اور مسواک کر کے زینت اور پاکی حاصل کرو۔ کیوں کہ بنی اسرائیل ان چیزوں کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔ اسی لیے ان کی عورتوں نے کثرت سے زنا کیا۔

ف مطلب یہ ہے کہ پاک وصاف رہو اور جائز زینت اختیار کرو۔ مسواک بھی استعمال کرو۔ تاکہ منہ میں بدبو وغیرہ پیدا نہ ہو اور اپنی شکل کو بدزینت نہ ہونے دو۔ کہ اس کی وجہ سے تمہاری عورتیں تم سے نفرت کرنے لگیں گی اور غیروں کی طرف مائل ہو جائیں گی اور زنا سے محفوظ نہ رہ سکیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ چونکہ بنی اسرائیل نے ان چیزوں کا اہتمام نہیں کیا۔ اس لیے اُن کی عورتیں کثرت کے ساتھ زنا میں مبتلا ہوئیں۔ سراج المنیر میں لکھا ہے کہ عورتوں کو بھی ان چیزوں کا اہتمام کرنا چاہیے

تاکہ مرد بھی دوسری عورتوں کی طرف مائل نہ ہوں۔ اور زنا سے بچ جائیں۔ معلوم ہوا کہ مسواک کے ذریعہ زنا سے حفاظت ہے۔

خواب میں مسواک۔ عن ابن عمرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ارانی فی المنام استوک بسواک فجاءنی رجلان احدھما اکبر من الآخر فناولت السواک الاصغر منھما فقیل لی کبر فدفعتہ الی الاکبر منھما۔ متفق علیہ۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ایک بار خواب میں دیکھا کہ میں مسواک کر رہا ہوں اور دو آدمی میرے پاس آئے جن میں سے ایک چھوٹا تھا اور دوسرا بڑا جب میں نے ان میں سے چھوٹے کو (استعمال کے لیے) مسواک دی تو مجھ سے کہا گیا کہ بڑے کو دیجئے (وہ بڑا ہونے کی وجہ سے مقدم ہے) چنانچہ میں نے وہ مسواک اُن میں سے بڑے کو دے دی۔

ف ۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر چونکہ مسواک کی اہمیت اور اس کی تاکید ظاہر کرنی مقصود تھی۔ اس لیے حق تعالیٰ شانہٗ نے اولاً بیداری میں مسواک کے استعمال کا حکم دیا اور پھر چونکہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔ اس لیے خواب میں بھی آپ سے مسواک کا استعمال کرایا گیا۔ اور گویا ہر طریقہ سے اس کا تاکید ظاہر کیا گیا۔
۲۔ اس حدیث سے یہ واقعہ خواب کا معلوم ہوتا ہے۔ مگر ابو داؤد شریف اور بعض دوسری کتابوں سے بیداری کا واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ بظاہر دونوں میں تعارض ہے علمائے اس تعارض کو دُور کرتے ہوئے کہا ہے کہ پہلے خواب کا واقعہ پیش آیا۔ اور پھر بیداری کا اور جب بیداری کا قصہ پیش آیا تو آپ نے خواب کے واقعہ کی بھی خبر دی۔ گویا دونوں الگ الگ قصے ہیں۔ ۳۔ حدیث بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے کی استعمال کی ہوئی مسواک اپنے استعمال میں لانا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس کی اجازت ہو

لیکن سنت یہ ہے کہ اس کو دھو کر استعمال کیا جائے۔

حضرت ابراہیمؑ کا امتحان

عن طاؤس عن ابن عباسؓ فی قولہ تعالیٰ واذا ابتلیٰ ابراھیم ربُّہٗ بکلمات فاتمھن قال ابتلاہ بطھارۃ خمس فی الرأس وخمس فی الجسد فاما التی فی الرأس فقص الشارب والمضمضۃ و الاستنشاق والسواک وفرق رأس اما فی الجسد فتقیم الاظفار والختان ونتف الابط وحلق العانۃ والاستنجاء بالماء۔ (تنبیہ الغافلین للسمرقندی)[1]

حضرت طاؤسؒ نے وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرَاہِیْمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کا طہارت و پاکیزگی میں امتحان لیا۔ چنانچہ پانچ طہارتیں سر میں اور پانچ علاوہ سر کے اور بدن میں مقرر فرمائی۔ سر کی طہارتیں یہ تھیں مونچھیں کاٹنا۔ کلی کرنا۔ ناک میں پانی دینا۔ مسواک کرنا۔ سر میں (اگر بال ہوں) مانگ نکالنا۔ اور بدن کی طہارتیں یہ تھیں۔ ناخن کاٹنا۔ ختنہ کرنا۔ بغل کے بال اکھاڑنا۔ موئے زیر ناف مونڈنا پانی سے استنجا کرنا۔

ف اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جن چیزوں کے ذریعے امتحان لیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک مسواک بھی ہے۔ اس سے اس کی اہمیت اور فضیلت اور اس کا سنّتِ ابراہیمی ہونا صاف طور پر ظاہر ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس امتحان میں پورے طور پر کامیابی حاصل کرنا اور مسواک یا دیگر امور کا ترک نہ کرنا اس کے تاکد کو اور بھی تقویت پہنچا رہا ہے۔

---

[1] رواہ الحاکم والبیہقی کذا فی النیل ۱۲ منہ

حضورؐ پر مسواک کی فرضیت

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا انہ قال صلی اللہ علیہ وسلم ھذہ لکم سنۃ وعلی فریضۃ السواک والوتر وقیام اللیل و فی اسنادہ موسیٰ ابن عبدالرحمٰن الصنعانی وھو متروک۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ چیزیں یعنی مسواک۔ وتر۔ تہجد۔ تمہارے لیے سنت ہیں اور میرے لیے فرض ہیں۔

ف معلوم ہوا کہ مسواک عام امت کے حق میں سنّت ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض ہے۔ ابو داؤد شریف کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نماز کے لیے وضو کرنے کا حکم کیا گیا تھا۔ خواہ آپ باوضو ہوں یا بے وضو۔ لیکن جب آپ کو اس میں تکلیف ہوئی تو ہر نماز کے لیے مسواک کا حکم فرما دیا گیا۔ یعنی ہر نماز کے لیے مسواک فرض کردی گئی۔

بیداری کے بعد مسواک

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یرقد من اللیل ولا نہارا فیستیقظ الا تسوک قبل ان یتوضا۔ (ابوداؤد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی رات یا دن میں سو کر بیدار ہوتے تو وضو سے پہلے مسواک کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

ف معلوم ہوا کہ سو کر اٹھنے کے بعد بھی مسواک کرنی چاہیئے۔ کیوں کہ سونے کی حالت میں پیٹ سے بخارات اور گندہ ہوائیں منہ کی طرف چڑھ جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے منہ میں بدبو اور ذائقہ میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔

لہ قالہ ابن دقیق العید کما فی اللیل والتعلیق الصبیح۔ ۱۲ اطہر حسین۔

رات میں مسواک

عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یوضع لہ وضوءہ وسواکہ فاذا قام من اللیل تخلی ثم استاک۔ (ابوداؤد)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رات کو آپ کے پاس وضو کا پانی اور مسواک رکھی جاتی تھی جب آپ اٹھتے تو پہلے قضا حاجت کرتے پھر مسواک فرماتے۔

ف اسی طرح حضرت حذیفہؓ سے مرفوعاً منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کو سو کر اٹھتے تو مسواک فرماتے تھے۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں آپ کے لیے تین سُرخ برتن رکھتی تھی۔ ایک پانی کا برتن۔ جو وضو وغیرہ کے لیے تھا۔ دوسرا مسواک کے لیے۔ اور تیسرا برتن پانی پینے کے لیے۔ غرض کہ ان سب روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسواک کا بہت زیادہ اہتمام تھا۔ اسی لیے آپ رات کو بھی مسواک استعمال فرماتے۔ اور وضو کے پانی کے ہمراہ مسواک بھی باقاعدہ رکھی جاتی۔ تاکہ بروقت نہ ملنے کی وجہ سے فوت نہ ہو۔

گھر میں داخل ہوتے وقت مسواک

عن الشریح بن ہانیؒ قال قالت لعائشۃ رضی اللہ عنہا بای شیء کان یبدأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل بیتہ قالت بسواک۔ (رواہ مسلم)

حضرت شریح بن ہانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں داخل ہوتے تو سب سے پہلے کیا کام فرماتے تھے۔ تو فرمایا کہ مسواک۔

ف اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھر میں داخل ہوتے وقت بھی مسواک کرنا چاہیئے علامہ مناوی نے جامع صغیر کی شرح میں اس کی دو وجہ بیان کی ہیں۔ اوّل یہ کہ گھر

لہ نقلہ الشیخ عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ فی السعایہ۔ ۱۲

میں داخل ہوتے وقت چونکہ سلام کا حکم ہے۔ اور سلام اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور اللہ کا نام گندے منہ سے نہ لینا چاہیئے۔ اس لیے گھر میں داخل ہوتے وقت مسواک حکم دیا گیا۔ تاکہ اللہ کا نام پاکیزہ منہ سے لیا جائے۔ دوسرے اس لیے بھی ہو سکتا ہے کہ آدمی گھر میں داخل ہونے کے بعد اپنی بیوی کا بوسہ لے اور منہ کے گندہ اور بدبُودار ہونے کی وجہ سے اس کی بیوی کو تکلیف ہو۔ . . . یا اس سے نفرت ہو جائے۔ اس لیے گھر میں داخل ہونے سے پہلے مسواک کرنا بہتر ہے۔

تلاوت قرآن پاک کے لیے مسواک

عن علی رضی اللہ عنہ ان افواھکم طرق القرآن فطھروھا بالسواک رواہ ابونعیم مرفوعًا وابن ماجہ موقوفا

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں تمہارے منہ قرآن کے راستے ہیں۔ اسلیئے اُنکو مسواک کے ذریعے خوب صاف کرو۔

ف مطلب یہ ہے کہ منہ سے چونکہ قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اس لیے اس کو مسواک سے صاف کرنا چاہیئے۔ خاص طور پر قرآن پاک تلاوت کرتے وقت کہ فقہاء نے اس کو مستحب لکھا ہے۔ اس کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ جب مسواک کر کے نماز پڑھتا ہے تو ایک فرشتہ اس کے پیچھے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور اپنا منہ اس کے منہ میں رکھ دیتا ہے۔ پس جو کلمہ اس کے منہ سے نکلتا ہے۔ وہ فرشتے کے منہ میں واقع ہو جاتا ہے۔ اس لیے اپنے منہ کو قرآن کے لیے پاک کر لیا کرو۔

شرکت مجلس سے پہلے مسواک

عن العامری کانوا یدخلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال تدخلون علی قطعا استاکوا رواہ البزار

حضرت عامریؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتے تھے۔ آپ نے فرمایا تم میرے پاس آتے ہو۔

رواہ الطبرانی والبغوی وابن حبان۔

اور تمہارے دانت زرد ہوتے ہیں۔ آپ نے پہلے مسواک کر لیا کرو۔

ف معلوم ہوا کہ جب کسی مجلس میں شریک ہونا ہو تو مسواک کر لینی چاہیئے۔ تاکہ منہ میں صفائی اور پاکیزگی پیدا ہو۔ لہٰذا اوقات مسواک نہ کرنے سے منہ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ اور دانتوں پر میل کچیل کی وجہ سے زردی آجاتی ہے۔ جس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے اور گھن آتی ہے۔

موت سے پہلے مسواک

عن عائشۃؓ قالت ان من نعم اللہ علیّ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توفی بیتی ویومی وبین سحری ونحری وان اللہ جمع بین ریقی وریقہ عند موتہ دخل عبدالرحمٰن بن ابی بکر وبیدہ سواک وانا مسندۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرأیتہ ینظر الیہ وعرفت انہ یحب السواک فقلت آخذہ لک فاشار برأسہ ان نعم فتناولتہ فاشتد علیہ وقلت أُلَیِّنُہٗ فاشار برأسہ ان نعم فلینتہ فامرہ وبین یدیہ فی الماء فیمسح بہما وجہہ ویقول لا الٰہ الا اللہ ان للموت سکرات ثم نصب یدیہ فجعل

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے لیے اللہ کے انعامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات میرے گھر میں میری باری کے دن میری ہنسلی اور سینہ کے درمیان ہوئی اور یہ بھی اس کا انعام ہے کہ آپ کے مبارک تھوک کو میرے تھوک کے ساتھ آپ کی وفات سے پہلے اکٹھا کر دیا اور وہ اس طرح کہ میرے پاس عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ آئے اور ان کے ہاتھ میں ایک مسواک تھی۔ میں حضورؐ کو سہارا دے رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ آپ ان کی مسواک کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ آپؐ

یقول اللھم فی الرفیق الاعلیٰ - مسواک پسند فرماتے ہیں۔ اس لیے میں
حتی قبض د نے دریافت کیا کہ آپ کے لیے،
مسواک لوں۔ آپ نے سر کے اشارے سے فرمایا۔ ہاں۔ چنانچہ میں نے عبد الرحمٰنؓ سے
مسواک لے کر آپؐ کو دی۔ آپؐ نے استعمال کرنا چاہا لیکن مسواک سخت تھی۔ اس لیے
آپؐ استعمال نہ کر سکے۔ میں نے کہا کہ نرم کردوں۔ آپ نے سر کے اشارے سے فرمایا۔
ہاں۔ چنانچہ میں نے (دانتوں سے چبا کر) نرم کر کے حضورؐ کو دی۔ آپؐ نے اس کو اپنے
دانتوں پر پھیرنا شروع کیا۔ آپؐ کے سامنے ایک برتن تھا جس میں پانی تھا۔ آپؐ اپنے
دونوں ہاتھ پانی میں ڈالتے اور چہرۂ انور پر پھیر لیتے۔ اور فرماتے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ
بے شک موت کے لیے سختیاں ہیں۔ پھر بطور دُعا کے ہاتھ اٹھائے اور کہنا شروع کیا
اے اللہ! مجھے رفیق اعلیٰ (انبیاءؑ) میں شامل کر اور اسی طرح کہتے رہے۔ یہاں تک کہ
آپؐ کی روح قبض کی گئی اور آپؐ کے دونوں ہاتھ نیچے گر پڑے۔

ف معلوم ہوا کہ مرنے سے پہلے مسواک کرنا۔ طہارت و نظافت حاصل کرنا مستحب ہے۔ اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ جس شخص کو اپنی موت کا علم ہو جائے۔ اس کو موئے زیر ناف وغیرہ کا صاف کرنا مستحب ہے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں ہے کہ جب کفار نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا تو آپ نے اُسترہ لے کر بال وغیرہ صاف کیے۔ اس کا منشا بھی یہی ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مرنے کے بعد چونکہ حق تعالیٰ کی خدمت میں حاضری ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نظافت اور پاکیزگی کو پسند فرماتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ ان اللہ نظیف یحب النظافۃ۔ اس لیے مرنے سے پہلے مسواک اور جو امور بھی صفائی کے ہیں۔ اختیار کرنے چاہئیں۔

جمعہ کے دن مسواک | عن ابن السباق حضرت ابن سباقؒ فرماتے ہیں کہ
ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار جمعہ کے دن حضور اکرم صلی اللہ

قال فی جمعۃ من الجمع یمعشر المسلمین ھذا یوم جعلہ اللّٰہ تعالیٰ عیدًا للمسلمین فاغتسلوا من کان عندہ طیب فلا یضرہ ان یمس منہ وعلیکم بالسواک۔ (موطا امام محمد)

علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے اس دن کو تمہارے لیے عید بنایا ہے۔ اس لیے غسل بھی کرو۔ اور اگر خوشبو ہو تو خوشبو بھی لگاؤ اور جمعہ کے دن تم پر مسواک کرنا ضروری ہے۔

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال من اغتسل یوم الجمعۃ واستن ومس طیبا ان کان عندہ ولبس من احسن ثیابہ ثم خرج حتی یاتی المسجد فلم یتخط رقاب الناس ثم رکع ماشاء اللّٰہ ان یرکع وانصت اذا خرج الامام کان کفارۃ لما بینھا وبین الجمعۃ التی قبلھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے جمعہ کے دن غسل کیا اور مسواک کی اور خوشبو لگائی۔ اور عمدہ کپڑے پہنے۔ پھر وُہ مسجد میں آیا۔ اور لوگوں کی گردنوں پر سے نہیں اُترا۔ بلکہ نماز پڑھی اور امام کے آنے کے بعد خاموش رہا تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کے ان تمام گناہوں کو جو اس پُورے ہفتہ میں ہوئے تھے۔ معاف فرمادیتے ہیں۔

ف پہلی حدیث میں جمعہ کے دن کے لیے تین اہم اَدب ارشاد فرمائے ہیں۔ اوّل غسل کرنا۔ دوسرے خوشبو لگانا۔ تیسرے مسواک کرنا۔ اسی طرح دوسری حدیث میں بھی جمعہ کے آداب کا ذکر ہے۔ اس میں بھی مسواک کو بیان کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن مسواک کرنا خاص طور پر باعثِ فضیلت ہے۔ اس لیے اس کا اہتمام نہایت ضروری ہے۔ زاد المعاد میں لکھا ہے کہ جمعہ اور عیدین میں چونکہ خاص اجتماع ہوتا ہے،

اس لیے اور ایام کی نسبت ان دنوں میں خصوصیت سے مسواک کا اہتمام کرنا چاہیے۔ نیز اس دوسری حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسواک کو گناہوں کی بخشش میں بھی دخل ہے۔

سفر اور اہتمام مسواک

عن عائشة انها قالت كان اذا سافر حمل السواكؓ[له] والقارورة والمشط والمكحلة والمرأة رواه العقيلي وابو نعيم واعله ابن الجوزي۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر فرماتے تو اپنے ساتھ مسواک۔ پیشاب دانی۔ کنگھا۔ سرمہ دانی اور آئینہ بھی ساتھ لے جاتے تھے۔

ف معلوم ہوا کہ آپؐ کو مسواک کا بہت زیادہ اہتمام تھا۔ اسی لیے آپؐ سفر میں بھی اپنے ہمراہ لے جاتے تھے۔ اور باوجود سفر کی مشقتوں کے اس کو ترک نہ فرماتے۔ بلکہ حضر کی طرح سفر میں بھی آپؐ اس کا اہتمام فرماتے تھے۔

مسواک کا ساتھ رکھنا

عن جابرؓ كان السواك من اذن رسول الله صلى الله عليه وسلم موضع القلم اذن الكاتب وفي اسناده يحيى بن اليمان وقد تفرد به عن خالد الجهني مرفوعا لولا ان اشق على

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کو اپنے کان میں اس جگہ رکھتے تھے۔ جہاں پر کاتب قلم کو رکھتا ہے۔

ف مطلب یہ ہے کہ آپ ہر وقت مسواک اپنے ساتھ رکھتے تھے اور مقصود

[له] وفي رواية المدرى كما في الاحياء وهو بكسر الميم بالمهملة من خشب او حديد على شكل سن من اسنان المشط واطول منه. يسرح به الشعر المتلبد كما في النهاية وكل طرق هذه الرواية ضعيفة۔ كذا في السعاية۔ ١٢

امتی لامرتھم بالسواک عند کل صلاۃ قال ابو سلمۃ فرأیت زیداً یجلس فی المسجد وان السواک من اذنہ موضع القلم من اذن الکاتب وکلما قام الی الصلوٰۃ استاک

اس کا یہ تھا کہ معمول نہ ہو۔ جب بھی ضرورت ہو مسواک کی جا سکے۔ عام طور پر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی کانوں پر مسواک رکھنے کا معمول تھا چنانچہ ترمذی نے ابو سلمہؓ سے حضرت زیدؓ کا یہی معمول نقل کیا ہے اور بعض صحابہؓ عمامہ کے پیچ میں بھی مسواک رکھتے تھے۔ جیسا کہ شامی وغیرہ میں مذکور ہے۔

نماز میں زیادتی کا ثواب

عن ابن عمرؓ مرفوعاً صلاۃ علی اثر سواک تفضل من خمس وسبعین صلاۃ بغیر سواک (رواہ ابو نعیم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو نماز مسواک کرنے کے بعد پڑھی جائے۔ وہ بغیر مسواک کے پچھتر نمازوں سے بہتر ہے۔

عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لان اصلی رکعتین احب الیّ من ان اصلی سبعین رکعۃ بغیر سواک رواہ ابو نعیم۔ فی کتاب السواک باسناد جیّد۔

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے نزدیک دو رکعت مسواک کر کے پڑھنا بغیر مسواک کی ستر رکعتوں سے زیادہ محبوب ہے۔

عن جابرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکعتان بالسواک افضل من سبعین رکعۃ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو رکعت مسواک کر کے پڑھنا بغیر مسواک

لہ قال العراقی فی المغنی۔ اسنادہ ضعیف ۱۲

بغیر مسواک۔ رواہ ابو نعیم ایضا باسناد حسن. کی ستر رکعتوں سے افضل ہے۔

عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تفضل الصلاۃ التی یستاک لھا علی الصلاۃ التی لا یستاک لھا سبعین ضعفا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتی ہیں کہ مسواک کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت بغیر مسواک کے نماز پر ستر گنا زائد ہے۔ (مشکوٰۃ و ترغیب و ترہیب)

ف ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسواک کر کے نماز پڑھنے سے نماز کا اجر و ثواب بڑھ جاتا ہے۔ لیکن روایات مختلف ہیں۔ بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ستر گنا ثواب بڑھ جاتا ہے اور یہی مشہور ہے۔ امام احمدؒ نے بھی اس کو ذکر کیا ہے۔ قشیریؒ نے حضرت ابو الدرداءؓ سے بلاسند کے ایک روایت نقل کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ستر گنا ثواب زیادہ ہو جاتا ہے۔ طحطاوی نے مراقی الفلاح کے حاشیہ میں حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ عطاءؒ سے نقل کیا ہے کہ ننانوے گنا یا چار سو گنا ثواب بڑھ جاتا ہے علماء لکھتے ہیں کہ تفاوت اخلاص کے لحاظ سے ہے۔ یعنی جس قدر اخلاص ہوگا۔ اسی قدر اجر و ثواب میں بھی اضافہ ہوگا۔ پس کبھی ستر گنا اور کبھی ننانوے اور چار سو گنا، ہر شخص کے اخلاص کے مطابق ثواب میں اضافہ ہوتا رہے گا۔[1]

مسواک صحابہ کرامؓ کی نظر میں

نصف ایمان عن حسان بن　　　　حضرت حسان بن عطیہؓ سے منقول ہے

---

[1] ھذا احد الاجوبۃ التی دفعوا بھا التعارض فی الاحادیث وقیل ان التنصیص بالعدد المخصوص لا یستلزم النفی عما عداہ فلا تعارض ۱۲ اظہر حسین عفرلہ۔

عطية السواك نصف الايمان والوضوء نصف الايمان۔ (شرح احیاء)

فرماتے ہیں کہ مسواک کرنا نصف ایمان ہے اور وضو بھی نصف ایمان ہے۔

مسواک پر مداومت

عليكم بالسواك فلا تغفلوا عنه وادیموه فان فيه رضى الرحمٰن وتضاعف صلاته الى تسعة وتسعين ضعفا او الى اربعمأته ضعف نقله عن علىؓ و ابن عباسؓ وعطاءؒ۔

حضرت علیؓ و ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مسواک کو لازم کرلو۔ اس میں کوتاہی نہ کرو اور اس کو ہمیشہ کرتے رہو۔ کیونکہ اس میں حق تعالیٰ کی رضا ہے اور اس سے نماز کا ثواب ۹۹ یا چار سو گنا زیادہ ہوجاتا ہے۔

مسواک اور فصاحت

عن ابى هريرةؓ السواك يزيد الرجل فصاحة اخرجه ابن عدى والعقيلى والخطيب فى الجامع

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسواک انسان کی فصاحت میں اضافہ کرتی ہے۔

مسواک سے حافظہ میں اضافہ

عن على رضى الله عنه قال السواك يزيد فى الحفظ ويذهب البلغم۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ مسواک (قوت) حافظہ کو بڑھاتی ہے۔ اور بلغم کو دور کرتی ہے۔

مسواک اور شفا

عن عائشة رضى الله عنها السواك شفاء من كل داء الا السام اخرجه الديلمى فى الفردوس۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا گیا ہے فرماتی ہیں کہ مسواک موت کے سوا ہر مرض سے شفا ہے۔

فرشتوں کا مصافحہ

عن ابى الدرداءؓ قال عليكم بالسواك فلا تغفلوه فان فى السواك اربع وعشرين خصلة افضلها انه يرضى الرحمٰن و

حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ مسواک کو لازم کرلو۔ اس میں غفلت نہ کرو۔ کیونکہ مسواک میں چوبیس خوبیاں ہیں۔ ان میں سب سے بڑی خوبی

يضاعف صلاته سبعة وسبعين ضعفا ويورث السعة والغنى ويطيب النكهة ويشد اللثة ويسكن الصداع ويذهب وجع الضرس وتصافحه الملائكة لنور وجهه وتبرق اسنانه ذكره القشيريؒ بلا اسناد قاله العيني۔

یہ ہے کہ اللہ راضی ہو جاتا ہے مالداری اور کشادگی پیدا ہوتی ہے منہ میں خوشبو پیدا ہو جاتی ہے۔ مسوڑھے مضبوط ہو جاتے ہیں۔ دردِ سر کو سکون ہوتا ہے۔ ڈاڑھ کا درد دُور ہو جاتا ہے اور چہرے کے نُور اور دانتوں کی چمک کی وجہ سے فرشتے مصافحہ کرتے ہیں۔

دس خصلتیں

روی عن ابن عباسؓ فيه عشر خصال يذهب الحفر ويجلو البصر ويشد اللثة ويطيب الفم وتفرح له الملائكة ويرضى الرب وتوافق السنة ويزيد في حسنات الصلاة وتصحيح الجسم كذا في النزهة والقسطلاني ونقله ابن العربي في شرحه للترمذي وقال واسنده الدارقطني۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مسواک میں دس خصلتیں ہیں (دانتوں کی) سبزی دُور کرتی ہے۔ بینائی کو تیز اور مسوڑھے کو مضبوط بناتی ہے منہ کو صاف کرتی ہے۔ ملائکہ خوش ہوتے ہیں۔ اللہ کی رضا۔ سنت کا اتباع نماز کے ثواب میں اضافہ جسم کی تندرستی۔ یہ سب اُمور حاصل ہوتے ہیں۔

مسواک کی اہمیّت عُلمائے کے نزدیک

حضرت شبلیؒ کا واقعہ

قال الشعراني في لواقح الانوار وقد بلغنا عن الشبلي انه احتاج الى سواك وقت الوضوء

لواقح الانوار میں علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت شبلیؒ کو وضو کے وقت مسواک کی ضرورت

فلم يجده فبذل فيه نحو دينار حتى تسوك به ولم يتركه في وضوء فاستكثر بعض الناس بذل ذالك المال في سواك فقال ان الدنيا كلها لا تساوى عند الله جناح بعوضة فماذا يكون جوابي اذا قال لم تركت سنة نبي ولم تبذل في تحصيلها ما خصك الله به من جناح بعوضة فاعجزه و مضى وظنك يا اخي لو طلب منك صاحب السواك نصف واحد حتى يعطيه لك لتركت السواك وقدمت النصف وانت مع ذالك تزعم انك من اولياء الله ومن المقربين عند رسول الله صلى الله عليه وسلم والله انها دعوى لا برهان لها

ہوئی۔ آپ نے مسواک تلاش کی مگر نہ ملی پھر آپ نے ایک دینار میں مسواک خرید کر استعمال کی اور اس کو ترک نہ کیا بعض لوگوں نے (حضرت شبلیؒ کے) اس دینار خرچ کرنے کو زیادتی پر محمول کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ دنیا اور اس کی تمام چیزیں اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی ہیں۔ اس وقت کیا جواب دوں گا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے دریافت فرمائے گا کہ تو نے میرے نبی کی سنت (مسواک) کو کیوں ترک کیا۔ جو مال و دولت میں نے تجھ کو دیا تھا (جس کی حقیقت میرے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ تھی) اس کو اس سنت (مسواک) کے حاصل کرنے میں کیوں خرچ نہیں کیا۔ اے میرے بھائی میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر تجھ سے کوئی مسواک والا آدھا دینار بھی مسواک کی قیمت مانگے تو ہرگز نہ دے گا اور مسواک چھوڑ دے گا۔ مگر اس عمل کے باوجود تو اپنے آپ کو اولیاء اللہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقربین سے شمار کرتا ہے۔ خدا کی قسم یہ ایک دعویٰ ہے۔ جس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

شوکانیؒ کی تصریح - قال الشوکانی فی نیل الاوطار وھی امر من امور الشریعۃ ظھر ظھور النھار وتقبلہ من سکان بسیطۃ اھل الانجاد والاغوار۔

نیل الاوطار میں شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ مسواک احکامِ شرعیہ میں ایک واضح حکم ہے جو روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے جس کو اونچے اور نیچے مقام کے رہنے والوں نے یعنی تمام اہلِ ارض نے قبول کیا ہے

علامہ شعرانیؒ کا عہد - قال الشعرانی لواقح الانوار اخذ علینا العھد العام من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یواظب علی السواک عند کل وضوء وان کان مما یقع کثیرا ربطناہ فی خیط فی عنقنا او عمامتنا ان کانت علی عرقیۃ من غیر قلنسوۃ وان کانت علی قلنسوۃ وشددنا علیھا العمامۃ وشققناہ فی العمامۃ من جھۃ الاذن الیسریٰ وھٰذا العھد قد تقصر فیہ غالب العوام من التجارۃ والولاۃ وحاشیتھم فتصیر روائح افواھھم منتنۃ قذرۃ وذالک لہ خلل بتعظیم اللہ وملائکتہ وصالح المؤمنین فضلا عن

علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ایک عام عہد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ لیا گیا ہے کہ ہم ہر وضو کے وقت ہمیشہ مسواک کیا کریں اور اگر ہم سے مسواک اکثر کھو جاتی ہو تو دھاگے میں باندھ کر اپنی گردن میں یا اپنی پگڑی میں۔ اگر پگڑی عرقیہ پر باندھی ہو لٹکالیں اور اگر قلنسوہ پر باندھی ہو تو بائیں کان کی جانب پگڑی میں لگالیں اور یہ ایک ایسا عہد ہے جس میں عام طور پر تجار، رؤسا، خدام۔ سب ہی کوتاہی کرتے ہیں چنانچہ ان کے منہ کی بو گندہ اور پلید ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اللہ اور فرشتوں اور نیک مؤمنین کی تعظیم میں خلل واقع ہوتا ہے۔ میں نے سید محمد بن عنان اور سید شہاب الدین

الملائکۃ، والصالحین وما رأیت اکثر مواظبت ولاحرصا علی السواک من سیدی محمد بن عفان وسیدی شہاب الدین وکل ذالک من قوۃ الایمان وتعظیم امر الله وامر رسوله ولاسیما وقد اکد النبی صلی الله علیه وسلم فی ذالک ولم یکتفه بمجرد الامر به مرۃ واحدۃ فلازم یا اخی علی السنۃ المحمدیه لتجتنی ثمرۃ ثوابها فی الاخرۃ فان لکل سنۃ سنها علیه السلام درجۃ فی الجنۃ لاتنال الا بفعل تلك السنۃ ومن قال من المتهورین هذه سنۃ یجوز ترکها یقال له یوم القیٰمۃ وهذه درجۃ یجوز حرمانك فیها اصرح بذالك ابو القاسم ابن قسی فی کتابه المسمیٰ بخلع النعلین۔

(لواقح)

سے زیادہ مسواک پر ہمیشگی کرنے والا اور مسواک پر سب سے زیادہ حریص کسی کو نہیں پایا۔ یہ سب قوت ایمان اور اللہ ورسول کے احکامات کی تعظیم کرنے کا نتیجہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک کی بہت تاکید فرمائی ہے۔ ایک بار حکم کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا۔ اس لیے اے بھائی مسواک کو لازم کرلے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر ثابت قدم رہ تاکہ تجھ کو اس سنت کا ثواب حاصل ہو جائے کیونکہ ہر سنت کا ایک مخصوص درجہ ہے جو اس سنت کو اپنائے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ جو جرأت کرنے والے لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ سنت ہے اس کا ترک کرنا جائز ہے۔ ان سے قیامت میں کہا جائے گا کہ یہ جنت کا ایک درجہ ہے۔ تجھ کو اس درجہ سے محروم کرنا بھی جائز ہے۔ ابوالقاسم ابن قسی نے اپنی کتاب خلع النعلین میں اس کی صاف طور پر تصریح کی ہے۔

علامہ عینیؒ کا ارشاد

قال العینی فی البنایۃ قال ابو عمرو فضل السواک مجمع علیہ لا اختلاف فیہ الصلوٰۃ عند الجمیع افضل منہ بغیرھا حتی قال الاوزاعی ھو شطر الوضوء و قال فی شرح البخاری وفضائلہ کثیرۃ وقد ذکرنا فی شرحنا لمعانی الآثار للطحاوی ما ورد فیہ عن اکثر من خمسین صحابیا۔

بنایۃ میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ ابوعمر نے کہا ہے مسواک کی فضیلت پر سب کا اتفاق ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اور سب کے نزدیک مسواک کر کے نماز پڑھنا بلا مسواک کی نماز سے افضل ہے۔ بلکہ اوزاعیؒ نے تو مسواک کو آدھا وضو قرار دیا ہے اور بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں کہ مسواک کے بے شمار فضائل ہیں میں نے معانی الآثار کی شرح میں پچاس سے زائد صحابہؓ سے اس کے فضائل کو نقل کیا ہے۔

شیخ محمد مرحوم کی تحریر

قال محمد قد ذکر فی السواک زیادۃ علی مائۃ حدیث الکثیرۃ لم یعملھا کثیر من الناس بل کثیر من الفقہاء فھذہ خیبۃ عظیمۃ (رسل طہ)

شیخ محمد فرماتے ہیں کہ مسواک کے فضائل میں ایک سو سے زائد احادیث منقول ہیں۔ پس تعجب ہے ان لوگوں پر اور ان فقہاء پر جو اس سنت (مسواک) کو باوجود احادیث کے کثرت کے ساتھ منقول ہونے کے ترک کرتے ہیں۔ یہ بڑا خسارہ ہے۔

مسواک کے آداب

مسواک اگرچہ سنت ہے۔ فرض یا واجب نہیں مگر اس کے باوجود اس کے آداب و مستحبات

کی رعایت نہایت ضروری ہے۔ اس میں تغافل و تکاسل نقصان دہ ہے۔ علماء نے لکھا ہے۔

من تهاون بالآداب حرم السنن ومن تهاون بالسنن حرم الفرائض ومن تهاون بالفرائض حرم الآخرة كذا في تعليم المتعلم۔	جو شخص آداب کی ادائیگی میں تہاون کرتا ہے وہ سُنن سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اور جو شخص سنن کے ساتھ تہاون کرتا ہے وہ فرائض سے محروم کر دیا جاتا ہے اور جو شخص فرائض کے بارے میں تہاون کرتا ہے وہ آخرت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

بستان العارفین میں فقیہ ابو اللیثؒ فرماتے ہیں۔

ويقال مثل الاسلام مثل بلدة لها خمس من الحصون الاول من ذهب والثاني من فضة والثالث من حديد والرابع من اجر والخامس من لبن فمادام اهل الحصن يتعاهدون الحصن الذي من اللبن لايطمع فيهم العدد واذا تركو التعاهد خرب الحصن الذي من اللبن وطمع العدد في الثاني ثم في الثالث حتى خربت الحصون كلها فكذالك الاسلام في خمسة من الحصون اولها اليقين ثم الاخلاص ثم اداء	کہا جاتا ہے کہ اسلام کی مثال اس شہر کی طرح ہے جس میں پانچ قلعے ہوں۔ ایک سونے کا۔ دوسرا چاندی کا تیسرا لوہے کا۔ چوتھا پختہ اینٹ کا۔ پانچواں کچّی اینٹ کا۔ پس جب تک قلعے والے اس کچی اینٹ کے قلعہ کی حفاظت کرتے رہیں گے تو دشمن دوسرے قلعوں کے حاصل کرنے کی طمع نہ کرے گا اور اور جب وہ اس کی حفاظت نہ کریں گے تو یہ قلعہ خراب ہو جائے گا اور دشمن دوسرے قلعے کے حاصل کرنے کی طمع کرے گا اور پھر تیسرے کی۔

الفرائض ثم اتمام السنن ثم حفظ الآداب فما دام العبد تحفظ الآداب ویتعاھد ما فان الشیطان لا یطمع فیہ واذا ترک الآداب طمع الشیطان فی السنن ثم فی الفرائض ثم فی الاخلاص ثم فی الیقین فینبغی للانسان ان یحفظ الآداب فی جمیع امورہ من امر الوضوء والصلاۃ والشرائع کلھا البیع و الشراء۔

یہاں تک کہ سارے قلعے خراب ہو جائیں گے۔ اسی طرح اسلام کے بھی پانچ قلعے ہیں۔ ایک یقین۔ دوسرے اخلاص۔ تیسرے فرائض۔ چوتھے سُنن پانچواں آداب۔ پس جب تک انسان آداب کی حفاظت کرتا رہتا ہے۔ تو شیطان طمع نہیں کرتا۔ اور جب وہ آداب ترک کر دیتا ہے تو شیطان سنتوں سے بہکانے کی طمع کرتا ہے پھر اسی طرح فرائض سے۔ پھر اخلاص سے اور یقین سے ہٹانے کی طمع کرتا ہے۔ (اور دین برباد ہو جاتا ہے) اس لیے انسان کو تمام اُمور میں، وضو میں، نماز میں اور شریعت کے تمام کاموں میں، حتیٰ کہ خرید وفروخت میں آداب کی رعایت کرنی چاہیئے۔[1]

مشائخ نے ہمیشہ آداب وسُنن کا خاص طور پر اہتمام کیا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ رحمۃ اللہ علیہ نے محض ایک ادب کے چھوٹ جانے کی وجہ سے چالیس سال کی نماز قضا کیں۔ حضرت ابن سماعۃ سے نقل کیا گیا ہے۔[2] فرماتے ہیں کہ میں چالیس سال تک تکبیر اُولیٰ

---

[1] کذا فی المکتوبات لمجدد الالف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۔ [2] کذا فی الفوائد البہیۃ الشیخ عبدالحیؒ ۱۲۔

کا اہتمام کرتا رہا۔ کبھی تکبیرِ اولیٰ فوت نہ ہوئی۔ مگر جس روز میری والدہ کا انتقال ہوا۔ نہ جماعت ملی، نہ تکبیرِ اولیٰ مجھے اس کا بڑا قلق ہوا۔ چنانچہ میں نے جماعت اور تکبیرِ اولےٰ کی فضیلت حاصل کرنے کی غرض سے اس نماز کو پچیس بار دہرایا۔ مگر اس کے بعد بھی مجھے خواب میں بتایا گیا کہ جماعت کی فضیلت حاصل نہیں ہوئی۔

مسواک کے اوقات چونکہ مسواک صحیح واقوی قول کے مطابق سُنن[1] دین سے ہے۔ اس لیے اس کا استعمال ہر وقت مسنون ہے۔ علامہ نوویؒ نے بھی تمام اوقات میں مسواک کرنے کو مستحب لکھا ہے۔ نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

السواک سنة فاستاکوا ای وقت شئتم اخرجہ الدیلمی فی الفردوس۔ مسواک کرنا سنت ہے۔ پس جس وقت جی چاہے مسواک کرو۔ مگر بعض اوقات میں اس کا استحباب مؤکدہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً دانتوں کے زرد ہو جانے کے وقت حدیث و قرآن پڑھنے کے وقت، جماع سے قبل۔ مرنے سے پہلے۔ سونے اور بیدار ہو جانے کے وقت۔ خواہ بدبو خاموش رہنے کے سبب یا زیادہ بولنے یا کسی بدبودار چیز کھا لینے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو۔ بہر حال ان صورتوں میں مسواک کرنا مستحب ہے۔

وضو میں مسواک یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ عام فقہاء احنافؒ کے نزدیک وضو کی سنت ہے۔ اس لیے وضو میں استعمال کیا جائے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک نماز کی سنت ہے۔ اس لیے وہ نماز کے شروع میں مسواک کرنے کو مسنون کہتے ہیں۔ بعض فقہاء احنافؒ بھی نماز کے شروع میں مسواک کرنے کو مستحب کہتے ہیں۔ اس لیے اگر نماز کے شروع میں مسواک کی جائے تو اس کا خیال ضرور رکھا جائے کہ خون نہ نکلے۔ خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ لہٰذا مسواک آہستہ

---

[1] کذا قال العینی ناقلا عن ابی حنیفة وفیہ اقوال شتی۔ ۱۲

آہستہ کی جائے اور صرف دانتوں پر کی جائے، تاکہ خون نہ نکلے۔

وضو میں مسواک کا وقت بعض فقہا کہتے ہیں کہ کلی کے وقت کی جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ وضو کے شروع میں۔ دونوں قول راجح ہیں۔ ہر دو پر عمل کی گنجائش ہے بہتر یہ ہے کہ جس شخص کے دانتوں سے خون نکلتا ہو۔ اس کو وضو کے شروع میں اور جس کے خون نہ نکلتا ہو اس کو کلی کے وقت کرنا چاہیئے۔

مسواک کی لکڑی ہر قسم کی لکڑی سے مسواک کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ لکڑی نقصان دینے والی نہ ہو۔ جو زہریلی ہو، اس سے مسواک کرنا حرام ہے۔ انار۔ بانس۔ ریحان اور چنبیلی کی لکڑی سے مسواک کرنا مکروہ ہے۔ سب سے بہترین لکڑی مسواک کے لیے پیلو کی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعریف فرمائی ہے۔ اور خود آپ ﷺ نے اور صحابہؓ نے اسی کی مسواک استعمال فرمائی ہے۔ اس کے بعد زیتون کی لکڑی ہے کہ اس کی بھی حدیث شریف میں فضیلت آئی ہے۔ اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو پھر تلخ لکڑی سے مسواک کرنا مسنون ہے۔[1]

مسواک پکڑنے کا طریقہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ مسواک اس طرح پکڑنی چاہیئے۔ کن انگلی مسواک کے نیچے کی طرف اور انگوٹھا اُوپر کی جانب مسواک کے مُنہ کے نیچے اور باقی انگلیاں مسواک کے اوپر رہیں (شامی) مٹھی میں دبا کر مسواک نہ کی جائے۔ اس سے بواسیر پیدا ہوتی ہے۔[2] نیز مسواک داہنے ہاتھ سے کی جائے کہ یہ بھی مستحب ہے۔

مسواک کرنے کی کیفیت (۱) پہلے اُوپر کے جبڑے میں داہنی طرف۔ پھر اُوپر کی بائیں طرف۔ اس کے بعد نیچے کی داہنی طرف پھر بائیں جانب۔ (کبیری)

---

[1] کذا فی فتح القدیر وغیرہ ۱۲ [2] کذا فی القہستانی وشرح المنیہ ۱۲ [3] کذا فی المراقی۔

اور یہ مسواک نہ ہونے کی شکل میں ہے۔ اگر مسواک ہو تو پھر یہ حکم نہیں ہے۔

ادب: اگر انگلی سے مسواک کرنا ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ منہ کی دائیں جانب میں اوپر نیچے انگوٹھے سے صاف کرے۔ اور اسی طرح بائیں جانب میں شہادت کی انگلی سے۔ (شرح منیہ)

عورتوں کی مسواک
۱۔ جس طرح مسواک مردوں کے لیے سنت ہے۔ اسی طرح عورتوں کے لیے بھی سنت ہے۔ لیکن بعض فقہاء کہتے ہیں کہ عورتوں کے دانت چونکہ کمزور ہوتے ہیں اس لیے ان کے لیے علک یعنی مصطگی کا استعمال مسواک کے قائم مقام ہے ان کو مسواک کی بجائے علک استعمال کرنا چاہیئے۔ اس سے دانت صاف اور مسوڑے مضبوط ہو جاتے ہیں۔ اور مسواک کا ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔

۲۔ علک کے استعمال سے مسواک کا ثواب اُس وقت ہوگا۔ جب کہ مسواک کی نیت بھی کی جاوے۔ ورنہ نہیں۔ (طحطاوی)

مسواک کی دُعا
بنایہ میں درایہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسواک کرتے وقت یہ دُعا پڑھنی چاہیئے۔

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ فَمِيْ وَنَوِّرْ قَلْبِيْ وَطَهِّرْ بَدَنِيْ وَحَرِّمْ جَسَدِيْ عَلَى النَّارِ۔ اسی طرح علامہ نووی نے شرح مہذب میں ایک دوسری دُعا نقل کی ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ دُعا اگرچہ بے اصل ہے۔ لیکن اچھی دعا ہے۔ اس لیے اس کو پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ وہ دُعا یہ ہے۔

اللّٰھم بیض اسنانی وشد بہ لثاتی وثبت بہ لہاتی وبارک لی فیہ یا ارحم الراحمین۔

برش اور مسواک
برش اگر خنزیر کے بالوں کا ہے تو اس کا استعمال بالکل ناجائز ہے۔ اور اگر ریشوں کا ہے تو اس کا استعمال درست ہے۔ مگر اس سے بھی مسواک

کی فضیلت حاصل نہ ہوگی۔ ہاں اگر مسواک نہ ہونے کی شکل میں مسواک کی نیت سے استعمال کرے تو مسواک کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔

منجن کا استعمال | منجن کا استعمال جائز ہے۔ لیکن محض منجن پر اکتفا کر لینے سے مسواک کی فضیلت حاصل نہ ہوگی۔ اس لیے منجن کے ساتھ مسواک کا اہتمام بھی کرنا چاہیئے۔

چند مختلف آداب

ادب ۱:۔ مسواک کا منہ نہ زیادہ نرم ہو، نہ زیادہ سخت۔ درمیانی درجہ کا ہونا چاہیئے

ادب ۲:۔ مسواک کی لکڑی سیدھی ہونی چاہیئے۔ اس میں گرہ وغیرہ نہ ہو ہاں ایک آدھ گرہ ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔

ادب ۳:۔ مسواک کا کن انگلی کی برابر موٹا ہونا مستحب ہے۔

ادب ۴:۔ چت لیٹ کر مسواک کرنا مکروہ ہے۔ اس سے تلی بڑھ جاتی ہے۔

ادب ۵:۔ مسواک ابتداءً ایک بالشت[1] کی برابر ہونا چاہیئے۔ بعد میں اگر کم ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اگر ایک بالشت[2] سے زیادہ ہو تو شیطان اس پر سواری کرتا ہے

ادب ۶:۔ مسواک کھڑی کر کے رکھنی چاہیئے۔ زمین پر نہ ڈالی جائے۔ ورنہ جنون کا خطرہ ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص مسواک کو زمین پر رکھنے کی وجہ سے مجنون ہو جائے تو وہ اپنے نفس کے علاوہ کسی کو ملامت نہ کرے کہ یہ خود اس کی غلطی ہے۔

۱؎ قال القہستانی دلالۃ علی انہ یجوز ان یکون اقرب من الشبر کما صرح بہ فی کتب الشافعیۃ ۱۲
۲؎ کذا فی التحریر ۱۲ ۳؎ قال الحکیم الترمذی ۱۲ ۴؎ کذا فی الشامی ۵؎ کذا فی القہستانی وغیرہ ۱۲

اطہر حسین غفرلہٗ

ادب ۷:۔ اگر مسواک خشک ہو تو اس کو پانی سے نرم کرنا مستحب ہے۔

ادب ۸:۔ کم از کم تین مرتبہ مسواک کرنی چاہیئے اور ہر مرتبہ پانی میں بھگونی چاہیئے۔

ادب ۹:۔ وضو کے پانی میں مسواک داخل کرنا۔ اگر اس پر میل کچیل ہو مکروہ ہے۔

ادب ۱۰:۔ بیت الخلاء میں مسواک کرنا مکروہ ہے۔

ادب ۱۱:۔ مسواک دونوں طرف سے استعمال نہ کی جائے۔

ادب ۱۲:۔ مسجد میں مسواک کرنا جائز ہے۔ لیکن بذل المجہود میں لکھا ہے کہ مسواک کا استعمال مسجد میں مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ منہ کی گندگی دور کی جاتی ہے اور گندگی کے ازالہ کے لیے مسجد محل نہیں۔

فوائدِ مسواک

علماء نے مسواک کے بہت سے فائدے شمار کیے ہیں ابن حجرؒ نے منبہات میں مسواک کے بیس فائدے ذکر کیے ہیں۔ صاحب الفائق نے تیس سے کچھ اوپر منافع بتائے ہیں۔ جن میں سب سے ادنیٰ گندگی کا دور ہونا اور سب سے اعلیٰ موت کے وقت کلمہ یاد آنا ذکر کیا ہے۔

علامہ حصکفی نے در مختار میں لکھا ہے کہ مسواک موت کے وقت کلمہ شہادت یاد دلاتی ہے۔ اور موت کے علاوہ ہر بیماری سے شفا ہے۔

نہایۃ الامل میں لکھا ہے کہ مسواک میں بہتّر فائدے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ موت کے وقت کلمہ شہادت یاد آجاتا ہے۔ اور اس کے برخلاف حشیشہ بھنگ کھانے میں بہتّر نقصان ہیں۔ جن میں ایک یہ ہے کہ موت کے وقت کلمہ شہادت یاد نہیں آتا۔ علامہ طحطاوی نے مراقی کے حاشیہ پر مسواک کے فوائد نقل کرتے ہوئے لکھا ہے۔[1]

---

[1] کذا فی الطحطاوی

من فضائل ما روی الائمة
عن علیؓ وابن عباسؓ وعطاءؒ
علیکم بالسواک فلا تغفلوہ
عنه وادیموہ فان فیه رضی
الرحمن وتضاعف صلاته الی
تسعة وتسعین او الی اربعمائة
ضعف ودامته تورث السعة
والغنی وتیسر الرزاق و
تطیب الفم ویشد اللثة
ویسکن الصداع وعروق
الرأس حتی لایضرب عرق ساکن
ولا یسکن عرق ضارب و
یذهب وجع الرأس والبلغم
ویقوی الاسنان ویجلوا البصر
ویصحح المعدة ویقوی البدن
ویزید الرجل فصاحة و
حفظا وعقلا ویطهر القلب
یزید فی الحسنات ویفرح
الملئکة وتصافحه لنور وجهه
وتتبعه اذا خرج من المسجد
وتستغفر الانبیاء والرسل والسواک

مسواک کے کچھ فضائل جن کو ائمہ کرام
نے حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ
اور حضرت عطاؒ سے نقل کیا۔
فرماتے ہیں کہ مسواک لازم کرلو اس
سے غافل نہ رہو۔ اس پر مداومت
کرتے رہو۔ کیوں کہ اس میں حق
تعالیٰ کی خوشنودی ہے اور اس سے
نماز کا ثواب ننانوے یا چار سو گنا
بڑھ جاتا ہے اور ہمیشہ مسواک کے
کرنے سے کشادگی اور مالداری
پیدا ہوتی ہے۔ روزی آسان ہو
جاتی ہے۔ درد سر کو اور سر کی تمام
رگوں کو سکون ہو جاتا ہے۔ حتی کہ
کوئی ساکن رگ حرکت نہیں کرتی اور
نہ ہی کوئی حرکت کرنے والی رگ
ساکن ہوتی ہے۔ بلغم کو دور کرتی ہے
دانتوں کو مضبوط بناتی ہے۔ بینائی
کو صاف کرتی ہے۔ معدہ کو درست
اور بدن کو قوی بناتی ہے۔ انسان
کی فصاحت و حافظہ و عقل کو
بڑھاتی ہے۔ دل کو پاک کرتی ہے

مسخطة الشيطن و مطردة له
صفاة الذهن مهضمة
للطعام مكثرة للولد ويجيز على
الصراط كالبرق الخاطف ويبطئ
الشيب ويعطى الكتاب باليمين
ويقوى البدن على طاعة الله
ويذهب الحرارة من البدن
ويقوى الظهر ويذكر الشهادة
ويسرع النزع ويبيض الاسنان
يطيب النكهة ويصفي الحلق و
يجلو اللسان ويذكى الفطنة ويقطع
الرطوبة ويحد البصر ويعين على
قضاء الحوائج ويوسع عليه في
قبره ويونسه في لحده ويكتب له
اجر من لم يتسوك في يوم ويفتح
له ابواب الجنة ويقول الملئكة
هذا مقتد بالانبياء يقفوا
اثارهم ويلتمس هديهم في كل يوم
ويغلق عنه ابواب جهنم ولا
يخرج عن الدنيا الا وهو طاهر
مطهر ولا يأتيه ملك الموت

نیکیوں میں اضافہ ہوجاتا ہے۔
ملائکہ خوش ہوتے ہیں اور اسکے
چہرہ کے نور کی وجہ سے مصافحہ
کرتے ہیں۔ اور جب وہ مسجد سے
نکلتا ہے تو فرشتے اسکے پیچھے پیچھے
چلتے ہیں اور انبیاءؑ اور رسول اس
کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں۔
مسواک شیطان کو ناراض کر دیتی ہے
اور اس کو دھتکارتی ہے۔ ذہن کو
صاف، کھانے کو ہضم کرتی ہے۔
بچوں کی پیدائش بڑھاتی ہے پلصراط
پر سے کوندنے والی بجلی کی طرح
بہت جلد اتار دیتی ہے۔ بڑھاپے
کو مؤخر کرتی ہے۔ نامۂ اعمال داہنے
ہاتھ میں دلاتی ہے۔ بدن کو اللہ
کی اطاعت کے لیے قوت دیتی
ہے۔ حرارت کو بدن سے دور
کرتی ہے۔ پیٹھ کو مضبوط بناتی ہے۔
کلمہ شہادت یاد دلاتی ہے۔ حالت
نزع کو بہت جلد ختم کرا دیتی ہے۔
دانتوں کو سفید منہ کو خوشبو دار

عند قبض روحه الا فی الصورة التی یاتیها الاولیاء وفی بعض العبارات الانبیاء ولا یخرج من الدنیا حتی یسقی شربة من حوض نبینا علیه السلام وهو الرحیق المختوم وعلی هذه انه مطهرة الفم مرضاة للرب۔

حلق اور زبان کو صاف ستھرا کرتی ہے۔ رطوبت کے لیے قاطع ہے۔ بینائی کے لیے مفید حاجتوں کو پورا ہونے میں مدد کرتی ہے قبر کو کشادہ بناتی ہے۔ اور مردہ کے لیے غمخوار ہو جاتی ہے اور مسواک کرنے والوں کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اور اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور فرشتے اس کے بارے میں ہر دن کہتے ہیں کہ یہ (شخص) انبیاءؑ کا اقتدا کرنے والا ہے۔ اُن کے نشانِ قدم پہ چلتا ہے۔ ان کی سیرت کا متلاشی ہے۔ اور اس کی طرف سے دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ مسواک کرنے والا شخص دنیا میں (گناہوں) سے پاک صاف ہو کر جاتا ہے۔ اور موت کا فرشتہ روح نکالنے کے لیے اس کے پاس اس صورت میں آتا ہے۔ جس صُورت میں اولیاء کے پاس آتا ہے۔ بعض عبارات میں ہے کہ جس صورت میں انبیاءؑ کے پاس آتا ہے۔ اسی صورت میں آتا ہے۔ اور مسواک کرنے والا دنیا سے نہیں جاتا۔ مگر اس وقت جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کی شراب نہ پی لے۔ اور وہ رحیق مختوم ہے۔ اور ان سب فوائد سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس میں حق تعالیٰ کی رضا ہے اور منہ کی بھی صفائی ہے۔

علامہ زبیدی نے بھی شرح احیاء میں مسواک کے فوائد کو نقل کیا ہے اور بعض علماء کی نظم بھی نقل کی ہے۔ اکثر فوائد وہی ہیں جو ہم نے طحطاوی سے نقل کیے ہیں۔

البتہ ایک فائدہ نیا ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مسواک کرنے سے منی زیادہ پیدا ہوتی ہے۔

چند مسئلے

مسئلہ حنفیہ کے نزدیک روزہ کی حالت میں زوال سے پہلے اور زوال کے بعد مسواک کا استعمال درست ہے۔ خواہ مسواک تر ہو یا خشک۔

مسئلہ کسی کو مسواک سے مارنا درست ہے۔ (زواجر)

مسئلہ بلا اجازت کسی کا مسواک استعمال کرنا کروہ ہے۔

مسئلہ احرام کی حالت میں بھی مسواک کرنا جائز ہے۔

مسئلہ اگر مسواک کرنے سے خون وغیرہ نکلنے لگے یا اور کوئی مرض پیدا ہو جائے تو ایسی صورت میں مسواک کرنا مستحب نہیں ہے۔

مسئلہ نابالغ بچوں کو بھی اس کا استعمال کرانا چاہیئے۔ تاکہ ان کو بھی عادت ہو۔ (نووی)

مسئلہ غسل میں بھی مسواک کرنا مسنون ہے۔ (شامی)

اطہر حسین غفرلہٗ مظاہری

۲۷، صفر المظفر ۱۳۷۸ھ

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور

قیامت کے دن پر ایمان لائیں

فضائل مسجد

مؤلفہ

مولانا صدر الدین عامر الانصاری

تلمیذ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ

ناشر

کتب خانہ مجیدیہ

بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

عرضِ ناشر

عرصہ سے کسی ایسی کتاب کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی جس میں مسجد کی فضیلت وعظمت اور مسجد کے آداب واحترام کی اہمیت کو قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح انداز میں بیان کیا گیا ہو۔ اگرچہ اس موضوع پر اور بھی بہت سی کتابیں موجود ہیں لیکن وہ یا تو اس قدر مختصر ہیں کہ مقصد کو پورے طور پر واضح نہیں کرتیں یا اس قدر ضخیم، معیاری اور علمی ہیں کہ ان سے صرف اہلِ علم استفادہ کر سکتے ہیں۔ عوام کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔

ہر مسلمان کو مسجد کی فضیلت وعظمت اور مسجد کے آداب واحترام کی اہمیت سے واقف ہونا چاہیئے۔ اس مقصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مولانا صدر الدین عالم الانصاری مدظلہٗ نے ایک بہت اچھی جامع اور آسان کتاب مرتب فرمائی ہے جس میں مسجد کے آداب واحترام کی اہمیت کو قرآن وحدیث کی روشنی میں نہایت واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ زبان اس قدر عام فہم اور سادہ ہے کہ کم پڑھے لکھے لوگ اس کتاب سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ تبرکاً حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہٗ کی مشہور مناجات بھی شامل کر دی گئی ہے۔

فہرست مضامین

مناجات بدرگاہِ قاضی الحاجات

از حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی میں ہوں بس خطاوار تیرا
مجھے بخش، ہے نام غفار تیرا

الٰہی بتا چھوڑ سرکار تیری
کہاں جائے اب بندہ لاچار تیرا

نگاہِ کرم ٹک بھی کافی ہے تیری
میں ہوں گرچہ بندہ بہت خوار تیرا

دوا یا رضا کیا کروں میں الٰہی!
کہ دارو بھی تیری اور آزار تیرا

مرضِ لادوا کی دوا کس سے چاہوں
تو شافی ہے میرا، میں بیمار تیرا

الٰہی! میں سب چھوڑ گھر بار اپنا
لیا ہے پکڑ اب تو دربار تیرا

سوا تیرے کوئی نہیں اپنا یارب
تو مولا ہے میں عبد بے کار تیرا

کہاں جائے جس کا نہیں کوئی تجھ بن
کسے ڈھونڈھے جو ہو طلبگار تیرا

رہے گا نہ کچھ نقد عصیاں سے میرا
لگے گا جو رحمت کا بازار تیرا

سدا خوابِ غفلت میں سوتا رہا ہوں
نہ اک دم ہوا آہ بیدار تیرا

چلا نفس شیطاں کے احکام پر میں
نہ مانا کوئی حکم زنہار تیرا

میری مشکلیں ہوویں آسان یک دم
جو ہووے کرم مجھ پہ اک بار تیرا

خبر لیجو اس دن بھی میری الٰہی
کھلے جب کہ بخشش کا بازار تیرا

گنہ میرے حد سے زیادہ ہیں یارب
مجھے چاہیئے رحم بسیار تیرا

الٰہی رہے وقت مرنے کے جاری
بتصدیق دل لب پہ اقرار تیرا

تو میرا، میں تیرا، میں تیرا، تو میرا
ترا فضل میرا مرا کار تیرا

کوئی تجھ سے کچھ، کوئی کچھ چاہتا ہے
میں تجھ سے ہوں یارب طلبگار تیرا

اٹھا غم، رکھ امید امدادِ حق سے
تجھے غم ہے کیا، رب ہے غمخوار تیرا

الٰہی ہو میری مناجات مقبول
کہ رد کرنا ہرگز نہیں کار تیرا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط
نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم و علیٰ عباد الصالحین

مسجد کیا ہے؟

مسجد کیا ہے؟ دیکھنے میں یہ عجیب سا سوال ہے کیونکہ کم و بیش ہر شخص کو معلوم ہے کہ نماز کے لئے جو جگہ وقف کر دی جاتی ہے وہ مسجد کہلاتی ہے۔ آپ سڑک پر چلتے ہوئے کسی بچے سے بھی پوچھیں کہ مسجد کہاں ہے تو وہ آپ کو بتا دے گا بلکہ سمجھ دار ہو گا تو یہ بھی بتا دے گا کہ یہ اللہ کا گھر ہے۔

یہ مکان ایسا ہے جو کسی ایک آدمی کی ملک نہیں ہوتا نہ اس کو کسی کی جائداد قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کا استعمال بھی کوئی فرد یا افراد اپنے لئے مخصوص نہیں کر سکتے۔ مسجد کا دروازہ ہر مسلمان کے لئے کھلا ہے۔ یہ ایسا گھر ہے جس میں ہر شخص کو مدعو کیا جاتا ہے۔ ایک صلائے عام ہے۔ فقہا نے تو اس سلسلے میں یہاں تک کہا ہے کہ بلا شدید ضرورت کے مسجدوں کو تالہ بھی نہ لگایا جائے۔ مسجد کا دروازہ ہر کلمہ گو کیلئے کھلا رکھا جائے۔ ہر فقیر و امیر، ہر حاکم و محکوم، ہر آقا و خادم، ہر تاجر و مزدور، ہر کالے گورے ہر چھوٹے بڑے کو یکساں طور پر اس میں آنے کی اجازت ہے بلکہ سب کو اس کی طرف بلایا جاتا ہے آخر یہ کیسا مکان ہے، یہ کوئی چوپال ہے یا کوئی پبلک پارک ہے جس میں آنے کی ہر ایک کو دعوت دی جاتی ہے۔

ہر گز نہیں۔ یہ ان سب سے برتر مکان ہے جس کی اپنی حیثیت ہے جس کے اپنے ضوابط و قوانین ہیں، انسانی ضابطوں اور قاعدوں سے ممتاز یہ ایسی ذات کا مکان

ہے جو سب سے بڑی ہے، ایسے شاہ کا دربار ہے جس کے یہاں سب برابر ہیں۔ یہاں ہر مسلمان کو بلایا جاتا ہے۔ یہاں عام دعوت ہوتی ہے، اس مکان میں اللہ کے بندوں کو بلا کر اللہ کی بہت سی نعمتیں دی جاتی ہیں۔ مگر وہ اس دنیا کی مادی لذتوں جیسی فانی اور زائل ہوجانے والی نعمتیں نہیں ہوتیں بلکہ ابدی اور ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتیں ہیں وہ نعمتیں کہاں ہیں؟ کہاں سے آتی ہیں۔ ان کا خزانہ کہاں ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا، وہ نعمتیں روحانی ہیں، اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں، جیسا آپ احادیث میں پڑھیں گے وہ خزانۂ الٰہی سے دی جاتی ہیں، وہ ایسا خزانہ ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ وہ ایسا ذخیرہ ہے جس میں کبھی کمی نہیں ہوتی جس پر دنیا کے مادی مؤثرات اپنا اثر نہیں ڈال سکتے۔

اس بات کو ذرا تفصیل سے سمجھئے۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے اس دنیا میں انوار و انعامات کا ایک بہت بڑا مرکز بنایا اور انسانوں کے فائدے کے لئے سب سے پہلے اس دنیا میں جو گھر بنوایا اس کے لئے اللہ جل شانہٗ نے مکہ مکرمہ کی سرزمین منتخب فرمائی اور وہاں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے ہاتھوں اپنا ایک گھر بنوایا، یہی وہ گھر ہے جس کو بیت اللہ کہتے ہیں یہی وہ مرکز ہے جس کی طرف ہم منہ کرکے نماز پڑھتے ہیں۔ ساری دنیا کے مسلمان اسی کا حج کرنے جاتے ہیں۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ

(پ ۴) (سورہ آل عمران)

ترجمہ:۔ یقیناً وہ مکان جو سب سے پہلے لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہ مکان ہے جو مکہ (مکرمہ) میں ہے وہ بہت برکت والا ہے اور دنیا بھر کے لوگوں کا رہنما ہے۔

یہی وہ مسجد حرام ہے جہاں نمازوں کا ثواب سب سے زیادہ ہے۔ اسی مسجد کو

امّ المساجد یعنی مسجدوں کی ماں کہا جاتا ہے، اب جہاں کہیں بھی مسجد بنائی جاتی ہے وہ اسی ماں کی بیٹی ہے۔ اسی کا پرتو ہے، تمام دنیا کی مسجدوں کا اس امّ المساجد سے ایسا رشتہ ہے جس کو ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں، ہمارے ہاتھ اس کو نہیں چھو سکتے لیکن اگر اللہ تعالیٰ ہماری دلوں کی آنکھیں کھول دے تو ہم اس رشتے کا کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں مسجد جہاں بھی کہیں ہو اس کا تعلق اس اصل مرکزِ انوار سے ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن ساری زمینیں جاتی رہیں گی سوائے مساجد کے کہ وہ سب آپس میں مل جائیں گی اور ایک جگہ جمع ہو جائیں گی (اور بظاہر یہ سب کعبہ مکرمہ اور مسجد حرام کے ساتھ ہی جمع کر دی جائیں گی۔)

معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسجد اسی طرح انوار سے بھری ہوئی ہے جس طرح آج کل ہر ریڈیو اور ٹرانسسٹر آواز سے بھرے ہوئے ہیں کہ بٹن دبایئے اور آواز سن لیجئے بالکل اسی طرح مسجد میں اس کے پورے آداب و احترام کے ساتھ آجایئے اور وہاں ذکر و تعلیم اسی طرح کیجئے جس طرح ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا ہے، تو ریڈیو کی آواز کی طرح مسجدوں میں آپ کے لئے انوارِ الٰہی و برکات کے دروازے کھل جائیں گے لیکن جس طرح ریڈیو سے ہم بلا بٹن دبائے آواز نہیں سن سکتے اسی طرح مسجد کے انوار سے بھی بلا عمل کا بٹن دبائے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

مسجد کا مقصد اور اُس کی اہمیت

دینِ اسلام کی بنیاد جن چیزوں پر ہے ان میں سب سے پہلی اور سب سے اہم چیز کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ یعنی خدا کی وحدانیت، اس کی عظمت کا اعتراف اس پر یقین و ایمان اور اس کے بھیجے ہوئے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرنا اور ان کے لائے ہوئے پیغامِ حق کے ہر ہر جز کو صحیح و صادق

ماننا ہے۔ توحید و رسالت کا اقرار ہی وہ بُنیادی پتھر ہے جس پر اسلام کی ساری عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ کوئی عبادت، کوئی عمل خیر اگر اس اساس پر نہیں ہے تو وہ اسلامی نہیں ہے اس بُنیاد کے بعد نماز کا نمبر آتا ہے۔ تمام عبادتوں میں پہلا نمبر نماز کا ہے۔ نماز کی تاکید اور اس کے چھوڑنے پر بے شمار وعیدیں حدیث میں آئی ہیں۔ نماز ہماری زندگی کے انفرادی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں سے متعلق ہے جہاں ہر شخص پر انفرادی طور پر نماز فرض ہے وہاں اجتماعی طور پر بھی ہم پر نماز فرض ہے، بلکہ فرائض تو ہیں ہی اجتماعی اور بعض قسمیں تو ایسی ہیں جیسے جمعہ، عیدین وغیرہ جو انفرادی طریقہ پر ادا ہی نہیں ہو سکتیں، نماز کو اجتماعی طریقہ پر ادا کرنے کے لئے مسجدیں تعمیر کی جاتی ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے نہ صرف ہم کو دینِ حق دیا بلکہ اس پر عمل کرنے کے لئے ایسے طریقے بھی بتائے جن کو اختیار کر کے ہمارے لئے دین پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔

اگر ہم غور سے دیکھیں تو ہم کو صاف نظر آئے گا کہ دین کا ہر ہر جز و حکیم مطلق نے اس طرح ایک دوسرے سے جوڑا ہے کہ اگر کسی جگہ سے کوئی اینٹ بھی نکال دی جائے تو اس کا اثر پوری عمارت پر پڑنا لازمی ہے۔ اگرچہ ہمارے لئے اس حکیم مطلق کی تمام مصلحتیں سمجھنا ناممکن ہے لیکن جو فوائد ہم کو اپنی زندگی میں نظر آتے ہیں وہی کم نہیں پھر اللہ تعالیٰ کے وہ انعامات جن کے اس دنیا اور آنے والی زندگی میں وعدے ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔ آیئے ہم ذرا مسجد پر نظر ڈالیں کہ اگر ہم ان کا صحیح استعمال کریں، اس کی وہی اہمیت سمجھیں، جو دین ہم کو بتاتا ہے اس کی وہی تنظیم و توقیر کریں جس کا حکم دیا گیا ہے تو ہماری زندگی پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔

انسان اس دُنیا میں مختلف طبقوں، مختلف قوموں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ یہ تقسیم صرف بر اعظموں کے اعتبار سے ہی نہیں ہے بلکہ بہت دُور تک جاری ہے

ہر بر اعظم ملکوں میں تقسیم ہے، ہر ملک صوبوں میں، ہر صوبہ ضلعوں میں، ہر ضلع قصبات اور شہروں میں، ہر شہر و قصبہ مختلف محلوں میں اور ہر محلہ میں مختلف قسم کے افراد ہیں ایک ہی محلہ میں کچھ تاجر بستے ہیں، کچھ صناع و دستکار ہیں، کچھ سرکاری ملازم ہیں کچھ حاکم ہیں تو کچھ ملازم، پھر ان طبقوں میں ہر ہر طبقہ کی مختلف قسموں میں تقسیم ہے بلکہ ایک گھر کے افراد بھی مختلف ہوں گے۔ ہر شخص کے فکر و عمل پر اس کی زندگی کا ماحول اثر ڈالتا ہے۔ وہ جس قسم کی فضا میں رہتا ہے اسی کے متعلق سوچتا ہے اسی ماحول کے مسائل اس کے سامنے ہوتے ہیں ان ہی تاثرات میں اس کی پرورش ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایک ہی جگہ مختلف قسم کے افراد ظاہری طور پر اجتماعی زندگی بسر کرتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں۔ وہ ظاہری زندگی میں گو بظاہر ایک ہی طبقہ کے افراد معلوم ہوتے ہیں مگر فکری اور ذہنی طور پر ایک دوسرے سے بالکل غیر متعلق ہیں اور یہ طرزِ زندگی نہ صرف آہستہ آہستہ ان کی معاشرت پر اثر انداز ہوتا ہے اور مختلف قسم کی خرابیوں کو لاتا ہے بلکہ ان کی روحانی زندگی کو بری طرح کھوکھلا کرتا رہتا ہے ان میں نخوت و تکبر اور خودغرضی پیدا کر دیتا ہے وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ ایک ہی انسان حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں، ایک ہی خالق کی مخلوق ہیں، ان میں اور دوسرے انسانوں میں کوئی فرق نہیں، جس طرح وہ کھاتے پیتے، چلتے پھرتے ہیں جس طرح وہ سوتے جاگتے ہیں اسی طرح دوسرے بھی سوتے جاگتے ہیں۔ جو انسانی جذبات وہ محسوس کرتے ہیں وہی جذبات اس دنیا کا بسنے والا ہر انسان محسوس کرتا ہے، سب کا خالق ایک ہے، سب کا معبود ایک ہے، سب ایک ہی آقا کے بندے ہیں۔ تقسیم جو ان کو ظاہری طور پر نظر آ رہی ہے حقیقی تقسیم نہیں ہے بلکہ جس طرح کسی مشین کا ہر ہر پرزہ اپنی جگہ ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے مربوط ہوتا ہے اسی طرح وہ بھی ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔

یہ عزلت انسان کے دماغ سے اس وقت تک نہیں نکالی جاسکتی جب تک اس کو ماحول کے ان اثرات سے نہ ہٹایا جائے جو اس کے فکر و عقل کو ایک خاص سانچے میں ڈھال رہے ہیں۔ بظاہر یکجا رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے دور ہوتے جارہے ہیں۔ انسان کو عملی طریقہ پر یہ بتانا ضروری ہے کہ سب کا خدا ایک ہے، سب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ یہ زندگی بالکل عارضی ہے چند روز کے لئے اس معبودِ حقیقی نے اس کو اس دنیا میں بھیج دیا ہے۔ اسلام نے ایمان کے اس سبق کو ہر وقت یاد رکھنے کے لئے نماز کی ایک اجتماعی شکل دے کر ہر مومن کو مسجد کی طرف بلایا۔ ہر مومن کو خواہ وہ کسی طبقے سے تعلق رکھتا ہو، حاکم ہو، محکوم ہو، آقا ہو یا خادم، سب کو مسجد میں بلایا۔ ان سے کہا کہ سب مسجد میں آؤ۔ مسجد اللہ کا گھر ہے۔ یہ کسی کی ذاتی ملک نہیں ہے، اس پر کسی کا اختیار نہیں ہے یہاں اس کا دربار ہے جو تمہاری ظاہری برتری و کمتری سے متاثر نہیں ہوتا۔ وہ تمہارے قلوب کو جانتا ہے، تمہاری نیتوں کو جانتا ہے۔ تم میں سے ہر شخص اس کے سامنے جواب دہ ہے وہی تم کو تمہارے اچھے کاموں کے بدلے میں انعامات سے نوازتا ہے اور برے کاموں کی پاداش میں تم پر بلائیں مسلط کر سکتا ہے۔

اللہ کے گھر میں اللہ کے داعی مؤذن کی آواز سن کر آدمی اس طرف یہ سمجھ کر چلتا ہے کہ میں اس ذاتِ برحق کے دربار میں جارہا ہوں، جو سب سے برتر ہے۔ اس کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز پورے پورے آداب کے ساتھ، پورے پورے احترام کے ساتھ پورے پورے خوف و امید کے ساتھ دربارِ خداوندی میں آتا ہے: یہاں آکر اس کے بتائے ہوئے دنیوی اختیار سب ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کا ذہن و فکر جن امور و مسائل کے گرد گھوم رہا تھا ان کو چھوڑ کر ایک خالص روحانی ماحول میں آجاتا ہے جہاں سکون ہی سکون ہے۔ راحت ہی راحت ہے۔ یہ دوہرانے کی بظاہر ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ یہ اثرات اس کے انفرادی طور پر نماز ادا کرنے سے ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اگر اس نے

دوکان پر نماز پڑھی تو اس کا خیال گاہک میں ہوگا۔ کارخانے میں نماز پڑھی تو اس کا خیال مشین میں اُلجھا رہے گا لیکن جب مسجد میں آ کر نماز پڑھی تو صرف خدا کی طرف دھیان رہے گا۔

اسی لئے مسجد میں جانے کے لئے روانہ ہوتا ہے تو اس کے دل کی صدا یہ ہوتی ہے کہ اے اللہ تو جانتا ہے میں تیرے دربار میں حاضر ہو رہا ہوں، مجھے دکھاوے سے شہرت وریا سے بچانا، میری غرض صرف تیری ناراضگی سے بچنا، تجھے راضی کرنا ہے میری دعا سن لے، میرے گناہوں کو بخش دے اور ہمیں نارِ جہنم سے بچا۔ جب مسجد میں داخل ہوتا ہے تو کہتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاغْفِرْ لِيْ

"اے اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کشادہ فرما اور میری مغفرت فرما"

پھر اللہ کے گھر سے نمازی سکون و عافیت کی فضا سے فائدہ اُٹھا کر باہر نکلتا ہے تو اس کے دل سے نکلتا ہے اے اللہ! میں نے تیرا حکم جیسا مجھ سے ممکن ہو سکا پورا کر دیا۔ اب تو مجھ پر فضل فرما، میرے رزق میں وسعت عطا فرما ——— اور نکلتے ہوئے دعا مانگتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ

"اے اللہ! میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں"

مسجد میں پہنچ کر اپنے تمام خارجی چولوں کو اُتار دیتا ہے۔ اس کے ذہن کو اپنی حقیقی حقیقت سمجھنے کا موقع ملتا ہے اور اسی ادراک پر اللہ کے دینی و دنیوی انعامات کی بارش ہوتی ہے۔

مسجد کے فضائل

مسجد بنانا عن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بنیٰ للہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کیلئے کوئی مسجد بناتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنا دیتا ہے"

اس مضمون کی اور بھی روایات ہیں۔ ترمذی شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی اللہ کے لئے مسجد بناتا ہے اس کا گھر جنت میں ہوگا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ مسجد بنانے والے کے واسطے مسجد جیسا ایک گھر جنت میں بنا دیا جاتا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مسجد بنانے والے کے لئے مسجد سے بڑا گھر جنت میں بنا دیتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے جو آدمی اپنی حلال کمائی میں سے اللہ کی عبادت کے لئے کوئی گھر بناتا ہے اللہ جل شانہٗ جنت میں اس کے لئے موتی اور یاقوت کا محل بنا دیتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ مساجد کی تعمیر باقی رہنے والی نیکیوں میں ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث آگے آرہی ہے جس میں صراحۃً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جن اعمال کا ثواب بندے کو مرنے کے بعد پہنچتا رہتا ہے ان میں وہ مسجد بھی ہے جسکو اس نے اپنی زندگی میں بنوا دیا ہو۔

لیکن مسجد بنانے کے لئے بھی سارے اعمالِ خیر کی طرح بنیادی شرط یہ ہے کہ بنانے والے کی غرض اللہ کی رضا کے سوا اور کچھ نہ ہو۔ دکھاوا اور ریا کا بالکل شائبہ نہ ہو کسی نخوت وتکبر یا کسی اور دنیاوی غرض کے لئے نہ ہو کیونکہ اگر ریا کے لئے مسجد بنوائی یا کوئی بھی

عمل خیر کیا تو اس میں ثواب ملنا تو درکنار خطرہ ہے کہ لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ ریا اور دکھاوا بہت بری چیز ہے بلکہ یہ تو شرک اصغر ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کام میں بھی میرے ساتھ میرے غیر کو شریک کرے گا تو میں اس کو اس کے شرک کے ساتھ چھوڑ دوں گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ریا شرک اصغر ہے۔ قرآن شریف میں لوگوں کو دکھاوے کے لئے مال خرچ کرنے والوں کے بارے میں ارشاد ہے:

كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۖ لَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ (سورۃ البقرہ)

"جو شخص اپنا مال لوگوں کو دکھلانے کی غرض سے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا اس کی حالت ایسی ہی ہے جیسے ایک چکنا پتھر جس پر کچھ مٹی ہو، پھر اس زور کی بارش ہو تو اس کو بالکل صاف کر دے، ایسے لوگوں کو اپنی کمائی بالکل ہاتھ نہ لگے گی۔"

دوسری ایک آیت میں منافقین کی صفات میں آیا ہے کہ وہ لوگوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھتے ہیں۔ اس لئے اگر کسی نے مسجد بنوائی، اس میں اپنا مال خرچ کیا مگر اس کی غرض خدا کی رضا نہ ہوئی تو وہ مسجد اس کے لئے صدقہ جاریہ تو کیا بنتی اس کیلئے ادبار مصیبت کا باعث بن جائیگی۔ حضرت ابوہریرہؓ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز جب لوگوں کے فیصلے کئے جائیں گے تو پہلے فیصلہ کئے جانے والے لوگوں میں ایسا آدمی بھی ہو گا جس کو اللہ تعالیٰ نے خوب مال و دولت عطا فرمائی تھی۔ اس کو حضور خداوندی میں پیش کیا جائے گا اور اس کو اللہ کی دی ہوئی نعمتیں یاد دلائی جائیں گی۔ اس کو سب نعمتیں یاد آ جائیں گی

تو اس سے سوال کیا جائے گا کہ تو نے ہماری ان نعمتوں کا کیا کیا، وہ کہے گا کہ کوئی ایسا مصرف جس میں خرچ کرنا تجھے پسند ہے میں نے نہیں چھوڑا، میں نے سارے خیر کے کاموں میں مال خرچ کیا۔ ارشاد ہو گا تو جھوٹ بولتا ہے تو نے صرف اس لئے خرچ کیا کہ تجھے سخی کہا جائے۔ چنانچہ تجھے سخی کہا جا چکا (تیری غرض حاصل ہو چکی ہے۔ تیرا مقصد خدا کی رضا نہ تھی) پھر حکم دیا جائے گا اور اس کو منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا (اَللّٰھُمَّ نَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ) ایک اور حدیث میں ہے کہ جو دکھاوا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو بہت رسوا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ریا سے محفوظ رکھے۔

یہاں کچھ لوگوں کو شبہ ہو سکتا ہے کہ جب آدمی کوئی اچھا کام کرے گا تو لوگ اس کو اچھا کہیں گے ہی۔ تو بات یہ ہے کہ مقصود نیّت کی صفائی اور اخلاص ہے۔ اللہ جل شانہٗ عالم الغیب ہیں نیتوں کا حال جانتے ہیں۔ نیت صاف و پاک ہونی چاہیئے۔ پھر اس دنیا میں بھی اگر لوگ تعریف کرتے ہیں تو یہ اللہ کا احسان اور اس کی نعمت ہے، شکر کا مقام ہے۔ تکبّر کی اجازت نہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ حضورؐ ایسے شخص کے متعلق کیا ارشاد ہے جو نیکی کا کام کرے اور لوگ اس عمل خیر پر اس کی تعریف کرنے لگیں تو آپؐ نے فرمایا تلک عاجل بشری المومن۔

ایک ضروری بات یہ ہے کہ لوگ بلا سمجھے بوجھے علماء سے معلوم کئے بغیر مسجدیں بنوا دیتے ہیں۔ کبھی کبھی نئی مسجدیں مسلمانوں میں افتراق کا سبب بن جاتی ہیں یا پہلی مسجدیں ویران ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ جس زمین پر ایک مرتبہ مسجد بنا دی جائے وہ زمین تا قیامت مسجد بن جاتی ہے اس کو آباد رکھنا ضروری ہے۔ اس زمین پر مسجد کی عمارت رہے یا نہ رہے نہ کوئی اور عمارت بنائی جا سکتی ہے نہ اس زمین کو کسی اور مصرف میں

استعمال کیا جا سکتا ہے۔ آج بھی ہزاروں مسجدیں ایسی ہیں جن کے لئے نمازی نہیں ملتے، گرد و غبار کا ڈھیر، گندگی کی کوٹھڑیاں بنی ہوئی ہیں۔ پھر اس کی پاداش تمام مسلمانوں پر پڑتی ہے، اس لئے مسجد بنانے سے پہلے علماء سے مشورہ کرنا ضروری ہے جو وہاں کے ہر قسم کے حالات دیکھ کر مشورہ دیں گے، اس موضوع کے متعلق آگے بھی چند باتیں آئیں گی۔

صدقات جاریہ (۲) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی علیہ وسلم ان مما یلحق المومن من عملہ وحسناتہ بعد موتہ علما علمہ ونشرہ وولدا صالحا ترکہ او مصحفا ورثہ او مسجد ابناہ او بیتا لابن السبیل بناہ او نہرا اجراہ او صدقۃ اخرجھا من مالہ فی صحتہ وحیاتہ تلحقہ من بعد موتہ (مشکوٰۃ)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مومن کو جن اعمال اور نیکیوں کا ثواب اس کے مرنے کے بعد پہنچتا ہے ان میں سے ایک تو علم ہے جس کو اس نے سیکھا اور سکھایا اور پھیلایا اور دوسرے نیک اولاد ہے جس کو اس دنیا میں چھوڑا۔ تیسرے قرآن کریم ہے جسے ورثہ میں چھوڑا اپنے وارثوں کے لئے چھوڑا، چوتھے وہ مسجد ہے جس کو اپنی زندگی میں بنا دیا ہو، پانچویں مسافر خانہ ہے جس کو تعمیر کیا ہو۔ چھٹے نہر ہے جسے جاری کرایا ہو یا بنوایا ہو اور ساتویں وہ خیرات ہے جس کو اس نے اپنی تندرستی اور زندگی میں اپنے مال سے نکالا ہو، ان تمام چیزوں کا ثواب اس کے مرنے کے بعد پہنچتا رہتا ہے۔"

جب آدمی نے خلوص نیت سے اللہ کے لئے مسجد بنائی تو اس نے اپنے

لئے ایسا صدقہ جاریہ بنالیا کہ جب تک اس دنیا میں مسجدیں قائم ہیں اس کو ثواب ملتا رہے گا۔ مسجد چونکہ اللہ کے ذکر کے لئے ہوتی ہے اس لئے اس میں نمازیں ہونگی اور قرآن شریف کی تلاوت ہوگی، اللہ کا ذکر ہوگا، لوگ اعتکاف کریں گے۔ دین پھیلے گا۔ اللہ تعالیٰ ان سب اعمالِ خیر کے بدلے اس کو ثواب دیتا رہے گا۔

حدیث شریف میں اور بھی چند باتوں کا ذکر ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بھی ذرا سی وضاحت کردی جائے۔

(۱) **علم سیکھنا اور سکھانا** اس کی فضیلت میں اور بھی بہت سی احادیث آئی ہیں حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین کا علم حاصل کرو، علم سیکھنا خدا سے ڈرنے کا موجب ہے، علم حاصل کرنا عبادت ہے۔ ایسے شخص کو علم سکھانا جو نہ جانتا ہو صدقہ کا ثواب رکھتا ہے ضرورت کے موقع پر علم کا خرچ کرنا ثواب ہے، علم سے حلال وحرام کی تمیز ہوتی ہے علم جنت والوں پر اور نیک لوگوں کے راستے کا نشان ہے۔ تنہائی میں علم ساتھی ہوتا ہے، غربت میں دوست، راحت یا مصیبت دونوں حالتوں میں علم راہبری کرتا ہے، دشمنوں کے مقابلہ کے لئے مضبوط ہتھیار ہے۔ علم کی بدولت اللہ تعالیٰ پسماندہ قوموں کو بلند کرتا ہے، ان کو رہبر اور مقتدا بنا دیتا ہے۔ لوگ ان کا اتباع کرنے لگتے ہیں۔ علم والوں کے لئے دنیا کی ہر خشک وتر یہاں تک کہ دریاؤں کی مچھلیاں، کیڑے، مکوڑے، جنگل کے درندے بھی استغفار کرتے ہیں۔ علم دلوں کو جہالت کی موت سے نکال کر عزت کی بخشتا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں اس کا کچھ بیان آگے بھی آرہا ہے یہاں اتنی بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ اس حدیث میں اور اس کے علاوہ جتنی حدیثوں میں علم کی ترغیب آئی ہے۔ اس سے مراد ایسا علم ہے جس سے کسی قسم کا دینی نفع ہو

اور جس علم سے دین کو نقصان پہنچے ایسا علم تو نہ سیکھنا ہی بہتر ہے۔

اس حدیث میں آیا ہے کہ علم سیکھ کر سکھا دینے کا ثواب مرنے کے بعد بھی پہنچتا رہتا ہے۔ تو یہ صاف سی بات ہے آپ نے علم سیکھا دوسرے کو سکھایا۔ اس نے تیسرے کو سکھایا، اسی طرح سلسلہ جاری ہو گیا۔ سارے محدثین و مفسرین اور فقہا اور علمِ دین کے سیکھنے سکھانے والوں کو ثواب ابھی تک پہنچ رہا ہے اور پہنچتا رہے گا۔

۲۔ نیک اولاد | جب آدمی کی اولاد نیک ہو گی تو وہ نہ صرف اپنے والدین کے لئے استغفار کرے گی، ثواب پہنچائے گی، بلکہ چونکہ آپ نے اس کی دینی تربیت کی ہے اس لئے وہ جو بھی نیک کام کرے گی حق تعالیٰ شانہٗ انشاء اللہ اس کے ثواب سے آپ کو ضرور حصہ دیں گے کہ حدیث میں ہے کہ خیر کی طرف راہنمائی کرنے والا اس کے کرنے والے کے برابر ہے کہ وہ ذاتِ ارحم الراحمین ہے، اسی لئے سب کو چاہیئے کہ اپنی اولاد کی تربیت کی طرف خاص دھیان رکھیں، اس بات کی پوری کوشش کریں کہ اس کو دین کی اہمیت کا پورا پورا احساس ہو، صالح ہو، دین کا علم ہو اور مزید کی طلب ہو۔

والدین کا اولاد کے ساتھ سب سے بڑا سلوک یہی ہے کہ وہ اس کو دین کا ادب سکھائیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک باپ کا اپنے بیٹے پر ادب سکھانے سے بڑا کوئی احسان نہیں۔ ایک حدیث کا مفہوم یہی ہے کہ جس نے بچہ کی اتنی تربیت کی کہ اُسے کلمہ لا الٰہ الا اللہ سکھا دیا تو اس کی مغفرت ہو گئی۔

۳۔ ورثہ میں چھوڑا ہوا قرآن شریف | حدیث سے دونوں مطلب سمجھ میں آتے ہیں یعنی قرآن شریف کا کوئی نسخہ چھوڑا یا اپنی زندگی میں قرآن شریف پڑھا دیا، دوسری صورت میں ظاہر ہے ثواب کی انتہا ہی نہیں۔ پہلی صورت میں بھی حصولِ ثواب میں

کوئی اشکال نہیں جو بھی پڑھے گا چھوڑنے والے کو ثواب ضرور ملے گا۔

۴۔ مُسافرخانہ اور نہر بنانا یہ دونوں چیزیں اور سب ایسے کام کہ جن سے اللہ کے بندوں کو نفع پہنچے بہت ہی ثواب کے موجب ہیں، جب تک لوگوں کو ان سے فائدہ پہنچتا رہے گا اللہ تعالیٰ بانی کو ثواب پہنچاتے رہیں گے، مگر شرط وہی ہے کہ کسی دُنیاوی شہرت کی طلب نہ ہو بلکہ صرف اللہ کے لئے ہو کسی ایسی جگہ پانی کا انتظام کردینا جہاں پانی کی دِقت ہو وہ بھی نہر بنانے کے حکم میں ہے۔

۵۔ صدقہ احادیث میں اس کی بہت تاکید ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب کوئی آدمی صدقہ دیتا ہے چاہے وہ کھجور ہی کے برابر کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اس صدقہ کو اپنے دائیں ہاتھ میں لیتا ہے (یعنی پوری پوری تعظیم کرتا ہے) بشرطیکہ پاک کمائی سے دیا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ پاک چیز کو پسند کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس صدقہ کو پالتا ہے اور بڑھاتا ہے یہاں تک کہ ایک کھجور ایک پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے [۱]

(۳۱) عن عائشۃؓ انہ امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسجد فی الدور وان ینظف ویطیب۔

"حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں مسجد بنانے اور ان کو صاف ستھرا رکھنے اور ان میں خوشبو لگانے کا حکم فرمایا۔"

گھروں میں مسجد بنانے کا مطلب یہ ہے کہ گھر میں کوئی جگہ ایسی بنالی جائے جو ہر وقت پاک وصاف رہے اور نوافل وغیرہ نماز کے لئے مخصوص ہو، گھر کی عورتیں بھی اسی جگہ نماز پڑھا کریں اور اعتکاف اسی جگہ کیا کریں، مرد بھی ان گھر۔۔۔

[۱] صدقہ کے فضائل کے لئے استاذی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی کی "فضائل صدقات" ضرور ملاحظہ کریں۔

مسجدوں میں سنتیں اور نوافل پڑھا کریں۔ ان مقامات میں کبھی کبھی خوشبو بھی لگایا کریں مگر یہ یاد رکھیں کہ یہ جگہ مسجد کے حکم میں نہیں اس کا یہ مقصد نہیں کہ یہ اصل مسجد کا بدل ہو جائے گی نہ ان کی وجہ سے محلہ کی مسجد چھوڑی جا سکتی ہے۔ ان جگہوں کو گرمی و سردی کے اعتبار سے بھی بدلا جا سکتا ہے اور ان مقامات کو دوسرے پاک مقاصد میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ان کی خرید و فروخت بھی ہو سکتی ہے۔

مسجدیں آباد رکھنا

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝

"اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا تو انہیں لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاویں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈریں۔ سو ایسے لوگوں کی نسبت توقع (یعنی وعدہ) ہے کہ اپنے مقصود تک پہنچ جاویں گے۔"

اس سے پہلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ مشرکوں کی یہ لیاقت ہی نہیں کہ وہ مسجدیں بنائیں اور ان کو آباد کریں اور اس آیت میں مسجدیں بنانے والوں اور ان کے آباد کرنے والوں کی تفصیلی حالت بتائی گئی ہے کہ مسجدیں تو وہی لوگ آباد کر سکتے ہیں جو خدائے وحدہٗ لاشریک پر ایمان لاتے ہیں، قیامت پر ایمان رکھتے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں، خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ پھر کہا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کے متعلق یہی توقع ہے کہ وہ اپنے مقصود تک پہنچ جائیں گے۔ ہدایت یافتہ ہوں گے اس آیت میں اللہ اور یوم آخرت پہ ایمان، زکوٰۃ و نماز کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ ظاہر ہے کہ غیر خدا سے ڈرنے والا کیا

مسجد کی اہمیت سمجھے گا اور کیا اس کو آباد کرے گا۔ مسجد کی آبادی تو یہی ہے کہ اس کو یہ سمجھ کر آباد رکھا جائے کہ یہ اس ذاتِ برحق کا دربار ہے جس کے قبضے میں ہر چیز ہے۔ اس کی رضا ہی دونوں جہاں کی کامیابی ہے اور اس کی ناراضگی دونوں جہاں کی تباہی ہے۔

جو لوگ خدا سے ڈرتے ہوئے مسجدوں کو آباد رکھیں گے ان کے لئے ہدایت کا وعدہ ہے اور جن کو اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب فرمادے ان سے بڑا اور معزز کون ہوسکتا ہے۔ اس سے اگلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کا آباد رکھنا (اور اسی قسم کے رفاہ عام کے سب کام) ایمان کے برابر نہیں ہوسکتے اصل بنیادی چیز تو ایمان ہے اس کے بغیر کسی چیز کا ثواب نہیں مل سکتا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت آگے آرہی ہے کہ جب کسی آدمی کو مسجد کا پابند پاؤ تو اس کے مومن ہونے کی گواہی دو۔ مقصد یہی ہے۔ کہ دربارِ ...... خداوندی کی حیثیت تو وہی جانتا ہے جو مومن ہو اور جو مومن نہ ہوگا وہ صحیح طور پر مسجد کا پابند ہو ہی نہیں سکتا۔

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۝ رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۝ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

"وہ ایسے گھروں میں (جاکر عبادت کرتے ہیں جن کی نسبت) اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے (ان مسجدوں)

ہیں ایسے لوگ صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں جن کو اللہ کی یاد سے اور (بالخصوص) نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت اور وہ ایسے دن کی دار و گیر سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جائیں گی۔ ان لوگوں کا یہ انجام ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دے گا (یعنی جنت) اور (علاوہ جزا کے) ان کو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بے شمار دیتا ہے۔"

یہاں اکثر صحابۂ کرامؓ نے گھر سے مراد مسجد ہی لی ہے۔ آیت کریمہ میں بہت تفصیل کے ساتھ مسجد کی غرض اور مسجدیں آباد کرنیوالوں کی صفات اور ان کے انعامات بتائے گئے ہیں۔

(۱) مسجدوں کی غرض تو یہ بتائی گئی ہے کہ وہ صرف اللہ کے ذکر کے لئے یعنی نماز اور دوسری عبادتوں کے لئے ہوتی ہیں وہ کسی دنیوی غرض کے لئے نہیں بنائی جاتی ہیں اس لئے ان کا احترام بہت ضروری ہے۔

(۲) مسجدیں آباد کرنیوالوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ وہ صبح و شام ان کے گھروں میں نماز و ذکر کے ذریعے اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ وہ اس خانۂ خدا کا بے حد احترام کرتے ہیں۔ تجارت، خرید و فروخت یا دنیوی کسی قسم کا لالچ ان کو اللہ کے ذکر سے، نمازوں کی پابندی کرنے اور زکوٰۃ دینے سے نہیں روک سکتا۔

(۳) اور ان کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی ان عبادتوں کو بھی کسی دنیوی لالچ سے نہیں کرتے بلکہ ان کو آخرت کا ڈر ہے اور وہ اس دن سے گھبراتے ہیں جب آقائے کل دار و گیر کرے گا ہر ایک چھوٹے سے چھوٹے عمل کا بدلہ دیا جائے گا۔

(۴) پھر ایسے لوگوں کے بدلے کا ذکر ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کو ان کے

عملوں کا بہترین بدلہ دے گا۔ نہ صرف بدلہ دے گا بلکہ اپنے فضل وکرم سے انعامات کی بہت افراط کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی چیز کی بھی کمی نہیں جس کو جتنا چاہے دیدے کسی حساب وشمار کی پابندی نہیں۔

(حدیث میں ہے کہ جو لوگ کثرت سے مسجد میں جمع رہتے ہیں (ذکر ونماز میں مشغول رہتے ہیں) وہ مسجد کے کھونٹے ہیں۔ فرشتے ان کے ہم نشین ہوتے ہیں۔ اگر وہ بیمار ہو جائیں تو فرشتے ان کی عیادت کرتے ہیں اور وہ کسی کام کو جائیں تو فرشتے ان کی مدد کرتے ہیں۔) اللہ تعالیٰ ہم کو بھی نیک بندوں میں سے کردے اور ان کے طفیل ہماری مغفرت فرمادے۔ آمین ثم آمین۔

مسجد جانے کا اہتمام

(۴) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من غدا الی المسجد او راح اعد اللہ لہ فی الجنۃ نزلا کلما غدا او راح۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص صبح وشام مسجد میں جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے صبح وشام جنت میں مہمانی کا سامان کرتا ہے۔

جو شخص اللہ کے ذکر کے لئے مسجد میں جائے وہ اللہ کا مہمان ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ مہمان کی ضیافت ہر ممکن طریقے پر کی جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمان کی عزت واحترام کرنے اور اس کی ضیافت کرنے کی بہت تاکید فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں ہے جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو مہمان کی بہت عزت واحترام کرنا چاہیئے۔ اب سوچئے کہ جو شخص اللہ کا مہمان ہو جائے یعنی ایسی ذات برحق کا مہمان جس کے یہاں کسی چیز کی بھی کمی نہیں ہے تو اس کو کیا کیا

نعتیں نہ ملیں گی ۔ اللہ کے مہمان کی ضیافت میں تو دین و دنیا کی سب سے بڑی نعمت یعنی مغفرت اس کو مل جاتی ہے ۔

حضرت ابو درداءؓ کی حدیث میں ہے کہ جو شخص مسجدوں میں داخل ہو جاتا ہے وہ اللہ کا مہمان بن جاتا ہے اور اس کی مہمانی مغفرت ہے اور اس کو جو ہدیہ پیش کیا جاتا ہے وہ اس کی تعظیم و تکریم ہے ۔ یہاں ایک بہت عمدہ بات سمجھ میں آئی ہے، فقہا نے لکھا ہے کہ کسی مسجد میں اذان ہونے کے بعد بلغیر عذر شرعی کے نکلنا مکروہ ہے ۔ ظاہر ہے کہ جب آدمی مہمان ہو گیا اور اذان ہونے کے بعد اللہ کی طرف سے انواع و اقسام کی نعمتوں کے خوان لے کر فرشتے اترنے لگے تو مسجد کو چھوڑ کر جانے والا گویا یہ دستر خوان چھوڑ کر جا رہا ہے اور دستر خوان چھوڑ کر جانے والا مہمان تو اس دنیا میں بھی بد اخلاق سمجھا جاتا ہے ۔ میزبان کو اس سے گرانی ہوتی ہے ۔ پھر اللہ جل شانہٗ کا دستر خوان چھوڑ دینا تو بہت ہی نامناسب ہے ۔ ہاں کسی ضرورت سے جائے تو کوئی حرج نہیں ۔

مسجدیں جنت کے باغ ہیں ۔

(۵) عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا ، قیل یارسول اللہ وما ریاض الجنۃ قال المساجد قیل وما الرتع یارسول اللہ قال سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر (ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارا گزر جنت کے باغوں پر ہوا کرے تو اس کے پھل کھایا کرو، صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ باغ کون سے ہیں ؟ آپؐ نے فرمایا کہ مسجدیں ، پھر صحابہؓ نے پوچھا

کہ پھل کھانے کا کیا مطلب؟ آپ نے فرمایا کہ سُبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کہو۔ (مشکوٰۃ صنہٗ)

اس حدیث سے اور ظاہر ہوگیا کہ مسجدیں ایسے باغ ہیں کہ جن کے پھل کھانے پر کسی قسم کی کوئی قید نہیں، ایسی قیمت بھی نہیں کہ جس کو ادا کرنا مشکل ہو، ہر شخص کو عام اجازت ہے کہ آؤ اور خوب پیٹ بھر کر کھاؤ۔ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان باغوں کے پھل سبحان اللہ والحمدُ للہ ولا الٰہ الا اللہ واکبر ہیں۔ ان حکموں کی ترغیب کے لئے یہی حدیث کم نہیں۔ مگر اس کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ سُبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کہنے والے کے لئے ہر کلمے کے بدلے میں جنت میں ایک درخت لگا دیا جاتا ہے

حضرت سمرہ ابنِ جندبؓ کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ چاروں کلمے اللہ تعالیٰ کی نظر میں تمام کلمات سے بہتر ہیں۔

ایک مرتبہ اُمّ ہانیؓ نے حضور اقدس صلی اللہ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ کو ہلکا سا وظیفہ بتا دیجیئے میں بہت بوڑھی ہوگئی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ سَو بار سبحان اللہ پڑھا کرو۔ اس کا ثواب ایسا ہے جیسے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے سَو غلام آزاد کئے ہوں، سَو بار الحمد للہ کہا کرو اس کا ثواب ایسا ہے جیسے مجاہدین کو سَو گھوڑے زین اور لگام سمیت دیئے ہوں۔ سَو بار اللہ اکبر کہا کرو۔ اس کا ثواب ایسا ہے جیسے سَو اُونٹ مع نکیل وغیرہ اللہ کے راستے میں دیدیئے ہوں اور سَو بار لا الٰہ الا اللہ کہا کرو۔ یہ کلمہ آسمان اور زمین کو ثواب سے بھر دیتا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جن میں ان کلموں کا ثواب بتایا گیا ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد سے وابستگی

(۶) عن کعب بن مالک قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یقدم من سفر الا نہارا فی الضحیٰ فاذا قدم بدأ المسجد فصلی فیہ رکعتین ثم جلس۔ (متفق علیہ) مشکوٰۃ ص ۶۸

"حضرت کعب بن مالک کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے چاشت کے وقت میں تشریف لایا کرتے تھے۔ جب آپ تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں جاکر دو رکعت نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ پھر تشریف فرما ہوتے تھے۔"

حضرت کعبؓ والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے وابستگی کا کس قدر اہتمام فرمایا کرتے تھے کہ سفر سے واپسی پر پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے، نماز پڑھتے پھر وعظ وارشاد میں مشغول ہوتے یا اور کوئی کام کرتے آپؐ کے بعد صحابہ کرامؓ کا بھی یہی معمول ہو گیا تھا۔ کہ سفر سے واپسی پر پہلے مسجد میں اترتے نماز ادا کرتے اور پھر منزل کی طرف جاتے۔ اب بھی یہی طریقہ مسنون ہے۔

ہر اہم مسئلہ کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عموماً مسجد میں تشریف لے جاتے۔

حضرت ابو درداءؓ کہتے ہیں کہ جب آندھی چلتی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فوراً مسجد میں تشریف لے جاتے تھے اور جب تک آندھی بند نہ ہو مسجد سے نہ نکلتے۔ (فضائل نماز)

مسجد جانیکا ثواب حج وعمرہ کے برابر

(۷) عن ابی امامۃ رضہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من خرج من بیتہ متطھراً الی صلوٰۃ مکتوبۃ فاجرہ کاجر الحاج المحرم ومن خرج الی تسبیح الضحی لاینصبہ الا ایاہ، فاجرہ کاجر المعتمر۔

(الحدیث (احمد) مشکوٰۃ ص۷۲)

"حضرت ابوامامہ رضہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے گھر سے پاک صاف ہو کر فرض نماز ادا کرنے کے لئے نکلا تو اس کو حج کرنے کے برابر ثواب ملتا ہے اور جو چاشت کی نماز کے لئے پاک صاف ہو کر (مسجد) آیا اس کو عمرہ کرنے والے کے برابر ثواب ملتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ مسجد میں جانے سے اس کی غرض نماز کے سوا اور کچھ نہ ہو"

بات یہ ہے کہ فرض نماز تو تا حدِ امکان مسجد ہی میں پڑھنی چاہیئے بلکہ بعض علماء کے ہاں تو اس قدر سختی ہے کہ وہ تو بغیر جماعت کے نماز کی ادائگی کے قائل ہی نہیں۔ جماعت کے فضائل اور اس کی اہمیت کے بارے میں اور مسجد میں آنے کی بہت فضیلت احادیث میں آئی ہے۔ ابوہریرہ رضہ کی ایک مفصل حدیث آگے آرہی ہے۔

مسجد میں نماز کو جانیوالے کیلئے فرشتے دعا کرتے ہیں

(۸) عن ابی ھریرۃ رضہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

صلوٰۃ الرجل فی الجماعۃ تضعف علی صلاتہ فی بیتہ وفی سوقہ خمسا وعشرین ضعفا، وذلک انہ اذا توضأ فاحسن الوضوٓ ثم خرج الی المسجد لا یخرجہ الا الصّلوٰۃ لم یخط خطوۃ الا رفعت لہ بہا درجۃ وحط عنہ بہا خطیئۃ فاذا اصل لم تزل الملٰئکۃ تصلی علیہ مادام فی مصلاہ اللّٰھم صل علیہ اللّٰھم ارحمہ ولا یزال احدکم فی صلوٰۃ ما انتظر الصلوٰۃ وفی روایۃ قال اذا دخل المسجد کانت الصلوٰۃ تحبسہ وزاد فی دعاء الملٰئکۃ اللّٰھم اغفرلہ اللّٰھم تب علیہ مالم یوذ فیہ۔ مالم یحدث فیہ۔

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص۶۸)

" حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مرد کی نماز جو (مسجد میں) جماعت کیساتھ ادا کرے۔ وہ اس کی اس نماز سے جو وہ گھر میں یا دکان میں تنہا پڑھتا ہے۔ پچیس گنا زیادہ ثواب رکھتی ہے۔ کیونکہ جب وہ وضو کو پورے آداب کیساتھ اور اس کے تمام مستحبات وسنن ادا کرتا ہے اور مسجد کو آتا ہے، مسجد میں آنے سے اس کی غرض صرف نماز ہی ہوتی ہے، تو اس کے ہر قدم کے بدلے اس کا درجہ بلند کیا جاتا ہے اور ایک خطا معاف کی جاتی ہے پھر وہ (مسجد میں آکر) نماز ادا کرتا ہے جب تک وہ نماز کی جگہ میں رہتا ہے فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ اس پر رحم فرمائے اللہ اس پر رحم فرما اور جب تک تم میں سے کوئی نماز کے انتظار میں رہے گا۔ وہ نماز ہی میں مانا جائے گا۔ ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ فرشتے دعا میں یہ بھی کہتے

ہیں کہ اے اللہ اس کو بخش دے اے اللہ اس کی توبہ قبول فرما جب تک کہ وہ کسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور باوضو رہے۔"

جماعت سے نماز پڑھنے کی جسقدر تاکید اور چھوڑنے پر جتنی سخت وعیدیں آئی ہیں وہ بے شمار ہیں۔ اگر ہم ان کو بیان کرنے کی کوشش کریں تو کتاب بہت طویل ہو جائے گی، استاذی المحترم حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہم العالی نے فضائل نماز کے دوسرے باب میں بہت تفصیل سے یہ احادیث بیان فرمائی ہیں اس کو ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

اندھیرے میں مسجد جانیوالوں کو پورے نور کی بشارت

(۹) عن بریدۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر المشائین فی الظلم الی المساجد بالنور التام یوم القیامۃ رواہ الترمذی وابو داؤد (مشکوٰۃ ص ۶۹)

"حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ تاریکیوں میں مسجدوں کو بکثرت جاتے رہتے ہیں ان کو قیامت کے دن پورے پورے نور کی خوش خبری سنادو۔"

یعنی جو لوگ رات کو اندھیرے (یا اسی قسم کے کسی اور عذر) کی وجہ سے مسجد کو جانا ملتوی نہیں کرتے بلکہ مشقت برداشت کرکے مسجدوں میں جاتے ہیں ان کو ان کی مشقت کی قیمت قیامت کے روز ملے گی جب کہ ایک چمکتا ہوا نور اور آفتاب سے زیادہ روشنی ان کے ساتھ ہوگی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ وہ قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص مسجد سے الفت رکھتا ہے حق تعالیٰ اس سے الفت فرماتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں نماز ادا کرنے کا اس قدر اہتمام فرماتے تھے کہ مرض وفات میں بھی صحابیوں کے سہارے مسجد میں تشریف لے گئے تھے اگلی حدیث سے معلوم ہوگا ۔ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی مسجد کی حاضری کو کتنا ضروری سمجھتے تھے کہ دور دور سے چل کر مسجد میں آیا کرتے تھے ، نہ رات کی تاریکیوں کی پرواہ کرتے تھے نہ دوپہر کی گرمی کی ، بات یہ ہے کہ ان حضرات کو حضور ؐ کے ارشادات پر یقین کامل حاصل تھا ۔ یہ حضرات اپنی رائے پر ارشادات نبوی ؐ کو مقدم رکھتے تھے ۔

حضرت ابو الدرداء ؓ نے حضرت سلمان ؓ کو ایک خط لکھا ۔ جس میں آپ نے نصیحت فرمائی کہ مسجد متقی کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کا عہد کر لیا ہے کہ جو شخص مسجد میں اکثر رہتا ہے اس کو راحت دوں گا ۔ اور قیامت میں پل صراط کا راستہ آسان کر دوں گا اور اپنی رضا نصیب کروں گا ۔

دور سے مسجد آنا

(۱۰) عن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ قال کان رجل من الانصار لا اعلم احدا ابعد من المسجد منہ وکانت لا تخطئہ صلوٰۃ فقیل لہ لو اشتریت حمارا لترکبہ فی الظلماء وفی الرمضاء قال ما یسرنی ان منزلی الی جنب المسجد انی ارید ان یکتب ممشای الی المسجد ورجوعی اذا رجعت الی اہلی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد جمع اللہ ذلک کلہ ۔ (مسلم)

" حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انصار میں ایک شخص تھے میرے علم کے مطابق مسجد سے سب سے زیادہ فاصلہ پر یہی رہتے تھے ۔ مگر ان سے

ایک نماز بھی نہ چوکتی، لوگوں نے ان سے کہا تم گدھا کیوں نہیں خرید لیتے؟ رات کی تاریکی میں اور دوپہر کی گرمی کے وقت اس پر چڑھ کر مسجد میں آجایا کرو۔ انہوں نے جواب دیا مجھے اس کی خواہش نہیں کہ میرا گھر مسجد سے قریب ہوجائے میری تمنّا تو یہی ہے کہ اس طرح آنے اور جانے میں ہر قدم کا ثواب ملے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مطمئن رہو۔ اللہ نے تمہارے لئے ایسا ہی کیا ہے، آنے اور واپس جانے کا ثواب جمع کردیا ہے۔"

مسجد میں جانیکی عادت علامت ایمان ہے

(۱۱) عن ابی سعید ن الخدری رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا رأیتم الرجل یتعاھد المسجد فاشھدوا لہ بالایمان فان اللہ یقول انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر۔

(الترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ ص۶۹)

"حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی آدمی کو مسجد (میں حاضر رہنے) کا عادی دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔"

اس حدیث کا پہلے ذکر آچکا ہے، آیت کریمہ (انما یعمر) کا ترجمہ و تشریح بھی گزر چکی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب ہے کہ مسجدوں کو صبح

معنی ہیں وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں جس کسی کے پاس ایمان نہ ہوگا (اللّٰھم احفظنا) ان کو مساجد کے آباد کرنے سے دلچسپی ہی کیا ہوسکتی ہے۔

کیونکہ مسجدوں کے آباد کرنے یعنی نمازیں پڑھنے اور علم و ذکر سے مسجد کی فضا معمور کرنے سے روپیہ پیسہ تو ملتا نہیں، مسجد میں ہر وقت ختم کا تبرک نہیں ملتا بلکہ ہنسی مذاق تک کرنا ممنوع ہے، کسی بھی نفسانی خواہش کی تکمیل مسجد سے نہیں ہوتی بلکہ اس خانۂ خدا سے تو اخلاص کیساتھ اسی کو ہی محبت ہوگی، جو اللہ پر ایمان رکھتا ہوگا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ گرامی کو سچا سمجھتا ہوگا (جسکو یہ یقین ہوگا کہ نمازیں پڑھنا ہی اصل کام اور اللہ کا ذکر کرنا ہی ضروری چیز ہے، علم دین سیکھنا ضروری ہے، اللہ کے گھر کو آباد رکھنا ضروری ہے اور جسکو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ارشادات کا یقین ہے وہ سچا مومن ہے اسلئے جس شخص کو صحیح طور پر مسجد کا عادی پاؤ تو اس پر گواہ بن جاؤ کہ وہ مومن ہے)

تحیۃ المسجد

(۱۲) عن ابی قتادۃ رض ان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس

(متفق علیہ) مشکوٰۃ صـ۶۸

"حضرت ابو قتادہ رض کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو دو رکعت بیٹھنے سے پہلے پڑھ لیا کرے۔

مسجد میں آکر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا مسنون ہے۔ یہ نماز تحیۃ المسجد کہلاتی ہے اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ فرض نماز کے لئے جائے جب

ہی پڑھے بلکہ جس وقت بھی مسجد میں حاضری ہو البتہ مکروہ اوقات میں سے نہ ہو جیسے طلوعِ آفتاب، غروبِ آفتاب یا زوالِ آفتاب وغیرہ۔

پنج وقتہ نمازوں کی حاضری کے وقت یہ نماز صرف ظہر، عصر، عشا میں پڑھی جا سکتی ہے۔

مسجد پہنچ کر کوئی بیٹھ جائے پھر اٹھ کر تحیۃ المسجد پڑھے تو یہ بھی جائز ہے مگر اولیت کے خلاف ہے۔

اگر کوئی شخص مسجد میں پہنچتے ہی فرض یا سنت شروع کر دے تو اب تحیۃ المسجد کا وقت نہیں رہا۔ کیونکہ یہ نماز تو مسجد کا سلام ہے، سب سے پہلے ہی ہونا چاہیے مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وقت کی تنگی کے باوجود تحیۃ المسجد پڑھے اور سنتیں ترک ہو جائیں یا تکبیرِ اولیٰ فوت ہو جائے۔ یہ بالکل مناسب نہیں، مسجد حرام میں جا کر تحیۃ المسجد کی بجائے طواف کرنا چاہیے۔

مسجد میں علم و ذکر کی مجلسیں

(۱۳) عن ابی ھریرۃ رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ یتلون کتاب اللہ ویتدارسونہ بینھم الا نزلت علیھم السکینۃ و غشیتھم الرحمۃ وحفتھم الملئکۃ و ذکرھم اللہ فیمن عندہٗ۔ الحدیث ۔ رواہ مسلم مشکوٰۃ ص۳۲

"حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی جماعت خدا کے کسی گھر میں جمع ہو کر اللہ کی کتاب پڑھتی پڑھاتی ہے تو اس پر اللہ کی طرف سے اطمینانِ قلب نازل ہوتا ہے۔ اور اللہ کی

رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے، فرشتے ان کو گھیر لیتے اور اللہ ان لوگوں کا ذکر ان میں کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں۔ (الحدیث)

یہ ایک طویل حدیث کا حصہ ہے اس سے مسجد میں لوگوں کے جمع ہو کر اللہ کی کتاب پڑھنے پڑھانے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ اب اس کے ساتھ وہ ثواب لگائیے جو ہر شخص کو فرداً فرداً بھی ملتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایت میں ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت سننے والے کو دس نیکیاں ملتی ہیں اور پڑھنے والے کے واسطے قیامت میں نور مقرر کیا جائے گا۔ مسجد تو درحقیقت اصل دینی درسگاہ ہے، اس مرکز کو صرف نماز کی ظاہری صورت کے لئے مخصوص کر دینے سے اصل مقصد کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہے۔

مگر مسجد میں تعلیم و تعلم کی فضیلت کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ مسجد کو بچوں کا مکتب بنانا یا ایسے جلسے کرنا جن سے مسجد کی بےحرمتی ہو باعث ثواب نہیں بلکہ بہت بری بات ہے فقہا نے لکھا ہے کہ بچوں کو اجرت لیکر مسجد میں قرآن شریف پڑھانا جائز نہیں البتہ بلا اجرت محض ثواب کے لئے بعض فقہا نے اجازت دی ہے۔ وہ بھی جب کہ مسجد کی بےحرمتی کا خطرہ نہ ہو اور بچوں کی موجودگی میں اس کا لحاظ تقریباً ناممکن ہے اس لئے مسجد سے جو سہ دریاں کمرے وغیرہ ہوں۔ ان ہی میں مکتب رکھنا چاہیئے۔

مسجد میں جس علم و تعلیم کی ترغیب ہے وہ جوان اور باشعور آدمیوں کے لئے ہے۔ وہ بھی پورے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔

(۱۴) عن عبداللہ ابن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بمجلسین فی مسجدہ فقال کلاھما علی خیر واحد ھما افضل من صاحبہ اما ھؤلاء فیدعون اللہ

ویرغبون الیہ فان شاء اعطاھم وان شاء منعھم واما
ھٰؤلاء فیتعلمون الفقہ او العلم ویعلمون الجاھل فھم
افضل وانما بعثت معلما ثم جلس فیھم۔

(رواہ الدارمی) مشکوٰۃ صہ ۳۶

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسی دو مجلسوں پر گزر ہوا جو آپ کی مسجد میں ہو رہی تھیں آپ نے فرمایا دونوں بھلائی پر ہیں۔ لیکن ایک ان میں افضل ہے (کیونکہ یہ لوگ تو اللہ تعالےٰ سے دُعا کر رہے ہیں۔ اس کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو دے اور اگر نہ چاہے تو نہ دے اور یہ دوسری جماعت فقہ یا علم دین حاصل کر رہی ہے) یہ لوگ جاہلوں کو علم دین سکھا رہے ہیں۔ اس لئے یہ لوگ بہتر ہیں۔ اور میں تو معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرما کر) خود اس علم والی مجلس میں بیٹھ گئے۔"

اس حدیث سے علم دین حاصل کرنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ علم کی ترغیب میں اور بھی بہت سی روایات ہیں۔ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح ارشاد ہے کہ میں سکھانے والا ہی تو بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے کعبہ بنانے کے وقت اللہ سے دعا کی تھی کہ اے پروردگار ہماری اولاد میں ایسی جماعت پیدا کیجئے جو آپ کی فرمانبردار ہو۔ اسی دُعا میں یہ بھی ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ

ترجمہ :

اے ہمارے پروردگار اور اس جماعت کے اندر ان میں کا ایک ایسا پیغمبر بھی بھیجئے جو ان لوگوں کو آپ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کو پاک کر دے۔ بلاشبہ آپ ہی ہیں غالب القدرت، کامل الانتقام۔

حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری آمد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی دعا کا ظہور ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ آپ سے بڑا معلم کوئی نہیں ہو سکتا۔ آپ نے اللہ کی بتائی ہوئی تعلیمات کو نہایت محنت کے ساتھ لوگوں کو سکھایا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ہر ہر عمل میں آپ کی پیروی کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین

نوٹ :۔ علم کے فضائل کے لئے احقر کی کتاب فضائل علم ملاحظہ فرمائیں۔

دین کی اصل درسگاہ مسجد ہے

آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ارشادات پڑھے جن سے معلوم ہوا کہ مسجدوں میں تعلیم و تعلم وعظ و نصیحت کی مجلسیں منعقد کرنے اور اللہ کے ذکر سے فضائیں معمور کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت وعدے ہیں۔ ان پر دنیا اور آخرت میں انعاماتِ خداوندی کی بارشیں ہوتی ہیں۔ فرشتے ان کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔

اگر ہم مسجد کی اس حیثیت پر نظر ڈالیں اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی سیرت پڑھیں تو ہم کو صاف اور نہایت واضح طور پر نظر آئے گا کہ مسجد ہی وہ مرکزی نقطہ ہے جس کو رشد و ہدایت کا مصدر بنایا گیا ہے اور مسجد

ہی وہ جگہ ہے جہاں سے دین کی ہوائیں اور نبوت کی میراث تقسیم ہوئی۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کفار مکہ نے مدینہ ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تو آپ نے مدینہ منورہ تشریف لاکر مسجد بنائی اور اس مسجدِ نبوی کو ہی رُشد ہدایت کا مرکز بنایا دین حق کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کا درس اولین اسی مسجد کی درسگاہ سے نہ چلا ہو۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی مسجد سے اس طرح وابستہ رکھی کہ ہم کو ماننا پڑے گا کہ وہ جگہ جس کو مسجد بنا لیا جائے یقیناً کسی ایسی خصوصیت کی حامل ہو جاتی ہے جو کسی دوسرے مکان میں نہیں پیدا ہوتی۔ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع سے آخر تک دیکھئے خلفاء راشدینؓ کی زندگیوں کا مطالعہ کیجئے بلکہ پوری امتِ اسلامیہ کے نیک بندوں کی تاریخ دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ مسلمان کی دینی و دنیوی زندگی کا بگاڑ و سدھار اس کے مسجد سے تعلق پر موقوف ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مواعظ وارشاد مسجد میں ہوتے رہے۔ اللہ کا ذکر دینی امور کا تعلیم و تعلم، عبادات و معاملات کے بارے میں ہدایات سبھی کچھ ہوتی رہیں تفصیل سے لکھنے کا نہ موقع ہے اور نہ یہ مختصر سی کتاب اس کی متحمل ہے۔ مگر چند واقعات آپ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں تاکہ آپ اندازہ لگا سکیں کہ مسجد ہی رشد و ہدایت کا اصل مصدر رہی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک وفد آیا۔ ایک صحابی نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وفد کی میزبانی کے فرائض میں انجام دوں۔ آپؐ نے منظور نہیں فرمایا اور ان کو مسجد میں ٹھہرایا اس میں یہی حکمت تھی کہ وہ مسجد کی فضا وہاں کی تعلیم و ذکر کی مجلسیں اور نماز و خطبہ میں صحابہؓ کی محویت و استغراق اور ان حضرات کا اللہ سے تعلق دیکھ سکیں۔

جو حضرات مدینہ منورہ میں مقیم تھے وہ تو خیر کسی وقت بھی دربار نبوت میں استفادہ کرسکتے تھے مگر اسلام کے ان داعیوں کو جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اندرونِ ملک میں روانہ فرماتے ان کو ہدایت دی جاتی کہ لوگوں کو مدینہ منورہ آنے کی ترغیب دیں اور ان کی ترغیب پر آنے والوں میں سے جو لوگ مستقل سکونت مدینہ منورہ میں اختیار کرلیتے وہ براہِ راست مسجد نبوی کی مجالس میں شریک ہوسکتے تھے مگر جو لوگ مستقل طور پر مدینہ منورّہ میں اقامت اختیار نہ کرتے ان کے لئے یہ طریقہ کار تھا کہ چند روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قیام کرکے دین کا علم سیکھ لیں اور پھر اپنے اپنے قبائل میں واپس جاکر ان کو تعلیم دیں اور تعلیم دینا اگرچہ زبان و مکان میں مقید نہ تھا مگر اس کے مراکز عموماً مسجدیں ہی ہوتی تھیں اور جہاں کہیں بھی اسلام پھیلتا وہاں مسجد بن جاتی تاکہ دین کا تعلم و تعلیم جاری رہے۔ حدیث کی کتابوں میں بہت سی مساجد کے نام ملتے ہیں۔

چونکہ اس زمانے میں مسجد بنانے کا مقصد کوئی محل تیار کرنا نہیں تھا بلکہ مقصود ایک دینی مرکز بنانا ہوتا تھا اس لئے مسجدیں سادہ ہی بنائی جاتی تھیں۔ ان کا ایک بڑا حصہ گو اس وقت موجود نہیں ہے مگر ان سے جو ہدایت کی انسانیت کی کرنیں پھوٹی تھیں وہ آج تک موجود ہیں۔ مساجد کی تعمیر صرف مدینہ منورّہ کے باہر ہی نہیں ہوئی بلکہ جوں جوں ضرورت بڑھتی گئی خود مدینہ منورہ میں بھی مسجدیں بنتی گئیں اس لئے کہ ظاہر ہے کہ ہر شخص کو مسجد نبوی میں آنے پر مجبور کرنا الدین یسر (دین آسان ہے) کے خلاف ہے لیکن مسجد جہاں بھی تھی اسلام کا رُوحانی و دینی و تعلیمی مرکز تھی۔ اماموں کے تعین میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ جماعت کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ کلام اللہ جاننے والا ہو اگر اس میں سب برابر ہوں تو جو سنتِ رسول اللہ کا سب سے زیادہ علم رکھتا ہو۔ اس مسئلہ میں

فقہاء نے بڑی بڑی کڑی شرطیں مقرر کیں خوب موشگافیاں کی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے امامت و مسجد کی اصل روح کو محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کی ہے اور چاہا ہے کہ مسجدیں اور ان میں ہونے والی نمازیں کھوکھلی نہ ہوں بلکہ ان میں روح باقی رہے بات طویل ہو رہی ہے مگر اصحاب صُفّہ کا ذکر کیے بغیر بات ختم کرنے کو جی نہیں چاہتا۔

صفہ مسجد نبوی کے قریب ایک چبوترہ تھا، اس پر کچھ اللہ کے نیک بندے رہا کرتے تھے جن کی زندگی کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ مسجد سے وابستہ رہیں اور علم دین حاصل کرتے رہیں۔ ان حضرات پر لبا اوقات کئی کئی وقت کے فاقہ گزر جاتے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میری حالت بھوک سے ایسی ہو جاتی کہ کبھی پیٹ کے بل پڑا رہتا اور کبھی پیٹ پر پتھر باندھ لیتا۔

مگر اس کے باوجود ان حضرات کو یہ گوارہ نہ تھا کہ دربار نبوتؐ چھوڑ کر کہیں چلے جائیں۔ ان کو یقین تھا کہ جو کچھ ہے وہ بس اسی آستانہ پر ہے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مسجد صرف نماز پڑھنے کی ہی جگہ نہیں ہے، بلکہ وہ تو ایسا دینی و علمی سرچشمہ ہے جہاں سے علوم و تقویٰ کے فوارے چھوٹتے ہیں۔

(سرورِ کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیغام حق پہنچایا اور جو زندگی آپؐ نے اور آپؐ کے جاں نثاروں نے اختیار فرمائی اس کو اس امت میں اللہ کے نیک بندے سمجھتے رہے اور عملی طور پر اس کی تبلیغ فرماتے رہے اگر امت کی اصلاح کی تاریخ دیکھیے کو نظر آئے گا کہ اللہ کے جس بندے نے بھی امت کے افراد میں دینی تبدیلی کی محنت کی۔ اس کی زندگی مسجد سے پوری طرح وابستہ رہی ہے بلکہ آج بھی جتنے دینی مدارس نظر آ رہے ہیں۔ ان کی یا ابتدا مساجد سے ہوئی یا کم از کم ایسے حضرات کی مرہونِ منت ہے جن کی زندگی مسجدوں والی زندگی تھی جنہوں نے اچھی طرح سمجھا تھا، کہ نبوت کی میراث کیا ہے اور وہ کہاں ملے گی،

اس میراث کا مخزن کہاں ہے اور اس کو حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے ان کی سمجھ میں آگیا تھا کہ مسجد ہی اسلام کی اولین درسگاہ ہے یہی آخری پناہ گاہ ہے، یہی وہ جگہ ہے جہاں سے علم وعرفان کے چشمے پھوٹے یہی وہ مکان ہے جہاں سے رشد وہدایت کی ہوا چلی اور اب بھی ان نعمتوں کا خزانہ مسجد ہی ہے۔ اس سے قطع نظر کرکے دین نہیں مل سکتا دینی روح نہیں پیدا ہو سکتی۔

مسجدوں میں بچوں کو لے جانا

(۱۵) عن واثلة بن الاسقع ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وشراءکم وبیعکم وخصوماتکم ورفع اصواتکم واقامة حدودکم وسل سیوفکم واتخذوا علی ابوابها المطاهر۔

(ابن ماجة)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی مسجدوں کو بچوں اور پاگلوں سے بچایا کرو۔ ان میں خرید وفروخت، لڑائی جھگڑا، اور شور وغل نہ کیا کرو۔ ان میں حدود قائم نہ کیا کرو، تلواریں نہ سونتا کرو اور ان کے دروازوں پر طہارت خانے بنواؤ۔

گمشدہ چیز مسجد میں تلاش کرنا

(۱۶) عن ابی هريرة رضـ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول من سمع رجلاً ینشد ضالة فی المسجد فلیقل لا ردها اللہ علیها فان المساجد لم

تبین لھذا رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص۶۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جو آدمی مسجد میں کسی شخص کو کسی گم شدہ چیز کی تلاش کرتا ہوا سنے تو سننے والے کو کہنا چاہیئے کہ اللہ کرے تجھے وہ چیز نہ ملے۔ کیونکہ مسجدیں اس کام کے لئے نہیں بنائی گئیں۔

مسجد میں خرید و فروخت کی ممانعت

(۱۷) عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رض ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نھی عن الشراء والبیع فی المسجد ان تنشد فیہ ضالۃ وینشد فیہ شعر الحدیث۔

(ابوداؤد تلخیص ص۹۳ ج۶)

عمرو بن شعیب رض اپنے والد صاحب کے واسطے سے اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں خرید و فروخت کرنے گم شدہ چیز کو تلاش کرنے اور شعر پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

ان تینوں حدیثوں میں مسجد کا احترام کرنے اس کو پاک و صاف رکھنے کی تاکید ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے اگر مسجدوں میں لائے جائیں گے تو وہاں گندگی پھیلائیں گے کوئی پیشاب کرے گا کوئی پاخانہ، اسی طرح پاگل کو بھی کوئی تمیز نہیں ہوتی وہ اچھی بری بات میں فرق نہیں کر سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ مسجد میں کوئی گندگی پھیلائے کسی قسم کا نقصان پہنچائے، کسی سے لڑ بیٹھے، شور مچائے اور کسی قسم کی نامناسب حرکت کر بیٹھے جو مسجد کے احترام کے خلاف ہو مسجد میں شور مچانا بہت بری بات ہے، سائب بن

یزید کی حدیث آگے آرہی ہے جس میں حضرت عمرؓ نے دو آدمیوں کو مسجد میں بلند آواز سے بولنے پر سخت تنبیہ فرمائی۔

اسی طرح مسجدیں چوپال نہیں، کلب یا جلسہ گاہیں نہیں ہیں کہ وہاں آپ اپنی دنیا بھر کی ضرورتیں شروع کر دیں۔ نماز کی طرف تو کوئی توجہ نہ ہو۔ علم و ذکر کی کوئی پرواہ نہ ہو مگر گمشدہ چیزوں کی تلاش کے لئے اعلان شروع کر دیں یہ بہت بری بات ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ مسجد ایسے کاموں کے لئے نہیں بنائی گئیں، بلکہ آپ نے اسقدر تاکید فرمائی کہ اگر کوئی مسجد کی اس طرح بے حرمتی کرے تو اس کو یہی کہو کہ تجھ کو وہ چیز ہی نہ ملے۔

البتہ اگر کسی کی کوئی چیز مسجد میں ہی رہ گئی ہو تو اس کے لئے علماء نے لکھا ہے کہ ایسی چیز کو مسجد میں لوگوں سے مسجد کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے دریافت کر سکتا ہے اور مسجد میں اعلان بھی کر سکتا ہے۔

مسجد میں خرید و فروخت کرنا یا شعر و شاعری کی آزاد مجلسیں جمانا بالکل ناجائز ہے۔ مسجدیں اللہ کے ذکر اور علم و دین کے لئے ہیں کوئی تجارتی منڈی نہیں مسجد تو آخرت کا بازار ہے دنیا کا بازار نہیں۔ یہاں خرید و فروخت کا مطلب تو یہ ہو جائے گا کہ دنیا کی چیزوں کا رتبہ آخرت کی نعمتوں سے بڑا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ یہاں آخرت کی نعمتیں ملتی ہیں اور ہم ان کو چھوڑ کر دنیوی گندگیاں لینے لگیں۔

اشعار کے معاملہ میں آج کل لوگ بڑی زیادتی کرتے ہیں اور چونکہ بعض روایات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد میں اشعار سننا آیا ہے اسلئے اسکو حجت بنا کر مسجدوں کو شعر و شاعری کا ایسا اکھاڑا بنا دیتے ہیں کہ خدا کی پناہ یہ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے کہ کیسے اشعار کی مخالفت ہے اور کیسے جائز ہیں اور جواز کی شرطیں کیا ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اول تو صحابہؓ خود ہی ہر چیز کا اسقدر احترام کرتے

تھے کہ ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ بس ایک مرتبہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منشأ کا علم ہوا پس پھر دنیا کی کوئی طاقت، نفس کا کوئی جذبہ انکو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کے خلاف کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا تھا۔

دوسرے یہ کہ فقہاء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کو پڑھ کر مسجد میں نصیحت و وعظ یا نعتیہ اشعار پڑھنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ مسجد کی بے حرمتی نہ ہو، نمازیوں اور ذکر وشغل کرنے والوں کو اس سے تکلیف نہ ہو آجکل جیسی طوفانِ بے تمیزی مچانے کی ہرگز اجازت نہیں، جس سے مسجد مسجد نہیں رہتی بلکہ بزمِ نغمہ وطرب بن جاتی ہے۔

حدود نہ قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مجرموں کی شرعی سزائیں مسجدوں میں نہ دیا کرو کہ یہ بھی اللہ کے گھر کے احترام کے خلاف ہے، دروازوں پر طہارتخانہ بنوایا کرو یعنی وضو و استنجا کا انتظام اس جگہ سے جہاں نماز ہوتی ہے اتنا الگ ہو کہ مسجد کی بے حرمتی نہ ہو اور کسی گندگی یا ناپاکی کے مسجد میں منتقل ہونے کا احتمال نہ ہو۔

مسجد میں شور وغل مچانے کی ممانعت

(۱۸) عن السائب بن یزید الصحابی رضی اللہ عنہ قال کنت قائما فی المسجد فحصبنی رجل فنظرت فاذا ھو عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال اذھب فاتنی بھذین فجئتہ بھما فقال ممن انتما او من این انتما قالا من اھل الطائف قال لو کنتما من اھل المدینہ لاوجعتکما ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(رواہ البخاری) مشکوٰۃ ص۶۹

سائب ابن یزیدؓ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں سو رہا تھا کہ ایک آدمی نے مجھے کنکری ماری میں نے دیکھا تو حضرت عمر بن خطابؓ تھے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا جاؤ ان دونوں آدمیوں کو میرے پاس لے کر آؤ میں انھیں بلا لایا۔ حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا تم کہاں کے ہو؟ انہوں نے جواب دیا طائف کے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تم اسی شہر کے ہوتے تو میں تم کو مزہ چکھاتا تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں شور مچا رہے تھے (باتیں کرنے میں آوازیں بلند کر رہے تھے۔)

چونکہ یہ حضرات مقامی نہ تھے بلکہ باہر سے آئے ہوئے مہمان تھے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زیادہ رہنے کا اتفاق نہ ہوا ہوگا اس لئے حضرت عمرؓ نے صرف تنبیہ فرما کر چھوڑ دیا یا مہمان ہونے کی وجہ سے رعایت کی۔ مسجد کے احترام میں بعض بزرگوں سے تو یہ بھی منقول ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے ہوئے ان پر خوف کی وجہ سے کپکپی طاری ہو جاتی تھی کہ خانہ خدا میں جا رہے ہیں کوئی بے ادبی نہ ہو جائے۔

(حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دیہاتی اور ناواقف آدمیوں سے فوراً سخت برتاؤ نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ نرمی سے پہلے ان کو سکھانا چاہیئے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی مبارک مجلس میں دیہاتی حضرات بسا اوقات اپنی سادگی سے ایسی باتیں کہہ دیتے تھے یا ایسی حرکتیں کر گزرتے جو تربیت یافتہ صحابہؓ کو بہت ناگوار گزرتیں، مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم تحمل فرماتے)

مسجد میں صاف ستھرا ہو کر جانا

(۱۹) عن جابرؓ قال قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم من اکل ثوما او بصلا فلیعتزلنا او فلیعتزل مسجدنا (متفق علیہ

وفی روایۃ لمسلم) من اکل البصل والثوم والکراث فلا یقربن مسجدنا فان الملٰئکۃ تتاذی مما یتاذی منہ الانس۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص پیاز یا لہسن کھائے اس کو چاہیئے کہ ہم سے (یا فرمایا) ہماری مسجد سے جُدا رہے اور مسلم کی روایت میں ہے کہ جو پیاز لہسن کھائے اسکو چاہیئے کہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کیونکہ فرشتوں کو بھی ان چیزوں سے اذیت ہوتی ہے جن سے انسانوں کو اذیت ہوتی ہے۔

(۲۰) وعن عمر بن الخطابؓ انہ خطب یوم الجمعۃ فقال فی خطبتہ: ثم انکم ایھا الناس تاکلون شجرتین لا اراھما الا خبیثتین البصل والثوم لقد رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا وجد ریحھما من الرجل فی المسجد امر بہ فاخرج الی البقیع فمن اکلھما فلیمتھما طبخا (مسلم)

حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک مرتبہ جمعہ کا خطبہ دیا تو اس میں کہا اے لوگو تم ایسے دو درخت کھاتے ہو جو میرے نزدیک گندے ہی گندے ہیں۔ لہسن اور پیاز۔ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ جب آپؐ کو ان دونوں چیزوں کی بدبو کسی سے آتی تھی تو آپؐ اسکو باہر بقیع میں نکلوا دیا کرتے تھے۔ اس لئے جو بھی انکو کھانا چاہے اس کو چاہیئے کہ ان کو پکا کر ان کی (بدبو) کو مار دے۔

مسجد کو صاف رکھنا

(۲۱) عن انسؓ ان رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم قال البزاق فی المسجد خطیئۃ وکفارتھا دفنھا۔

(متفق علیہ مشکوٰۃ ۲۱ ص۶)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد میں تھوکنا غلطی ہے اور اس کا کفارہ اس کا دفن کر دینا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلے اللّٰہ علیہ وسلم مسجد کے احترام کی کس قدر تاکید فرماتے تھے۔ پیاز لہسن کی ہی تخصیص نہیں بلکہ ہر بدبودار چیز اسی حکم میں ہے۔ بیڑی، سگریٹ حقہ وغیرہ سب اسی درجہ میں ہیں بلکہ فقہا نے لکھا ہے کہ جو گندہ دہن ہوں جیسے منہ سے بدبو آتی ہو انکو بھی مسجد میں داخل ہونے سے پہلے منہ اچھی طرح صاف کر لینا چاہیئے۔

اسی طرح حضرت انسؓ والی حدیث کا مقصد یہ نہیں ہے کہ صرف تھوکنے ہی کی ممانعت ہے بلکہ ہر گندگی اسی حکم میں آتی ہے۔ دفن کر دینے کا مقصد یہ ہے کہ اسکو وہاں سے ہٹا کر صاف کر دے۔ اب پختہ فرش ہوتے ہیں اس کو صاف کر دینا چاہیئے۔ پہلے ریت ہی ریت ہوتی تھی اسکو دھو کر صاف نہیں کیا جا سکتا تھا۔

(۲۲) عن عائشۃؓ ان رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم رای فی جدار القبلۃ مخاطا او بزاقا او نخامۃ فحکہ (متفق علیہ تلخیص ص۹۲)

حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم نے (مسجد کی) قبلہ والی دیوار میں تھوک یا بلغم یا ناک کی رینٹ میں سے کوئی چیز دیکھی تو آپ نے اس کو رگڑ کر صاف فرما دیا۔

(۲۳) عن انسؓ ان رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم قال ان ھذہ

المساجد لا تصلح لشئ من هذا البول ولا القذر انما هی لذکر اللہ تعالیٰ قراءۃ القرآن او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مسجدیں پیشاب گندگی وغیرہ کی متحمل نہیں ہیں یہ تو صرف اللہ کے ذکر اور قرآن کی تلاوت کیلئے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہم نے ان حضرات کیلئے نقل کی ہے جو غلط قسم کی بڑائی میں مبتلا ہیں۔ مسجد کی صفائی کرنا یا اس کی خدمت کرنا اپنی توہین سمجھتے ہیں عبرت کا مقام ہے کہ سرور کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو دوسروں کے تھوک سنک صاف کرنے میں شرم محسوس نہ فرمائیں اور ہم مسجد میں صف بچھانے یا جھاڑو دینے تک میں اپنی توہین سمجھیں۔

یہی ایک واقعہ نہیں بلکہ سیرت و حدیث کی کتابیں اس قسم کے ہزاروں واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد جب مسجد نبوی کی تعمیر شروع ہوئی تو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح خود بھی اس تعمیر میں شریک تھے۔ اپنے دست مبارک سے اینٹ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے صحابہ رضی اللہ عنہم عرض کرتے کہ ہماری جانیں آپ پر قربان آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں۔ مگر آپ راضی نہ ہوئے خود بھی مزدوروں کی طرح کام کرتے۔

یہاں کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ کسی نے مسجد میں کیوں تھوک دیا تھا۔ بات یہ ہے کہ قوم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اس قدر جاہل اور ناواقف تھی کہ اسکو موٹی موٹی باتوں کی بھی خبر نہ تھی وہ جانتے ہی نہ تھے کہ مسجد کے آداب کیا ہیں اس کا کیا رتبہ ہے جس طرح آپ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تدریجاً احکام بتاتے گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اس پر

عمل کرتے گئے اور ان کی تربیت ہوتی گئی۔ پھر ایسی کامل و مکمل ہستیاں ہوئیں کہ آج تک دنیا حیران ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے اتباع کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین!

اسی طرح حضرت انسؓ والی حدیث ہے۔ اور اس زمانہ کی مسجد آج کل کی مسجدوں جیسا کوئی عظیم الشان محل تو تھا نہیں جس کو دیکھ کر آدمی گھبرا جائے کہ یہ کیا چیز ہے۔ سیدھی سادی کچی کھجور والی مسجد تھی۔ اس کا فرش ایسا رہتا تھا جیسی عام زمین ہوتی ہے۔

اور دوسرے پہلو سے دیکھئے تو آج اس دور میں بھی جب انسان کو متمدن بنایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس نے تہذیب و تمیز سیکھ لی ہے۔ انسان اپنی ان بشری غلطیوں سے خالی نہیں ہے۔ ہزارہا آدمی مسجد میں بیٹھے ہوئے ناخن، ایڑیاں یا داڑھی نوچتے یا کان و ناک میں انگلیاں ڈالتے رہتے ہیں۔ یہ سب باتیں آداب مسجد اور اس کے احترام کے خلاف ہیں۔ حالانکہ اس قسم کی بے حرکتیں کرنے والوں میں ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو یہ مسائل جانتے ہیں۔

لاپرواہی اور بے حرمتی پر وعید

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَا اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔

اور اس شخص سے زیادہ ظالم اور کون ہوگا جو خدا تعالیٰ کی مسجدوں میں ان کا ذکر کئے جانے سے بندش کرے اور ان کے ویران ہونے میں

کوشش کرے ان لوگوں کو تو کبھی بے ہیبت ہوکر ان میں قدم بھی نہ رکھنا چاہیئے۔ ان لوگوں کی دنیا میں رسوائی ہوگی اور ان کو آخرت میں بھی سزائے عظیم ہوگی۔

اس آیت کے بارے میں مفسرین کے مختلف قول ہیں کہ مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی یا نصاریٰ کے بارے میں بہرحال جس کسی کے بارے میں بھی نازل ہو حکم عام ہے اور ہر شخص اس کا مصداق ہے جو مسجدوں میں اللہ کے ذکر سے روکے اور ان کے ویران ہوجانے کی کوشش کرے۔ اب اس ناپاک غرض کیلئے جو راستہ بھی اختیار کرے شور وشغب مچاکر لوگوں کو مسجدوں سے روکے یا کوئی لہو ولعب کھڑا کرکے لوگوں کی توجہ مسجد سے ہٹائے یا خود مسجد میں ایسے حالات پیدا کرے جو اللہ کا ذکر کرنے میں حائل ہوں مسجد کے ویران کردینے سے صرف یہی مطلب نہیں ہوگا کہ وہ اس کو گرادے یا منہدم کردے بلکہ جب مسجد کو اصل غرض وغایت یعنی نماز و ذکر سے خالی کردیا خواہ کسی طریقہ سے خالی کیا ہو وہ ویران ہوئی اس پر اس وعید کے منطبق ہوجانے کا خطرہ ہے اسلئے مسجد میں کوئی ایسی بات نہیں کرنا چاہیئے جس سے مسجد والے اعمال اور معمولات میں خلل واقع ہو۔ کیوں کہ جو لوگ ایسی حرکت کے مرتکب ہوں گے ان کے لئے دنیا وآخرت میں رسوائی ہی رسوائی ہے۔ جیساکہ اوپر کی آیت سے ظاہر ہے۔ اللہ جل شانہ ہم سب کو محفوظ رکھے۔

اس آیت سے یہ بھی واضح ہواکہ مسجد تو ایسی جگہ ہے کہ اس میں بہت خوف وہیبت کے ساتھ داخل ہونا چاہیئے کہ کوئی بے ادبی نہ ہوجائے کوئی بے ضابطہ حرکت نہ ہوجائے کہ یہ رب سے بڑے حاکم کا گھر ہے۔ چنانچہ بزرگوں سے منقول ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت ان پر ایسے خوف وخشیت کا غلبہ ہوتا کہ کانپنے لگتے تھے۔

استاذی حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا متعنا اللہ باطالۃ حیاتہ نے فضائل نماز میں حضرت سالم حداد رحمۃ اللہ کے متعلق لکھا ہے کہ یہ بزرگ جب اذان کی آواز سنتے تو چہرہ زرد ہو جاتا تھا۔ دکان کھلے چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے اور عربی اشعار پڑھنے لگتے

۱۔ اذا ما دعا دعا منادیکم قمت مسرعًا مجیب المولی جل لیس لہ مثل

۲۔ اجیب اذا نادٰی بسمع وطاعۃ وبی نشاط لبیک یا من لہ الفضل

۳۔ ویصفر لونی خیفۃ ومھابۃ ویرجع بی عن کل شغل بہ شغل

۴۔ وحقکم ما لذلی غیر ذکرکم وذکر سواکم فی فمی قط لا یحلو

۵۔ متٰی یجمع الایام بینی وبینکم ولیفرح مشتاق اذا جمع الشمل

۶۔ فمن شاھدت عیناہ نور جمالکم یموت اشتیاقا نحوکم قط لا یسلو

ترجمہ: ۱۔ جب تمہارا منادی (مؤذن) پکارنے کے واسطے کھڑا ہو جاتا ہے تو میں جلدی سے کھڑا ہو جاتا ہوں۔ ایسے مالک کی پکار کو قبول کرتے ہوئے جس کی بڑی شان ہے اس کا کوئی مثل نہیں ہے۔

۲۔ جب وہ منادی (مؤذن) پکارتا ہے تو میں بحالت نشاط اطاعت اور فرمانبرداری کے ساتھ جواب میں کہتا ہوں کہ اسے فضل و بزرگی والے لبیک (حاضر ہوتا ہوں)

۳۔ اور میرا رنگ خوف اور ہیبت سے زرد پڑ جاتا ہے اور اس پاک ذات کی مشغولی مجھے ہر کام سے بے خبر کر دیتی ہے۔

۴۔ تمہارے حق کی قسم تمہارے ذکر کے سوا مجھے کوئی چیز بھی لذیذ معلوم نہیں ہوتی اور تمہارے سوا مجھے کسی کے ذکر میں مزہ نہیں آتا۔

۵۔ دیکھئے زمانہ مجھ کو اور تم کو آپس میں کب جمع کرے گا اور مشتاق تو جب ہی خوش ہوتا ہے جب اجتماع نصیب ہوتا ہے۔

۶۔ جس کی آنکھوں نے تمہارے جمال کا نور دیکھ لیا ہے وہ اشتیاق میں مرجائے گا۔ کبھی تسلی نہیں پا سکتا۔

مسجدوں پر غیر ضروری خرچ

(۲۴) عن انسؓ قال قال رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم ان من اشراط الساعۃ ان یتباھی الناس فی المساجد (رواہ ابوداؤد، والنسائی، ومشکوٰۃ ص۶۹)

(حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کی علامتوں میں سے یہ (بھی) ہے کہ لوگ مسجدوں کے بارے میں فخر کرنے لگیں گے۔

مسجدوں کے بارے میں فخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان انکی عمارتوں کی ظاہری زیب و زینت اور سجاوٹ و آرائش پر فخر کرنے لگیں۔ مسجد جن کاموں کے لئے بنائی جاتی ہے وہ اعمال تو مقصود نہ رہیں؟ بلکہ مقصود مسجد کی عمارت اور زیب و زینت ہی ہو جائے اور آپس میں اس پر مسابقت شروع ہو جائے کہ دیکھیں مسجد کون شاندار بناتا ہے۔ اسکی تعمیر پر کون روپیہ زیادہ صرف کرتا ہے۔ اس سے تو کوئی بحث نہ رہے کہ ان مسجدوں میں کوئی نماز پڑھنے بھی آتا ہے یا نہیں؟ ان میں کوئی اللہ کا بندہ ذکر بھی کرتا ہے یا نہیں۔ یہاں دین کی کوئی بات بھی بتائی جاتی ہے یا نہیں۔ مسجد کا جو اصل مقصد ہے وہ بھی حاصل ہو رہا ہے یا نہیں۔ اس کا تو کوئی خیال نہ ہو بلکہ دولت کی نمود و نمائش کا ذریعہ مسجد کو بنا لیا جائے۔ آجکل یہ وبا عام ہوگئی ہے اور خصوصاً دولت مند طبقہ تو اس بیماری میں کثرت سے مبتلا ہے۔ وہ مسجدوں کی زیب و زینت کے لئے چندہ تو آسانی سے لے دے

سکتا ہے مگر خود اپنے ذکر و علم سے اس کو معمور کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔
مساجد کو منقش و مزین بنانے پر تو وہ متوجہ ہو جاتا ہے مگر اس پر کبھی غور نہیں کرتا کہ مسجد حقیقی معنی میں آباد ہے بھی یا نہیں کوئی نماز میں بھی آتا ہے یا نہیں وہ خود ہی آنا پسند نہیں کرتا اس کی توجہ اس بات کی طرف نہیں ہوتی کہ مسجد کی آبادی کے لئے خود اس کی حاضری اس کے مال سے زیادہ ضروری ہے وہ سمجھتا ہے کہ مسجد کے نام سے ایک فلک بوس عمارت بنا کر اس کو اس زمانہ کے سامان راحت سے مزین کر دیا تو اپنے فرائض سے سبکدوش ہو گیا اور اس کو اس محل پر فخر کرنے کا حق ہو گیا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ اس کے لئے مسجد میں آنا ذکر و صلوٰۃ سے مسجد کو آباد کرنا اسی طرح ضروری جس طرح ایک عام مزدور کے لئے۔

مسجد کی غیر ضروری زیب و زینت اور ان پر مصارف کی کثرت اللہ کے یہاں محمود نہیں بلکہ مبغوض ہے۔ حضرت عمرؓ کی حدیث آگے آ رہی ہے جسمیں صاف صاف تصریح ہے کہ جب کسی قوم کے حالات خراب ہوتے ہیں (اور وہ تباہی کی طرف جاتی ہے) تو مسجدوں کو سجانے لگتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث اس سے بھی زیادہ واضح آ رہی ہے کہ جب کوئی قوم اپنی مسجدوں کو سجانے لگتی ہے یعنی اس کی ظاہری ٹیپ ٹاپ زینت ہی اس کا مقصود بن جاتا ہے تو سمجھ لو کہ اس کی تباہی قریب آ گئی ہے۔

ان احادیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسجدوں کی تعمیر و اصلاح سے بالکل ہی غفلت اختیار کر لیجائے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اصل غرض عبادت اور عابدوں سے سہولت فراہم کرنا ہو نہ کہ دولت کی نمود و نمائش۔

مسجدوں میں دنیوی بات چیت

(۲۵) عن الحسن مرسلاً قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یاتی علی النّاس زمان یکون حدیثھم فی مساجدھم فی امر دنیاھم فلا تجالسوھم فلیس للہ فیھم حاجۃ ۔

(رواہ البیہقی) مشکوٰۃ ص۷۱)

حضرت حسنؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ مسجدیں ان کی بات چیت کا موضوع انکے دنیوی معاملات ہوں گے۔ ایسے لوگوں کے پاس نہ بیٹھنا۔ اللہ کو انکی کوئی ضرورت نہیں۔

پہلے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آچکا ہے کہ مسجدیں اللہ کے ذکر اور قرآن شریف کی تلاوت کیلئے ہیں۔ یعنی اللہ کی عبادت کے لئے ہیں، یہ کوئی اجتماعی تفریح گاہیں یا پبلک پارک نہیں ہیں۔ جیسا کہ آج کل کچھ لوگ سمجھنے لگے ہیں۔ اس خانۂ خدا کو کسی دنیوی غرض میں استعمال کرنا اللہ کی ناراضی کا سبب ہے۔ یہ تو ایسا دربار ہے جس کا جتنا احترام کیا جائے کم ہے۔ یہاں جو بھی عبادت کے لئے آتا ہے وہ اللہ کا مہمان ہوتا ہے۔ اس کو اگر تکلیف ہو گی تو اللہ ناراض ہو گا۔ اسی وجہ اگر کسی نمازی کی نماز میں خلل ہوتا ہو تو بلند آواز سے ذکر و تلاوت بھی نہ کرنا بہتر ہے۔

دیکھئے مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے پر کس قدر سخت وعید ہے۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کی اللہ کو کوئی ضرورت نہیں جو مسجد اور بازار میں فرق نہ کر سکیں وہ اللہ تعالیٰ کی مہمانی قبول کرنے سے منکر ہیں بعض علماء نے

لکھا ہے کہ جو لوگ مسجدوں میں دنیا کی باتیں کرتے ہیں اور ان کو اپنے ہنسی مذاق کا مرکز بناتے ہیں وہ نماز پڑھنے والے فرشتوں اور انسانوں کے ذکر و شغل میں مخل ہوتے ہیں اور خطرہ ہے کہ وہ ومن اظلم ممن منع الایۃ والی وعید میں نہ داخل ہو جائیں کیوں کہ کفار نے مسجد حرام پر قفل توڈال نہیں دیا تھا۔ یا اس کو منہدم نہیں کر دیا تھا بلکہ اس قسم کے اسباب پیدا کر دیئے تھے جو ذکر اللہ میں حارج ہوئے۔ بس یہی مسجد کی ویرانی ہے۔ کیونکہ مسجد کی آبادی تو ذکر و نماز سے ہے نہ کہ ہنگامہ، شور و غوغا سے افسوس ہے کہ آج کل اس سلسلہ میں ہر طبقہ غفلت کرتا ہے۔ پڑھے لکھے آدمی بھی اس کا لحاظ نہیں رکھتے دنیا بھر کے موضوع ان کو مسجدوں ہی میں یاد آتے ہیں۔ فقہا نے مسجد میں ضرورت کی بنا پر آہستہ سے بہت ضروری بات کہنے کی اجازت دی ہے۔ مگر اس کو بہانہ بنا کر مسجدوں کو میدان مناظرہ یا تفریح کا میدان بنانا بہت ہی سخت غلطی ہے۔

مسجدوں کی غیر ضروری زیب و زینت

(۲۶) عن عمر بن الخطاب رضی قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ما ساء عمل قوم قط الا زخرفوا مساجدھم

(ابن ماجہ)

حضرت عمر فاروق رضی کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی قوم کے حالات خراب ہونے لگتے ہیں تو وہ اپنی مسجدیں سجانے لگتے ہیں۔

(۲۷) عن ابن عباس رضی قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اراکم ستشرفون مساجدکم بعدی کما شرفت الیہود

کما زخرفت الیہود والنصاریٰ بیعھا۔

(ابن ماجہ)

رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ میرے بعد تم مسجدوں کو اسی طرح سجاؤ گے جس طرح یہود و نصاریٰ اپنے گرجاؤں کو سجاتے ہیں۔

۱۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اپنی مسجدوں اور قرآن کو سجانے لگو تو سمجھو تمہاری تباہی قریب آگئی ہے۔

ان احادیث سے ظاہر ہے کہ آقائے دو جہاں صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجدوں کی ظاہری زیب و زینت کو پسند نہیں فرمایا بلکہ ایسا کرنے والوں کو تباہی سے خبردار کیا ہے۔

رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کا ہر ارشاد حکمتوں سے بھرپور ہوتا تھا۔ اصل حکمت کیا ہے اس کو تو خدا اور رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ انکے ہر حکم کو ماننا ضروری ہے خواہ اس کی حکمت و مصلحت سمجھ میں آئے یا نہ آئے مگر احکام شریعت کے جو فوائد ہماری زندگیوں میں ہی ظاہر ہو جاتے ہیں وہ بھی کم نہیں چنانچہ اگر آپ اسی پر غور کریں کہ مساجد کی زیب و زینت کو اس شدت سے آخر کیوں منع فرمایا گیا ہے تو اس حکم کے بہت سے فوائد و حکم سامنے آجائینگے۔ انسان کے فکر و ذہن کا ایسا حال ہے کہ اگر اس کو کسی چیز کی حقیقت سے ذرا ہٹا کر ظاہری شکل و صورت کی طرف متوجہ کر دیا جائے تو حقیقت رفتہ رفتہ اس سے دور ہوتی جاتی ہے اور پھر ایک ایسا وقت آجاتا ہے کہ انسانی ذہن حقیقت سے قطعاً ناآشنا ہو کر ظاہری شکل و صورت کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ لیکن کسی شے کی ظاہری شکل و صورت جو حقیقت سے خالی ہو دوام

وثبات نہیں پا سکتی اس لئے رفتہ رفتہ اس صورت کے نقوش بھی مدھم ہوتے لگتے ہیں اور ذہن ان نقوش سے بھی یکسر خالی ہو جاتا ہے۔ یہ قاعدہ ہر چیز میں جاری ہے چنانچہ مسجد کی بھی ایک ظاہری شکل وصورت ہے کہ نماز کے لئے ایک صاف ستھرا مکان ہو اور ایک اسکی حقیقت ہے کہ علم و ذکر کا مرکز ہو۔ وہ ایسا چشمہ ہو جس سے معرفت و عرفان کے سوتے ابلتے ہوں وہ ایسا دربار ہو جہاں خوفِ خدا کا سچا درس ملتا ہو، وہ ایسا خزانۂ نور ہو کہ جو شخص چاہے اسی خزانہ سے نور و حکمت لے آئے۔

اب اگر آپ حقیقت سے ذرا سی بھی غفلت کر کے اسکی ظاہری شکل وصورت کی تعمیر پر غیر ضروری توجہ دینا شروع کر دیں تو نتیجہ کیا ہوگا! وہی جو معیّن ہے یعنی ظاہری زیب و زینت مقصودِ اصلی کی صورت اختیار کر لے گی۔ ظاہری آرائش و سجاوٹ پر ہی فخر و مباہات ہونے لگے گا، اس کا بھولے سے بھی خیال نہ آئیگا کہ یہ فلک بوس زرنگار عمارت جو ہم نے تیار کی ہے جسکو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اپنے مقصودِ اصلی سے خالی ہے اسکا طویل و عریض ہال نمازیوں سے خالی ہے اس کا لمبا چوڑا صحن عبادت گزاروں کا منتظر ہے۔ اسکی دیواریں اللہ کے ذکر کی بھوکی ہیں اسکے اندر سے گذرنے والی ہوائیں علم دین کی پیاس لے کر آتی ہیں، اللہ کی طرف سے فرشتے جن نعمتوں کو لے کر آتے ہیں وہ کس کو دیں کس کی تواضع کریں۔ ان برکتوں کو لینے والے تو یہاں نہیں ہیں اب کیا کریں نعمتیں اور برکتیں واپس لے جائیں۔

ہادیٔ برحق ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کسی قوم کے حالات خراب ہوتے ہیں تو وہ مسجدیں سجانے لگتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب حقیقت نہ رہی تو بناہی ہی تباہی ہے اسی لئے مسجدوں کی آرائش وسجاوٹ پر اتنی توجہ دینی چاہیئے جتنی ضروری ہے اور اصلی مقصد سے غفلت کا سبب نہ بنے مساجد کی غیر ضروری زیب و زینت تباہی کا پیش خیمہ بن سکتی ہے کیونکہ چھلکے کو رنگین کر دینے سے اندر کا گودا رنگین نہیں ہو جاتا۔

جب مسجد سے اس کی روح یعنی علم و ذکر اور خشوع و خضوع والی نمازیں رخصت ہوجائیں تو تباہی نہیں آئے گی تو کیا آئے گا۔ اس سے بھی زیادہ واضح اگلی حدیث ہے۔

(۲۸) عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یوشک ان یاتی علی الناس زمان لا یبقی من الاسلام الا اسمہ ولا یبقی من القرآن الا رسمہ مساجدھم عامرۃ وھی خراب من الھدی علماؤھم شر من تحت ادیم السماء من عندھم تخرج الفتنۃ وفیھم تعود۔

(رواہ البیہقی)

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب ہی لوگوں پر ایسا وقت آئیگا کہ اسلام کا صرف نام ہی باقی رہے گا اور قرآن کریم کے صرف نقوش باقی رہیں گے ان کی مسجدیں بظاہر آباد (معلوم) ہوں گی مگر (حقیقت میں) ہدایت سے (خالی اور) ویران ہوں گی ان لوگوں کے علماء آسمان کے نیچے بسنے والی مخلوق میں سب سے بدتر لوگ ہوں گے۔ انھیں علماء سے فتنہ پیدا ہوگا اور فتنہ انہیں میں لوٹ آئے گا۔

اگر ہم دیانت داری کے ساتھ اپنی زندگی کا جائزہ لیں اپنے دلوں کو ٹٹول کر دیکھیں تو ہم اس سے انکار نہیں کرسکتے کہ آج حقیقتاً وہ وقت آچکا ہے جس کی خبر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے دے دی تھی ہمارے پاس اسلام کی صرف ظاہری شکل وصورت ہے بلکہ وہ بھی پوری نہیں۔
قرآن شریف ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں روزانہ چھپ رہے ہیں فروخت ہو رہے

ہیں مختلف سائز میں عمدہ عمدہ کاغذوں پر بہترین نقش و نگار، رنگ برنگے بیل بوٹوں کے طرح طرح کے قرآن شریف موجود ہیں اور الحمد للہ روز بروز ان کی تعداد میں اضافہ ہی ہے۔ مگر کیا قرآن شریف کی روح ہمارے اندر باقی ہے۔ کیا ہم قرآن شریف کے صرف نقوش ہی پر اکتفا نہیں کرتے کیا ہم اس کی روح پر توجہ دیتے ہیں۔؟

مساجد کے بارے میں تو ہم اس سے بھی آگے گذر چکے ہیں۔ ہماری مسجدوں میں حقیقت تو کیا ہوتی اب تو ان میں نمازی بھی ناپید ہو چکے ہیں۔ حدیث میں علماء کا بھی ذکر ہے تو اس سلسلے میں کچھ کہنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔

متفرق ضروری باتیں

فرض کی ادائیگی مسجد ہی میں مقصود ہے

ہر عبادت کی طرح نماز کی بھی دو حیثیتیں ہیں

ایک انفرادی دوسری اجتماعی نماز انفرادی طور پر ہر ہر مکلف مسلمان پر فرض ہے۔ وہ گھر میں ہو یا مسجد میں، سفر میں ہو یا حضر میں، تندرست ہو یا بیمار، حاکم ہو یا محکوم، ہر حالت میں اس کے لئے نماز ادا کرنا ضروری ہے دوسری حیثیت اس کی اجتماعی ہے کہ ایک خاص جگہ میں وقت مقرر پر اجتماعی طور پر سب یکجا ہو کر اس فرض کو ادا کریں با جماعت نماز ادا کرنے کی بجد تاکید ہے اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھ لے تو فرض تو اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائیگا اس کو بے نمازی تو نہیں کہا جا سکتا لیکن دین کے احکام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی با جماعت ادائیگی مسجد ہی میں مقصود ہے اور جب تک کوئی قوی عذر نہ ہو مسجد کی حاضری ترک کرنا روح دین کے خلاف ہے۔ ابن قیم زاد المعاد میں لکھتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ فرض نمازیں مسجد ہی میں ادا فرماتے اور جب سفر وغیرہ کا کوئی عذر نہ ہوتا اس کو ترک نہ فرماتے۔ اس کے علاوہ وہ سب احادیث دیکھئے جن میں جماعت کی تاکید کی گئی ہے، پھر وہ احادیث دیکھئے جن میں مسجد کی حاضری پر زور دیا گیا ہے۔ ان سب سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ فرائض کے لئے مسجد میں ہی حاضری مقصود ہے۔ لہٰذا اوقات تو معذورین تک کو بھی مسجد ترک کرنے

کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

ابن ام کلثومؓ نابینا صحابی تھے۔ ایک مرتبہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میں نابینا آدمی ہوں۔ میرا گھر بھی مسجد سے دور ہے مسجد تک لانے کے لئے کوئی آدمی بھی نہیں ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں تو گھر میں ہی نماز ادا کر لیا کروں۔ آپ نے دریافت فرمایا تم اذان سنتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا جی ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تو پھر مسجد ہی میں آیا کرو۔

ایک دوسری روایت میں اسی قسم کا قصہ آیا ہے۔ اس میں ہے کہ ان کی درخواست پر پہلے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمادی مگر ان کے روانہ ہونے کے بعد حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو پھر بلایا اور دریافت فرمایا کہ تم اذان سنتے ہو، اور جب انہوں نے بتایا کہ سنتا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر مسجد میں ہی آیا کرو۔

یہ صحیح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعذار کی وجہ سے مسجد نہ آنے اور گھر میں نماز ادا کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ اور اب بھی فقہاء اعذار کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں، اور جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت منقول نہیں اس کو عزیمت کا درجہ قرار دیتے ہیں لیکن اس سے مسجد میں حاضری کی اہمیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، صحابہ کرام اور ان کے بعد اسلاف کا معمول یہی رہا کہ وہ مسجد میں حاضری کو پوری پوری اہمیت دیتے رہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حال تھا کہ اگر کسی کو مسجد میں نہ پاتے تو اس کے یہاں خود جا کر وجہ دریافت کرتے اور عذر معقول نہ پاتے تو اپنی خفگی کا اظہار فرماتے تھے۔ ایک دن آپ نے کچھ لوگوں کو غیر حاضر پاکر فرمایا کیا بات ہے کہ وہ لوگ جماعت کیلئے مسجد نہیں آتے۔ ان کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی ایسا کرنے لگیں گے۔ انکو معلوم ہونا

چاہیئے کہ یا تو وہ پابندی کے ساتھ مسجد آیا کریں ورنہ میں اُن کی طرف ایسے اشخاص کو بھیجوں گا جو ان کی گردنیں ماردیں گے۔ پھر آپ نے فرمایا جماعت کی نماز کے لئے مسجد میں آیا کرو۔ یہ جملہ آپ نے تین بار فرمایا۔

فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں کہ مسجد میں نماز کے اندر اپنے بھائیوں کو تلاش کرو کہ وہ سب جماعت میں شریک ہیں یا نہیں۔ اگر کسی کو نہ دیکھو تو دریافت کرو۔ خدانخواستہ اگر بیماری کی وجہ سے نہ آئے ہوں تو ان کی عیادت کو جاؤ اور اگر وہ اپنی صحت و تندرستی کے باوجود نہیں آتے ہیں تو ان پر عتاب کرو۔ (احیاء ۱۳۹/۱)

مسجد میں نماز ادا کرنا شعارِ دین ہے

مسجد میں حاضری کی اس قدر تاکید اور اہمیت کے پیش نظر علامہ ابن القیمؒ وغیرہ نے مسجد میں نماز ادا کرنے کو شعار دین قرار دیا ہے۔ بلکہ ابن قیمؒ تو عذر شرعی نہ ہونے کی صورت میں جماعت کی بنا کے لئے مسجد میں حاضری فرض عین قرار دیتے ہیں۔

حضرت اسود کا معمول تھا کہ جب جماعت چھوٹ جاتی تو کسی دوسری مسجد میں جاتے۔ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں بیماری کی شدت کے باوجود جب تک ممکن ہو سکا مسجد میں ~~تشریف~~ لاتے رہے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔

میں نے ارادہ کیا کہ جوانوں کو حکم دوں کہ وہ میرے پاس لکڑیوں کا ڈھیر لگا دیں پھر ان لوگوں کے پاس جاؤں جو اپنے گھروں میں

بلا عذر نماز پڑھتے ہیں اور ان کو گھر سمیت پھونک ڈالوں۔

(ابو داؤد۔ باب التشدید ترک الجماعۃ)

ان تمام روایات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فرائض کا مسجد میں ادا کرنا شعارِ دین ہے۔ مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی ایک طویل حدیث ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ہدایت کے طریقے اور راستے بتائے، ان میں سے یہ بھی ہے کہ نماز اس مسجد میں ادا کی جائے جس میں اذان دی جاتی ہے۔ میں وضاحت اور برکت کے لئے پوری حدیث نقل کرتا ہوں۔

قال عبد اللہ لقد رأیتنا وما یتخلف عن الصلوٰۃ الا منافق قد علم نفاقہ، او مریض ان کان المریض لیمشی بین رجلین حتی یاتی الصلوٰۃ وقال ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم علمنا سنن الھدیٰ وان من سنن الھدیٰ الصلوٰۃ فی المسجد الذی یوذن فیہ۔ وفی روایۃ من سرہ ان یلقی اللہ تعالیٰ غدا مسلما فلیحافظ علی ھولاء الصلوٰت حیث ینادی بھن۔ فان اللہ شرع لنبیکم سنن الھدیٰ وانھن من سنن الھدیٰ ولو انکم صلیتم فی بیوتکم کما یصلی ھذا المتخلف فی بیتہ لترکتم سنۃ نبیکم ولو ترکتم سنۃ نبیکم لضللتم۔ وما من رجل یتطھر فیحسن الطھور ثم یعمد الی مسجد من ھذہ المساجد الا کتب اللہ لہ بکل خطوۃ یخطوھا حسنۃ و یرفعہ بھا درجۃ ویحط عنہ بھا سیئۃ ولقد رایتنا وما یتخلف عنھا الا منافق معلوم النفاق، ولقد کان الرجل یوتیٰ بہ یھادی بین الرجلین

حتیٰ یقام فی الصف۔

حضرت عبد اللہؓ کہتے ہیں بلا شبہ ہمیں معلوم ہے کہ بجز کھلے ہوئے منافق یا بالکل نڈھال بیمار کے اور کوئی جماعت کی نماز سے نہیں بچھڑتا ہے۔ بلکہ جو بیمار بھی ہیں وہ بھی دو شخصوں کے سہارے چل کر نماز کے لئے مسجد میں آتے ہیں اور انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سنن ہدیٰ (ہدایت کے طریقے) کی ہمیں تعلیم فرمائی اور بیشک اس مسجد میں نماز پڑھنا جس میں اذان دیجائے سنن ہدیٰ ہی سے ہے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس کو یہ بات اچھی لگتی ہے کہ وہ کل (موت کے بعد) اللہ تعالےٰ سے حالتِ اسلام پر ملے تو اس کو چاہیئے کہ تمام نمازوں کے لئے جو نہی اذان پکاری جائے مسجد میں حاضری دے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے سنن ہدیٰ کو مشروع فرمایا ہے اور انہی میں سے نمازیں ہیں اور اگر کہیں تم نے بھی منافق کی طرح گھروں میں ہی نماز پڑھ لی تو بالیقین تم نے اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ترک کر دی۔ اور اگر (خدانخواستہ) تم نے ترک سنت کو عادت بنا لیا تو پھر تمہاری گمراہی میں کوئی شبہ نہیں۔ جو بھی خوب پاک صاف ہو کر کسی مسجد کی طرف جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کے لئے اس کے ہر قدم کے بدلے ایک نیکی لکھتا ہے، ایک درجہ بلند کرتا ہے اور ایک گناہ مٹاتا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ بغیر عذر شرعی بجز منافق اور کوئی جماعت کی نماز سے نہیں کتراتا۔ کیونکہ مرد مومن جو دو سروں کے سہارے سے بھی آسکتا ہے تو وہ بھی آتا ہے اور صف میں ملکر نماز پڑھتا ہے۔

مسجد ہی جماعت کی مخصوص فضیلت ہے

ان تمام باتوں سے یہ بھی سمجھ میں آجاتا ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنے کی جو مخصوص فضیلت ہے وہ پوری پوری مسجد میں ہی نماز ادا کرنے سے حاصل ہوتی ہے یعنی جب آدمی مسجد میں جاتا ہے تو بہت سی عبادتیں اس کی نماز کے ساتھ شامل ہو جاتی ہیں جو خارج مسجد با جماعت نماز ادا کرنے سے بھی حاصل نہیں ہوتیں مثلاً :۔

۱۔ اللہ کا مہمان بن جانا، ۲۔ نماز کا انتظار کرنا۔ ۳۔ آنکھ ناک وغیرہ کا غیر ضروری چیزوں سے رُک جانا۔ ۴۔ صرف اللہ کے ذکر کی نیت ہونا۔ وغیرہ وغیرہ

نمود کیلئے مسجد بنانا

احادیث سابقہ کے تحت یہ مضمون آچکا ہے کہ مسجد خالص نیت سے ہی بنانا چاہیئے۔ مسجد ہی کیا جس کام میں بھی نمود وریا کا دخل ہو جاتا ہے وہ باعثِ ثواب نہیں رہتا۔

ارشاد خداوندی ہے :۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ○

دیکھئے نماز کے عبادت ہونے میں کسے شبہ ہو سکتا ہے۔ مگر یہی نماز ریا اور نمود کی وجہ سے باعث ہلاکت ہو گئی۔ اس لئے نیت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے دکھاوے کے لئے جو مسجد بنالی جائے وہ مسجد تو ہو جاتی ہے اس پر مسجد کے سارے احکام جاری ہو جاتے ہیں اور نمازیوں پر رحمت بھی نازل ہوتی ہے۔ مگر بنانے والے کو ثواب نہیں ملتا بلکہ باز پرس ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔

مسجد ضرار

عام طور پر مسلمان ذرا سی بات پر مسجد کو مسجد ضرار کہنے لگتے ہیں۔ فتوے جاری ہو جاتے ہیں۔ یہ بہت بڑی

بات ہے۔ اب کسی مسجد کو مسجد ضرار کے حکم میں رکھنا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ مسجد ضرار بانیوں کی نیت کے اعتبار سے مسجد ہی نہ تھی اور اب جو مسلمان بھی مسجد بناتا ہے اس کی نیت کچھ ہی ہو۔ مگر مقصود اس کا مسجد ہی ہونا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں یہ بتا دیا جائے کہ مسجد ضرار کیا تھی۔

مسجد ضرار وہ مسجد ہے جو مسجد قبا کے مقابلہ میں بنائی گئی تھی۔ باقی منافق اور دشمن رسول صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔ جن کا مقصد مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا اور سازش کا جال بچھانا تھا۔ مسجد کی شکل میں خفیہ کارروائی کے لئے منافقوں نے ایک گھر بنایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسکی اطلاع دی تو آپ نے اس کو جلوا کر خاکستر بنا دیا۔ قرآن کریم میں سورۂ توبہ میں اس کا ذکر ہے۔

پنج وقتہ نماز کیلئے محلہ کی مسجد افضل ہے

پنج وقتہ نماز کے لئے محلہ کی مسجد افضل ہے

البتہ جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد جانا افضل ہے۔ سلف صالحین اور صحابہ کرام رضؓ کا یہی معمول رہا ہے کہ پانچ وقت کی نماز اپنے محلہ کی مسجد میں پڑھتے تھے اور جمعہ کے لئے جامع مسجد جاتے تھے اللہ کے نیک بندوں کا آج بھی یہی معمول ہے۔

اگر محلہ میں متعدد مساجد ہوں

اگر ایک محلہ میں چند مسجدیں ہوں اور گھر سے فاصلہ بھی سب کا برابر ہو تو پھر وہ مسجد اختیار کرے جس میں جماعت سب سے بڑی ہوتی ہو، ورنہ سب قریب کی مسجد اختیار کرے یا پھر جو سب سے پرانی ہو، البتہ اگر نمازی اس مرتبہ کا ہے کہ اس کی وجہ سے لوگوں کے زیادہ آنے کی توقع ہے تو پھر اس کو اپنے محلہ کی اس مسجد میں نماز پڑھنا بہتر ہے جس میں نمازی کم آتے ہوں تاکہ اس کی وجہ سے نمازیوں میں اضافہ ہو اور اس کو اللہ تعالیٰ مسجد آباد کرنے کا ثواب بھی عطا فرمائے۔

ہمارا مسجدوں کے ساتھ معاملہ

ان ارشادات کی روشنی میں اگر ہم اپنے حالات کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ ہم کہاں تک ان کی پابندی کرتے ہیں روزانہ کی زندگی میں ہم ان کا کتنا اثر لیتے ہیں تو شرم و ندامت سے ہماری گردنیں جھک جاتی ہیں وائے ناکامی ہم نے زندگی کے کسی گوشہ میں بھی ان حکیمانہ تعلیمات کا احترام ملحوظ نہ رکھا۔ مسجدوں کے ساتھ ہمارا جو سلوک ہے اور ہم جس طرح ان سے معاملہ کرتے ہیں وہ سب کو معلوم ہے جہاں تک مسجدیں بنانے کا تعلق ہے اس میں بھی افراط و تفریط ہے ہزارہا مقامات ایسے ہوں گے جو فریاد کر رہے ہیں کہ خدارا یہاں مسجد بناؤ اللہ کے ذکر کے لئے کوئی گھر بناؤ جہاں سے اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی صدائیں نکلیں۔ جہاں خدا کے فرشتے اللہ کی مخلوق کے خوان لے لیکر اتریں، مگر کوئی اللہ کا بندہ اس طرف متوجہ نہیں ہوتا، دوسری طرف ہزارہا شہر اور قصبے ایسے ہیں جہاں مساجد کی اتنی افراط ہے کہ نمازیوں کی نمازوں اور اللہ کے ذکر سے معمور ہونا تو درکنار ان میں صفائی کرنے والے تک میسر نہیں۔

یہ ایسی جگہوں کی باتیں ہیں۔ جہاں ابھی تک الحمدللہ مسلمان موجود ہیں اور خود کو امت اسلامیہ کا فرد بتاتے ہیں۔ دوسرے پہلو سے دیکھئے تو کچھ مسجدیں ایسی ملیں گی جن کو مسلمانوں نے سرمایہ دار بنا دیا ہے۔ اس قدر آراستہ و پیراستہ، ایسی سجی بجائی اس قدر نقش و نگار سے مزین کہ اللہ کا بندہ نماز پڑھنے کے لئے آئے تو اس کا ذہن اس کے نقش و نگار میں ہی الجھ کر رہ جائے۔ وہ عبادت خداوندی تو کیا کرتا آسائش تن میں پھنس کر رہ جائے۔ ایک طرف یہ حال ہے تو دوسری طرف اس قدر لاپرواہی ہے کہ ان میں بوریا تک نظر نہیں آتا۔ دیواریں مخدوش چھتیں خستہ روشنی تک کا انتظام نہیں۔

تیسرے پہلو سے دیکھئے تو کچھ مسجدیں ایسی ہیں جو نمازیوں کو ترستی ہیں حالانکہ مسلمانوں کے محلوں میں ہیں مگر لوگ مسجد میں آنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ اگر نماز پڑھتے بھی ہیں تو گھروں پر آگے پیچھے پڑھ لی۔ کچھ ایسا سمجھا جانے لگا ہے کہ مسجد صرف غریب ونادار طبقہ کے لئے ہوتی ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے وسعت دے دی اس کو گویا مسجد سے رخصت کا پروانہ مل جاتا ہے۔ اس پر زیادہ سے زیادہ اتنا ہی ضروری ہے کہ مسجد کے امام ومؤذن کو کھانا دے دے یا مسجد کی کسی ضرورت کیلئے چندہ دے دے اور بس اس طبقہ کے مقابل اکثر دوسرا طبقہ بھی موجود ہے جس نے مسجدوں کو اپنی نشست گاہیں، سیرگاہیں بنا رکھا ہے۔ شور وشغب کی مجلسیں فحش مذاق، شعر وشاعری، دنیوی جھگڑے، گالم گلوچ اور اسی قسم کی تمام خرافات اور امور محرمہ کے لئے مسجد کو مرکز بنا رکھا ہے۔

ان مذکورہ بالا امور کے علاوہ مسجدوں کی بے حرمتی کا ایک اور پہلو بھی ہے جو اپنی جگہ بہت سنگین ہے۔ وہ ہے اماموں اور مؤذنوں کی تذلیل وتحقیر اس میں مسلمانوں کا اکثر حصہ گرفتار ہے اکثر جگہ مسجدوں کے امام ومؤذن محلہ کے سب سے ذلیل شخص سمجھے جاتے ہیں۔ ہر شخص انکو کم از کم مؤذن کو تو اپنا خادم ضرور ہی سمجھتا ہے محلہ کا ہر فرد امام ومؤذن پر اپنا حکم چلانا، اس کو اپنا تابع فرمان سمجھنا اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے اور مسجد کے متولی تو گویا اگر اس حق کو استعمال نہ کریں تو وہ ہر برادری سے گرا دیئے جائینگے وہ اگر امام ومؤذن کو اپنا محکوم نہ سمجھیں تو معاشرہ میں انکے لئے کوئی جگہ نہ رہیگی۔

کیا یہ لوگ مسجدوں کو آباد نہیں کر رہے ہیں؟ کیا یہ صبح وشام اللہ کے گھر میں نہیں ہوتے؟ کیا یہ آخرت کے بازاروں (مسجدوں) میں نہیں ہوتے؟ کیا یہ جنت کے بازاروں سے پھل نہیں کھاتے؟ کیا یہ اللہ کے گھر میں ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار نہیں کرتے؟

کیا یہ لوگ اللہ کے گھر میں قرآن شریف نہیں پڑھتے؟ کیا یہ اللہ کے گھر میں اللہ کا ذکر نہیں کرتے؟ کیا یہ مسجدوں کی صفائی نہیں کرتے؟ یقیناً وہ یہ سب کام کرتے ہیں۔ پھر کیوں انکو ہدایت نہ ہوگی؟ پھر کیوں وہ اللہ کے مہمان ہوکر اس کی ضیافت سے مستفید نہ ہوں گے؟ فرشتے کیوں انکے لئے مغفرت کی دعائیں نہ مانگیں گے؟ انکو رحمتِ خداوندی اپنے آغوش میں کیوں نہ لے گی؟ ان پر سکینت کیوں نازل نہ ہوگی! انکو انعامات خداوندی کیوں نہ دیئے جائیں گے؟ انشاء اللہ ضرور دیئے جائیں گے۔ اگر یہ لوگ اپنی نیتوں میں خلوص رکھتے ہیں تو یہ اللہ کے مقرب بندے ہوں گے اور ہم سب کے لئے باعثِ صد احترام و رشک۔

یہ تو تھی مسجدوں کے اماموں اور مؤذنوں کی اہمیت، ان ارشادات کے مطابق جو عام ہیں لیکن اسکے علاوہ اذان واقامت وامامت کے مستقل فضائل ہیں جو صرف انہیں کے لئے ہے وہ مزید براں حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہوجاتا کہ اذان اور صفِ اوّل میں کیا فائدے ہیں تو وہ ان دونوں چیزوں کے لئے قرعہ ڈالا کرتے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ مؤذن کی آواز کو جنات، انسان اور ان کے علاوہ جو چیز بھی سنتی ہے وہ قیامت کے دن گواہی دیتی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین آدمی مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے، میدان حشر کے لوگ ان لوگوں کے اس اعلیٰ مرتبہ پر رشک کرتے ہوں گے۔

۱:- وہ غلام جس نے اپنے آقا کی خدمت کے ساتھ مولائے حقیقی کا حق بھی ادا کیا۔

۲:- وہ شخص جس نے امامت کی اور مقتدی اس سے خوش رہے۔

۳:- وہ مؤذن جو پانچوں وقت اللہ کے واسطے اذان دیتا ہے۔

ان ارشادات اور فرامین کے باوجود ہم انکی تعظیم و توقیر نہ کریں تو مجرم کون ہوگا۔!

نافرمانی کی پاداش ملنے کا خطرہ کس کو ہے؟

یہاں ایک بات ضروری کہہ دوں کہ ہم کو کسی کی نیت پر شبہ کا حق ہرگز حاصل نہیں ہے۔ نیتوں کا حال خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ہم جو کچھ بھی فیصلہ کرتے ہیں جو حکم بھی لگا سکتے ہیں وہ صرف ظاہری اعمال و اقوال پر۔ نیت اور دل کا حال خدا جانے حضور اقدس سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی بہت تاکید فرمائی ہے۔ بدظنی بہت بُری چیز ہے ہم کو چاہیئے کہ مسجدوں کے اماموں اور مؤذنوں اور دوسرے خادموں کا بہت احترام کریں۔ آپ سب جانتے ہیں کہ کسی دنیاوی حاکم کے خادم سے بھی لوگ ڈرتے ہیں اس کا احترام کرتے ہیں بلکہ بہت سے لوگ تو رشوت دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے (اللّٰھم احفظنا منہ) غرض منہ کے خوف و خوشامد کی تو کوئی حد نہیں ہوتی، ہر وقت ڈرتا رہتا ہے کہ اگر میں نے آقا کے خادم کو ناراض کر دیا تو خدا جانے حاکم سے کیا کہہ دے میرا کام خراب ہو جائے۔ اللہ اکبر دنیوی اربابِ اقتدار کے خدام تو اس قدر تعظیم و احترام کے اہل سمجھے جائیں ان سے تو اتنا ڈرا جائے مگر اس مالک الملک شاہنشاہ حقیقی جس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے جو چاہے کر دے۔ اس کے گھر کے خادموں کی عزت و احترام تو کجا ان کی تذلیل و تحقیر کیجائے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ یہ اندھا پن نہیں تو کیا ہے؟ ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

اماموں اور مؤذنوں کی خدمت میں

شکر کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت بڑی دولت عطا فرمائی کہ آپکو اپنے گھر کا خادم بنانا منظور کیا۔ آپ سے امامت و اذان کا کام لیا۔ اگر آپ خلوص نیت سے اس خدمت کو انجام دیں گے تو دنیا اور آخرت میں آپ کو کامیابی ہے اور اگر اخلاص نہیں ہے اور آپ یہ خدمات کسی مادی غرض سے انجام دے رہے ہیں تو یاد رکھئے۔ ان اللہ شدید العقاب۔

آپ بلاشک خدا کے گھر کے امین بنائے گئے ہیں اگر آپ نے امانت ادا کرنے میں کوتاہی کی تو خدا کے یہاں پکڑ ہوگی آپ کا ہر قول و عمل ایسا ہونا چاہیئے جس سے لوگ سبق لیں آپ روزانہ پانچ وقت نعرہ توحید بلند کرتے ہیں امت کو دین کا عمل اور سبق سکھاتے ہیں مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج امامت اور مؤذنی بھی بالکل ایک دنیوی ملازمت سمجھی جانے لگی اس کے حصول کے لئے بھی وہ سارے ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں جو کسی دنیوی نوکری کے لئے ہوتے ہیں اس کا نتیجہ آپ سب کے سامنے ہے۔

آپ حضرات کا وہ عزت و احترام نہیں رہا جو ہونا چاہیئے۔ آپ سے میری مؤدبانہ گذارش ہے کہ آپ ہر ہر لمحہ اس بات کی سعی کریں کہ دین کی جو بات آپ کو معلوم ہے وہ دوسروں کو بتا دیں اور جو آپ کو معلوم نہیں اس کو معلوم کرنے کے لئے بے چین رہیں۔ اللہ تعالےٰ کا فضل و احسان ہے کہ اس دور میں بھی علماء کی کمی

نہیں ہے کتابیں بھی کم و بیش ہر زبان میں موجود ہیں۔ آپ مسجد میں اگر ہر نماز کے بعد ممکن نہ ہو تو کم از کم کسی ایک نماز کے بعد دینی مذاکرہ ضرور کریں اور اسکے لئے استاذ الاساتذہ محترم حضرت مولانا زکریا صاحب مدظلہم العالی شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کا فضائل کا نصاب منگالیں اور وہ شروع کر دیں۔

دوسری بات جو بہت اہم ہے وہ یہ ہے اپنی قرأت کے تصحیح مخارج پر خاص توجہ دیں۔ س، ص، ث۔ ط، ت۔ ذ، ز، ظ، ض۔ د کے باہمی فرق اور دوسری قرأت کی بنیادی باتوں پر توجہ دیں، معلوم نہ ہو تو پوچھ لیں۔

تیسری گذارش آپ سے اور جو اس کتاب کے ہر پڑھنے والے سے ہے وہ یہ ہے کہ اس میں جو غلطی و چوک ہو گئی ہو اس سے خاکسار کو مطلع فرمادیں اور میرے اور میرے متعلقین کے لئے صلاح و فلاح کی دعا فرمائیں۔

اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم ربنا تقبل منّا انک انت السمیع العلیم۔

صدر الدین عامر الانصاری

"منزل منزل"

بستی نظام الدین نئی دہلی

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ كَثِيرًا

اذان تو اب بھی ہوتی ہے مسجد کی فضاؤں میں اے انور،
جس ضرب سے دل ہل جاتے تھے وہ ضرب لگانا بھول گئے

فضائلِ اذان و اقامت

تالیف

حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی

ناشر

کتب خانہ مجیدیہ

بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ حال

نماز اہم ترین فریضۂ خداوندی ہے اور تقربِ خداوندی کا اعلیٰ ترین ذریعہ ہے۔ اس لئے اس کے تمام متعلقہ امور اذان واقامت، امامت وغیرہ شعائر اسلام سے ہیں، جن کی عظمت وحرمتِ اسلام کی عظمت وحرمت کے ہم معنی ہے۔ لیکن ان کی اصل حقیقت اور عظمت وفضیلت سے ناواقفیت کی وجہ سے عام طور پر ان کے ساتھ وہ برتاؤ نہیں کیا جا رہا ہے، جو ان کے شایانِ شان ہے۔ اس ضرورت کا احساس کرتے ہوتے اس رسالہ کو مرتب کیا گیا ہے تاکہ کم از کم اذان واقامت کی عظمت وحرمت سے ایک گونہ واقفیت حاصل ہوجائے۔ اذان کو عام طور پر نماز کی اطلاع اور اعلان سمجھا جاتا ہے، مگر درحقیقت اس میں مسلمانوں کی سربلندی اور سرفرازی کا راز مضمر ہے، اذان محض نماز کی اطلاع نہیں بلکہ ہر جگہ مقامی مسلمانوں کی جانب سے دن میں پانچ مرتبہ دعوت اسلام کا برملا اعلان ہے۔ اسی لئے اذان کی آواز سے شیاطین بھاگتے ہیں اور شیطانی اثرات دور ہوتے ہیں اور رحمتہائے خداوندی کا بے پایاں نزول وظہور ہوتا ہے جس کی تفصیلات آپ کو اس مضمون میں معلوم ہونگی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ۔

ہیچمدان
محمد احتشام الحسن
۱۷ اپریل ۶۵ء

اذان کی عظمت وفضیلت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ بکرۃ واصیلا والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ خیر الخلق دائما ابدا

دین اسلام کی سربلندی اور ملت اسلامیہ کی سرسبزی وسربلندی کیلئے جو امور بہت زیادہ مہتم بالشان ہیں، وہ شعائر اسلامی کہلاتے ہیں۔ انہیں شعائر میں سے اہم ترین امر اذان بھی ہے جس کے ساتھ ملت اسلامیہ کی سربلندی وسرسبزی وابستہ ہے۔ ملت اسلامیہ کی سربلندی کا راز اس میں مضمر ہے۔ اگر آج مسلمان اذان کی اہمیت وعظمت اور اس کی اصل حقیقت سے واقف ہو کر اس کے شایان شان اہتمام کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان روئے زمین پر سربلند وسرفراز نہ ہوں۔ آج افسوس صد افسوس کہ اذان کی اصل عظمت وفضیلت ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے، جو کچھ کیا جارہا ہے رسوم وعادات کے انداز پر کیا جارہا ہے۔ اسی لئے ان پر وہ منافع اور ثمرات پورے طور پر مرتب نہیں ہورہے ہیں، جو ان کے شان شایان ہیں اور جب کسی چیز کی حقیقت نگاہوں سے اوجھل ہوجاتی ہے تو لامحالہ اس کے اثرات بھی مدھم پڑجاتے ہیں اور ان چیزوں کی صرف صورتیں باقی رہ جاتی ہیں عبادات کی جب اصل عظمت واہمیت قلوب سے نکل جاتی ہے تو ان کی صرف صورتیں باقی رہ جاتی ہیں، جو عادات شمار ہوتی ہیں اور یہ بات پیدا ہونا قرب قیامت کی علامات میں سے ہے۔

چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

سیاتی علی الناس زمان لا یبقی من الاسلام الا اسمہ ولا من القراٰن الا رسمہٗ	عنقریب لوگوں پر وہ زمانہ آئے گا کہ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائیگا اور قرآن کے صرف نقوش باقی رہ جائیں گے۔

جب نام کا اسلام ہوگا اور اصل منبع رشد و ہدایت قرآن کے صرف نقوش باقی رہ جائیں گے تو لامحالہ تمام امور اسلام اور شعائر اسلام محض رسمی امور رہ جائیں گے اور ان کی وہ فضیلت واہمیت قلوب میں نہ رہے گی جو ان کے مناسب شان ہے۔ اس لئے ان کے اصل ثمرات اور اثرات بھی مرتب نہ ہوں گے۔

اصل شئے شعائر اسلام کی غایت تعظیم و توقیر ہے اور اسی سے ایمان واسلام کی تکمیل ہوتی ہے جو در حقیقت اللہ رب العزت کی تعظیم و توقیر کے مترادف اور ہم معنی ہے اسی لئے کسی شعائر اسلام کی ادنی بے حرمتی اور بے توقیری کسی حال میں بھی برداشت نہیں کی جا سکتی۔

شاہ ولی اللہؒ شعائر اسلام کی توضیح اس طرح بیان فرماتے ہیں:

اعنی بالشعائر امورا ظاھرۃ محسوسۃ جعلت لیعبد اللہ بھا واختصت بہ حتی صار تعظیمھا للہ والتفریط فی جنبھا تفریطا فی جنب اللہ ورکز ذلک فی صمیم قلوبھم لا یخرج منہ الا ان تقطع قلوبھم	میری مراد شعائر سے وہ ظاہری محسوس امور ہیں جو اس لئے مقرر کئے گئے تاکہ ان کے ذریعہ اللہ کی عبادت کی جائے وہ اللہ تعالٰی کے ساتھ مخصوص ہیں حتیٰ کہ ان کی تعظیم بعینہ اللہ کی تعظیم ہے۔ اللہ کی تعظیم میں کوتاہی ہے اور یہ بات صمیم قلب میں اس طرح راسخ ہو جائے کہ قلب کے چیرے بغیر نہ نکلے۔

(حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۶۶)

پس شرائع کا اصل منبع شعائر خداوندی کی تعظیم وتوقیر ہے اور ان کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنا ہے اس لئے ان کی غایت عظمت وحرمت کا حکم ہے۔ اور ہر بندہ ان کی تعظیم وتوقیر کیلئے مامور ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ

اور جو شخص تعظیم کرے اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تو پھر یہ قلوب کی پرہیزگاری سے ہے۔

انہی شعائر اسلام میں سے اذان بھی ہے جس کی عظمت واہمیت اور فضیلت ومنقبت کو اس مختصر مضمون میں بیان کرنا مقصود ہے۔ وما توفیقی الا باللّٰہ

اذان

اذان کے لغوی معنی اعلان واطلاع کے ہیں چونکہ اس ندا کے ذریعہ نماز کی اطلاع اور اس کا اعلان ہوتا ہے اس لئے اس کو اذان کہتے ہیں۔

اذان کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ چونکہ نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی انتہائی تاکید تھی اور اس کے لئے سب مسلمانوں کا ایک وقت میں ایک جگہ مجتمع ہونا ضروری تھا۔ جو اعلان واطلاع کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس چیز کے متعلق گفتگو کی جس سے لوگوں کو نماز کی اطلاع ہوجائے۔ اس کیلئے صحابہ کرامؓ نے آگ کا ذکر کیا کہ آگ روشن کردی جائے جس سے لوگوں کو نماز کے وقت کی اطلاع ہوجائے اور سب مجتمع ہوجائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس (آتش پرستوں) کی مشابہت کی وجہ سے اس کو رد فرمادیا۔ صحابہؓ نے ذکر کیا جماعت کی اطلاع کے لئے قرن (سینگ) بجایا جائے رسول اللہؐ نے یہود کی مشابہت کی وجہ سے اس کو بھی رد فرمادیا۔ پھر صحابہ کرامؓ نے ناقوس (گھنٹی جو پادری گرجا میں بجاتے ہیں) کا ذکر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاریٰ

کی مشابہت کی وجہ سے اس کو بھی رد فرمایا۔ صحابہ کرامؓ اس وقت واپس ہوگئے، اور کوئی بات متعین نہ ہوئی۔ رات کو حضرت عبداللہ بن زیدؓ کو اذان واقامت کا طریق خواب میں دکھایا گیا جس کو انھوں نے صبح بارگاہِ نبوی میں پیش کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواب سن کر ارشاد فرمایا "یہ خواب حق ہے"۔ پھر اس کے مطابق جماعت کا اعلان شروع ہوگیا۔ یہ واقعہ صحیح حدیثوں میں مذکور ہے۔ اس واقعہ سے چند امور صاف طور پر ظاہر ہوگئے۔

(۱) احکام خداوندی بندوں کی مصالح کے موافق شروع ہوتے ہیں۔ جن میں بندوں کے لئے سہولت اور آسانی اختیار کی گئی ہے۔

(۲) جو قومیں ذلالت اور جہالت میں منہمک ہیں۔ شعائر دین میں ان کی مخالفت مستحسن اور مطلوب امر ہے۔ دین میں کوئی ایسی بات اختیار نہ کی جائے، جو ان کے مذاہب میں رائج ہو۔

(۳) اذان کی مشروعیت نماز کیلئے ہے، اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس دعوت نماز کو سن کر سب لوگ جماعت کیلئے مجتمع ہوجائیں۔ پس اذان کے بعد نماز میں اس قدر طویل تاخیر نہ کی جائے، جس سے لوگوں پر بجائے آسانی کے تنگی ہو، اور اذان کا اصل مقصد فوت ہوجائے۔

اسی طرح مغرب کے علاوہ باقی نمازوں میں اذان کے بعد جماعت میں اس قدر تاخیر مناسب ہے کہ سب نمازی بسہولت نماز کے لئے تیار ہو کر مجتمع ہوسکیں، مغرب میں چونکہ وقت کے بعد تاخیر مناسب نہیں، اس لئے اذان کے بعد فوراً جماعت ضروری ہے۔ اگر کسی وجہ سے اذان میں تاخیر ہوگئی ہو تو قدرے مقتدیوں کا انتظار ضروری ہے۔ وقت مقررہ کی پابندی کوئی ضروری امر نہیں اصل شئے نمازیوں کی سہولت اور آسانی ہے۔ اور مقتدیوں کی کثرت اک مطلوب امر ہے

M. Iqbal

اذان اگرچہ نماز کے اعلان اور اطلاع کے لئے شروع کی گئی تھی، لیکن حق تعالیٰ

نے اس کو اپنی رحمت سے اس کو اہم عبادت بنا دیا اور شعائر اسلام میں اس کو شامل فرما دیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:۔

واقتضت الحکمۃ الالٰھیۃ	(اور حکمت الٰہی کا تقاضا یہ ہوا کہ
ان لا یکون الاذان صرف	اذان صرف اعلان واطلاع نہ ہو
اعلام وتنبیہ بل یضم مع	بلکہ اس کے ساتھ وہ امور منضم ہو
ذلک ان یکون من شعائر	جائیں، جس سے شعائر دین ہو جائے
الدین بحیث یکون النداء	اس طرح گمنام اور خبردار کے سامنے
بہ علی رؤس الخامل و	اذان کے ساتھ بلاوا، دین کے لئے
النبیۃ تنویھا بالدین و	بلاوا ہو گیا اور اس کو قبول کرنا اللہ
یکون قبولہ من اٰیۃ انقیادھم	کے انقیاد کی علامت ہو گیا۔ اسی
لدین اللّٰہ فوجب ان یکون	لئے یہ ضروری ہوا کہ اس ندا میں اللہ
مرکبا من ذکر اللّٰہ ومن	کا ذکر ہو اور وحدانیت ورسالت
الشھادتین والدعوۃ الی	کی شہادت ہو اور نماز کی طرف
الصلوٰۃ لیکون مصرحا بما	بلاوا ہو، تاکہ جو اس کا مقصود ہے
ارید بہ (حجۃ اللہ البالغہ ج۱ صفحہ ۱۸۹)	اس کی تصریح ہو جائے۔

اب اذان دینِ حق کا اعلان ہے اور کلمۂ حق کی سربلندی ہے۔ اسی لئے اذان کے وہ فضائل اور مناقب رکھے گئے ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ یہ شعائر اسلام سے ہے جس کی وجہ سے آبادی دار السلام قرار دی جاتی ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی آبادی سے اذان کی آواز سنتے تو حملہ نہ کرتے تھے، ورنہ حملہ کرتے تھے۔ پس معلوم ہوا اذان کے کلمات کو با آواز بلند کہنے سے مقصود محض نماز کی اطلاع اور اعلان نہیں، بلکہ اس میں دینِ حق کی دعوت اور مخلوقِ خدا کے سامنے اسلام کی صداقت اور حقانیت کا اعلان

واظہار بھی ہے۔ اس لیے حضرت شاہ ولی اللہؒ صاحب نے اذان کے متعلق فرمایا ہے

انہ شعبۃ من شعب النبوۃ (حجۃ اللہ البالغہ)
یہ نبوت کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے۔

اور اسی لیے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں، کہ آیۂ کریمہ:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ط
اور اس سے زیادہ اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور اچھے کام کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

یہ آیت میرے خیال میں مؤذنین کے بارے میں ہے۔ (نزہۃ الناظرین)
اور اسی لیے اذان کی اجابت یعنی قبولیت کا حکم دیا گیا۔ زبان سے ان کلموں کو دہرائے، جو مؤذن پکار رہا ہے اور عمل سے ان امور کی طرف سبقت کرے، جن کی مؤذن دعوت دے رہا ہے۔

اذان کے کلمات

اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر۔ اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ، اشہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ۔ اشہد ان محمدا رسول اللّٰہ، اشہد ان محمدا رسول اللّٰہ۔ حی علی الصلوٰۃ، حی علی الصلوٰۃ۔ حی علی الفلاح، حی

اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں اقرار کرتا ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، میں اقرار کرتا ہوں

علی الفلاح۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ لا الٰہ الا اللہ۔

کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ آؤ نماز کی طرف، آؤ نماز کی طرف۔ آؤ فلاح کی طرف، آؤ فلاح کی طرف، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

ایک شخص بلند مقام پر کھڑے ہوکر بلند آواز سے ان کلمات کو کہے۔ جس قدر دُور تک اُس کی آواز جائے گی۔ اسی قدر دور تک اس دعوتِ حق کا اعلان ہوگا۔ فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم بھی دو مرتبہ کہے۔ تاکہ نیند سے اٹھنے میں کسل و سستی نہ ہو۔

حی علی الصلوٰۃ میں نماز کی دعوت ہے، جو اس وقت کا اہم ترین فریضۂ خداوندی ہے۔ اور حی علی الفلاح میں باقی تمام دین اسلام کی دعوت ہے، جو دنیا اور آخرت میں ہر صلاح و فلاح کا متکفل اور ضامن ہے۔

انہیں کلمات کو پھر اس وقت دہرایا جائے۔ جب جماعت کھڑی ہو اور حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے بعد قد قامت الصلوٰۃ (نماز کھڑی ہوگئی) دو دفعہ کہے، اس کو "اقامت" کہتے ہیں۔

اذان باہر کے آدمیوں کو مسجد میں بلانے کے لئے دی جاتی ہے اور اقامت مسجد کے لوگوں کو جماعت میں شریک ہونے کیلئے دی جاتی ہے۔ اسی لئے اقامت کو زیادہ بلند آواز سے کہنے کی ضرورت نہیں۔ اس قدر آواز سے کہے کہ حاضرین سن لیں اور ان کو جماعت کھڑی ہوجانے کا علم ہوجائے۔ پھر یہ ہے کہ جس شخص نے اذان کہی ہے وہی اقامت بھی کہے تاکہ مسجد میں بلانے والا اور ان سب کو نماز میں کھڑا کرنے والا وہی ایک شخص ہو۔ ارشادِ نبوی ہے:۔

مَنْ اَذَّنَ فَهُوَ يُقِيْمُ — جس نے اذان کہی، وہی اقامت بھی کہے۔

شاہ ولی اللہؒ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ جب ایک شخص نے منافع اور فضائل کی خاطر اذان کہی ہے تو اب دوسروں کو یہ حق نہیں کہ اس کی مزاحمت کریں اور مزید منافع اور فضائل سے اس کو محروم رکھیں۔

اذان واقامت کی اجابت

اذان اور اقامت کی اجابت یعنی زبان وعمل سے ان امور کی قبولیت کا اعتراف جن کی موذن دعوت دے رہا ہے، مستحب ہے اور اس کا طریق یہ ہے کہ جو کچھ موذن کہہ رہا ہے۔ سامع بھی صمیم قلب سے اسکو کہے۔ اور اپنی زبان سے ان کلمات کو ادا کرے، ارشاد نبوی ہے:

اذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما یقول الموذن (الصحیحین) — جب تم اذان سنو، تو وہ کلمات کہو جو موذن کہہ رہا ہے۔

صمیم قلب کے ساتھ اذان کی اجابت، دخول جنت کی ضمانت ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب موذن نے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہا اور تم میں سے کسی نے اللہ اکبر اللہ اکبر کہا۔ پھر موذن نے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہا اور اس شخص نے بھی اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہا پھر موذن نے اشہد ان محمد رسول اللہ کہا اور اس شخص نے بھی اشہد ان محمد رسول اللہ کہا پھر موذن نے حی علی الصلوٰۃ کہا اور اس شخص نے بھی لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہا پھر موذن نے حی علی الفلاح کہا اور اس شخص نے بھی لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہا پھر موذن نے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہا اور اس شخص نے بھی اللہ اکبر، اللہ اکبر کہا پھر موذن نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور اس شخص نے بھی لا الٰہ الا اللہ کہا تو اگر یہ اخلاص قلب سے ہے تو وہ شخص جنت میں داخل ہو گیا۔ مسلم شریف کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کو سننے والا حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح

کے بجائے لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہے (نہیں استطاعت اور قوت مگر اللہ کی مشیئت کے ساتھ) یہ گویا اس دعوت کی قبولیت اور اس کو عملی جامہ پہنانے کیلئے حق سبحانہ وتعالیٰ سے امداد کی طلب ہے۔ اسلئے کہ توفیق خداوندی کے بغیر کوئی امر خیر سرزد نہیں ہو سکتا۔ اور یہی اصل انقیاد وتفویض ہے کہ بندہ بالکلیہ اپنے کو اپنے مولیٰ کے سپرد کر دے۔

اسی طرح اقامت میں سننے والا قد قامت الصلوٰۃ کے بجائے کہے اقامھا اللہ وادامھا (اللہ تعالیٰ نماز کو ہمیشہ ہمیشہ قائم رکھے)

اذان کی اجابت کے بعد پھر اذان کو سننے والا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے، جو اس واسطہ حق کی مزید تصدیق ہے۔ جس نے اللہ کا پیام ہم تک پہنچایا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب تم موذن کی آواز کو سنو تو جو کلمات وہ کہہ رہا ہے تم بھی کہو پھر مجھ پر درود بھیجو، اس لئے کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت نازل فرماتا ہے۔ پھر میرے لئے وسیلہ طلب کرو، اور وسیلہ جنت کے مقامات میں سے ایک مقام ہے، جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کے مناسب ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں گا، پس جو شخص میرے لئے وسیلہ طلب کرے گا، اس کے لئے شفاعت لازم ہوگی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اذان سن کر یہ کہے۔

اللھم رب ھٰذہ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ القائمۃ اٰت محمد الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمود ا	اے پروردگار اس پوری پکار (اذان) کے قائم ہونیوالی نماز کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور ان کو مقام محمود پر پہنچا۔

تو اس شخص کیلئے قیامت کے دن میری شفاعت لازمی ہوگی (نزہتہ الناظرین) اس کے بعد موذن کی دعوت کی مزید قبولیت کیلئے یہ دعا پڑھے۔

رضیت باللّٰہ ربًا و بمحمد — راضی ہوں میں اللہ کی ربوبیت
رسولاً و بالاسلام دینا — سے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے اور پورے دین اسلام سے

یہ دعوت اذان کی اجابت کی زبانی تکمیل ہوئی اس کے بعد اس کے مطابق عمل پر گامزن ہو۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ زبان سے اذان کی اجابت ہر اس شخص کیلئے مستحب ہے جو اذان سنے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، باوضو ہو یا بے وضو، پاک ہو یا جنبی[1] یا حائضہ[2] عورت ہو البتہ بیت الخلاء[3] میں اور جماع کی حالت میں، اور ان جیسے حالات میں سننے والے پر اذان کی جواب دہی نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہے فرض ہو یا نفل اس پر اذان کی اجابت نہیں۔ وہ جب نماز سے فارغ ہو جائے اس وقت اذان کا جواب دے اگر نماز کی حالت میں اذان کا جواب دیا تو ظاہر قول ہے کہ یہ مکروہ ہے اس لئے کہ یہ بظاہر نماز سے اعراض ہے لیکن اس شخص کی نماز باطل نہ ہوگی، اس لئے کہ اذان بھی ذکر اللہ ہے البتہ اگر حی علی الصلوٰۃ یا حی علی الفلاح الصلوٰۃ خیر من النوم کہا تو نماز باطل ہو جائے گی اس لئے کہ یہ بشری کلام ہے، اگر وہ مسئلہ سے واقف ہو (نزہتہ الناظرین)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مردوں اور عورتوں کے مجمع میں کچھ ارشاد فرمارہے تھے۔ اس وقت آپؐ نے ارشاد فرمایا "اے عورتو! جب تم اس حبشی کی اذان اور اقامت سنا کرو تو جو یہ کہہ رہا ہے وہی تم بھی کہا کرو۔ تمہارے لئے ہر حرف کے بدلے میں ایک لاکھ درجے ہوں گے۔ حضرت عمرؓ نے

---

[1] وہ مرد جس پر بوجہ ناپاکی غسل ضروری ہے۔ [2] وہ عورت جس پر ماہواری کی وجہ سے بعد فراغت غسل ضروری ہے [3] یعنی پاخانے اور ہمبستری کی حالت۔

عرض کیا جب یہ مقدار عورتوں کیلئے ہے تو مردوں کیلئے کیا ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" اے عمرؓ مردوں کے لئے دوگنا ہے"۔ (جمع الفوائد)

* Termendous M. Amir

(قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اذان عقائد ایمانی کی جامع دعوت ہے، جو ایمان کی دونوں نوع عقلیات اور سمعیات پر مشتمل ہے اس لئے کہ ابتدا ایمان حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات کا اثبات اور اس کی صفات کمال اور عظمت و کبریائی کا اظہار ہے جو اللہ اکبر کی تکرار سے کیا گیا ہے۔ یہ لفظ "اللہ اکبر" انتہائی مختصر ہونے کے باوجود ہر کمال اور عظمت و بڑائی کو ظاہر کر رہا ہے پھر لا الٰہ الا اللہ سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی واحدانیت ظاہر کی گئی اور شرک کی نفی کی گئی، جو واحدانیت کے بالکل منافی ہے اور یہ اصل توحید ہے اور ایمان کی اصل بنیاد ہے، جو تمام امور دین پر مقدم ہے۔ پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی شہادت ہے اور یہ شہادت وحدانیت کے بعد سب سے عظیم ترین امر ہے (جس سے آپؐ کی لائی ہوئی پوری شریعت کی تصدیق ہوگئی) اور توحید کے بعد اسی کا درجہ ہے۔ یہ سب امور اصل واجبات سے ہیں، جن سے عقائد عقلیہ کی تکمیل ہوگئی پھر اثبات نبوت کے بعد نماز کی دعوت ہے اور اس کو شہادت نبوت کے بعد اس لئے ذکر کیا گیا کہ اس کی فرضیت اور اہمیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ معلوم ہوئی، عقل کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ پھر فلاح کی دعوت ہے جس کے معنی فوز و کامیابی کے ہیں۔ جس میں تمام امور آخرت آگئے۔ پھر نماز کھڑے ہونے کے وقت دوبارہ ان کلمات (یعنی اقامت) کا اعادہ کیا گیا، جس میں نماز شروع ہونے کی اطلاع ہے اور نماز شروع کرنے سے پہلے ان تمام امور کا قلب و زبان سے اعتراف ہے، جو ایمانیات ہیں۔ تاکہ عزم و بصیرت کے ساتھ نماز میں مشغول ہو اور نماز کی عظمت و اہمیت اور اس رب العزت کی عظمتِ شان مستحضر ہو جائے، جس کیلئے نماز پڑھ رہا ہے (نزہتہ الناظرین) ✓

اس کو دوسرے الفاظ میں یوں سمجھنا چاہیے کہ دن میں پانچ مرتبہ پانچوں نمازوں کے

وقت پہلے دو مرتبہ تمام ایمانی امور کا اقرار اور اعلان کرایا جاتا ہے۔ پھر بارگاہ رب العزت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ ذٰلک فضل اللہ۔

اذان کے ثمرات اور اثرات

اذان کے ثمرات اور اثرات دو قسم کے ہیں ایک وہ منافع جو عام ہیں اور ان تمام لوگوں کو پہنچتے ہیں، جو اس مقام پر رہتے ہیں، جہاں اذان دی گئی ہے۔ دوسرے وہ منافع ہیں، جو موذن کے لئے خاص ہیں۔

جو منافع اور اثرات عام ہیں وہ چند ہیں :۔

۱۔ جس مقام پر اذان ہوتی ہے وہاں سے اس وقت شیطان بھاگ جاتا ہے، اور جہاں تک موذن کی اذان پہنچتی ہے۔ اس مقام کو چھوڑ دیتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا نودی للاذان ادبر الشیطان	جب نماز کیلئے اذان دیجاتی ہے
ولہ ضراط حتی لا یسمع التا	تو شیطان پادتا (گوز مارتا ہوا) بھاگتا
ذین فاذا قضی النداء اقبل	ہے۔ اس حد تک کہ اذان کی آواز نہ
	سنے پھر جب اذان پوری ہو جاتی ہے
	اس وقت واپس ہوتا ہے۔

جب شیطان اذان کی آواز سے بھاگتا ہے تو لامحالہ اس وقت میں شیطانی اثرات بھی کم ہوں گے۔ اور رحانی انوار اور خیر و برکات اس حد تک پھیلیں گے کہ جہاں تک موذن کی آواز پہنچ رہی ہے۔ اسی لئے اذان کو خوب بلند آواز کے ساتھ کہنا چاہیئے۔ تاکہ دور دراز شیطانی باطل اثرات مدھم ہوں اور ظلمت دور ہو کر کلمۂ حق بلند ہو جائے اور نور حق پھیل جائے۔ اسی لئے دبائی امراض اور جنات کے اثرات کو دفع کرنے کیلئے اذان کہنا مفید اور مجرب عمل ہے۔

یہ وہ فائدہ ہے، جس سے کوئی بھی محروم نہیں رہتا ہے' اور جہاں اذان دی جاتی ہے' وہاں دن میں پانچ مرتبہ باطل کو حق کے سامنے فرار ہونا پڑتا ہے۔

۲۔ جس شہر، قصبہ یا گاؤں میں اذان دی جاتی ہے' وہ اس دن حق سبحانہٗ و تعالےٰ کے عمومی عذاب اور غضب سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ طبرانی نے حضرت انسؓ سے روایت کیا کہ ارشادِ نبوی ہے:

اذا اذن فی قریۃ امنھا اللّٰہ تعالیٰ من عذابہ ذٰلک الیوم (جمع الفوائد)	جب کسی گاؤں میں اذان دی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس دن اس گاؤں کو اپنے عذاب سے محفوظ رکھتے ہیں۔
(جمع الفوائد)	

اور یہ بات ہے بھی بالکل ظاہر، جب اذان کی وجہ سے اس جگہ اللہ کا نام بلند ہو کر اس گاؤں والوں پر اللہ کی رحمت نازل ہو گئی تو اب اس دن عذاب الٰہی ان پر کس طرح آسکتا ہے' رحمت و غضب بیک وقت کس طرح جمع ہو سکتے ہیں۔

۳۔ جہاں تک اذان کی آواز پہنچتی ہے' ہر چیز جاندار ہو یا بے جان، انسان ہو یا غیر انسان مسلمان ہو یا مسلمان، اس سے متاثر اور محفوظ ضرور ہوتی ہے۔ اسی لئے ہر وہ شے، جس تک موذن کی آواز پہنچتی ہے' زبانِ حال سے موذن کے لئے دعائے خیر کرتی ہے اور قیامت میں اس کے ایمان و اسلام کی شہادت دیگی (جیسا آگے معلوم ہوگا) یہ اذان کے وہ فوائد اور منافع ہیں' جو ہر ایک کو حاصل ہوتے ہیں اور خود موذن بھی ان سے منتفع ہوتا ہے۔

جو منافع اور فوائد موذن کے لئے خاص ہیں، وہ چند ہیں:

۱۔ ہر جاندار اور بے جان اور ہر خشک و تر چیز جہاں تک بھی موذن کی صدا پہنچتی ہے موذن کیلئے دعائے مغفرت کرے گی اور روزِ حساب اس کے حق میں شہادت دے گی۔

(صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے ان سے فرمایا، میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم بکریوں کو اور جنگل میں رہنے کو زیادہ پسند کرتے ہو، لہٰذا جب تم اپنی بکریوں میں یا اپنے کھیتوں میں ہوا کرو تو نماز کیلئے

اذان دیا کرو اور اذان میں اپنی آواز کو بلند کیا کرو اس لئے کہ موذن کی انتہائے آواز تک جو بھی جن و بشر یا کوئی اور شے اس کی آواز کو سنتا ہے تو وہ قیامت کے دن اس کے لئے (اذان دینے والے کیلئے) شہادت دیتا ہے۔ میں نے یہ بات رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے:

دوسری روایتوں میں یہ بات زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ ارشاد نبوی ہے:

المومن یغفر لہ مدی صوتہ ویشھد لہ کل رطب یابس (ابوداود ونسائی)	موذن کیلئے اسکی انتہائے آواز تک (تمام چیزیں) طلب مغفرت کرتی ہیں اور ہر خشک وتر اس کی شہادت دیتے ہیں۔

اور حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ارشاد نبوی ہے کہ موذن کیلئے اس کے انتہائے آواز تک طلب مغفرت کرتے ہیں اور ہر رطب ویابس اس کی تصدیق کرتا ہے اور اس کے لئے تمام نمازیوں کے برابر اجر ہے۔ (جمع الفوائد)

۲۔ موذنین قیامت کے دن مطمئن اور بے خطر ہوں گے، اور مشک کی کرسیوں پر رونق افروز ہوں گے۔ ان سے باز پرس نہ ہوگی اور حساب میں سختی اور درشتی نہ ہوگی۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تین شخص ہیں انکو قیامت میں گھبراہٹ نہ ہوگی اور نہ ان سے حساب میں سختی کی جائیگی۔ مخلوق جب تک حساب سے فارغ ہوگی یہ مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے۔ وہ شخص جس نے اللہ کی رضا کے لئے قرآن پڑھا، اور اس سے قوم کی امامت کی اور وہ لوگ اس کی امامت سے خوش ہیں، اور وہ شخص جو رات دن میں پانچوں نمازوں کے لئے اذان دیتا ہے۔ الخ (جمع الفوائد)

۳۔ موذنین کا مرتبہ شہدا فی سبیل اللہ کے برابر ہے وہ اذان واقامت کے درمیان اللہ تعالیٰ سے جو آرزو کرتے ہیں، اس کو پورا کیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ثواب کی امید پر

اذان دینے والا اس شہید کے برابر ہے، جو اپنے خون میں لتھڑا ہوا ہے۔ یہ شخص اذان و اقامت کے درمیان جو چاہے اللہ تعالیٰ سے آرزو کرے (یعنی اسکی اس وقت کی ہر آرزو کو پورا کیا جاتے گا۔ (جمع الفوائد)

۴۔ مؤذنین قیامت کے دن بلند گردن اور عالی مرتبہ ہوں گے۔ جب انہوں نے دنیا میں اللہ کا نام بلند کیا ہے تو آخرت میں خود بھی سربلند ہوں گے۔ مسلم شریف میں حضرت معاویہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: المؤذنون اطول اعناقا یوم القیامۃ۔ قیامت کے دن مؤذنین کی گردنیں سب سے بلند ہوں گی۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اگر میں قسم کھاؤں تو بالکل سچا ہوں، اس بات پر کہ اللہ کے بندوں میں اللہ کو سب سے زیادہ پسند وہ لوگ ہیں جو سورج اور چاند کو نگاہ رکھتے ہیں (یعنی موذنین) اور یہ لوگ قیامت کے دن اپنی بلند گردنوں سے پہچانے جائیں گے۔ (جمع الفوائد)

یہ چند فوائد اور منافع ہیں، جو خاص مؤذنین کیلئے ہیں۔ اور ان کو آخرت میں حاصل ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر لوگوں کو وہ بات معلوم ہو جائے، جو اذان میں ہے، پھر اس کے متعلق اگر قرعہ اندازی کی نوبت آئے تو ضرور قرعہ اندازی کریں گے (البخاری شریف)

اذان کے ان فضائل اور مناقب پر نظر کرتے ہوئے امیر المومنین حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر خلافت کی یہ ذمہ داریاں نہ ہوتیں تو میں اذان دیا کرتا (فتح الباری) اور امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالبؓ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ میں نے رسول اللہ سے کہہ کر حسنؓ اور حسینؓ کو موذن مقرر نہ کرایا۔ (جمع الفوائد)

غرض یہ کہ اذان جس کو ایک معمولی صدا اور اعلان سمجھا جاتا ہے، درحقیقت وہ ایک

انقلاب انگیز اعلان حق ہے، جو حق تعالیٰ کے منادی کی طرف سے شب و روز میں پانچ مرتبہ کیا جاتا ہے اور دین اسلام کی صداقت اور حقانیت کا برملا اظہار کیا جاتا ہے، جس سے مسلمانوں کی شان و شوکت ظاہر ہوتی ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ جو قوم اللہ کے نام کو بلند کرے وہ خود روئے زمین پر سربلند نہ ہو۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اذان کی اصل غرض و غایت

اذان کے متعلق بہت سی ضروری باتیں، ہدایتیں اور فضیلتیں آپ کو معلوم ہو چکی ہیں، اور یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ اذان اہم شعائر اسلام سے ہے، جس سے اسلام کی عظمت و رفعت اور شوکت نمایاں ہے۔

اذان کو اس قدر اہمیت کیوں دی گئی ہے؟

اس کا اصل باعث یہ ہے کہ اذان کی اصل غرض و غایت بہت اعلیٰ و ارفع ہے، جو دین اسلام کی اصل جڑ اور بنیاد ہے اور تمام انبیاء اور رسولوں کی بعثت نبوت کا اصل مقصود ہے کیونکہ اذان دین خداوندی کی جانب دعوت کا برملا اظہار اور اعلان ہے اور شیطانی دعوت کا اصل توڑ اور جواب ہے یہی وجہ ہے کہ شیطان ہر بڑی سے بڑی طاقت کے مقابلہ کیلئے ڈٹ جاتا ہے۔ لیکن دعوت دین کے کلمات اور الفاظ تک سننے کی تاب نہیں لاتا۔ اور اس قدر دور بھاگتا ہے کہ اذان کی آواز اس کے کانوں تک نہ پہنچے۔ اور جب اذان ختم ہو جاتی ہے، تو جو کاری ضرب اذان کی وجہ سے اس کے دل و دماغ پر لگی، اس کے انتقام کے جذبہ سے بھرپور آتا ہے اور نمازی کی نماز میں خلل اندازی کرتا ہے، نماز میں رخنے ڈالتا ہے اور قسم قسم کے وسوسے اور خیالات پیدا کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ نماز سے ہی بے خبر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب اذان دی جاتی ہے تو شیطان

پادتا ہوا بھاگتا ہے، حتی کہ اتنی دور پہنچ جاتا ہے کہ اذان کی آواز نہ سن سکے، پھر جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو لوٹ آتا ہے، پھر جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں اور تکبیر شروع ہوتی ہے۔ تو پھر بھاگتا ہے، حتی کہ جب تکبیر ختم ہو جاتی ہے تو لوٹ کر آتا ہے۔ نمازی اور اس کے نفس کے درمیان خطرے اور وسوسے ڈالنے لگتا ہے کہ فلاں بات یاد کر، فلاں بات یاد کر، جن کی طرف کبھی دھیان بھی نہ جاتا تھا۔ حتی کہ اس کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ (مشکوٰۃ از صحیحین)

شیطان کا یہ وسوسے ڈالنا، نماز کو خراب اور خستہ کرنے کی جدوجہد کرنا۔ یہ اس دعوت الی اللہ کا توڑ اور ردعمل ہی ہے، جو اس نے فرط جذبہ انتقام میں اختیار کیا ہے اسی لئے انکے وساس اور خطرات کو جو نماز میں پیش آتے ہیں، شیطانی ہتھکنڈے قرار دے کر ان کی مدافعت کی تدابیر بتائی گئی ہیں، تاکہ نمازی اصل پونجی خشوع و خضوع میں فرق نہ آئے۔

رہا یہ امر کہ یہ کیا بات ہے کہ شیطان اذان کی آواز سے تو بھاگتا ہے اور نماز سے نہیں بھاگتا، جو اس سے اعلیٰ ہے، بلکہ اس کے برعکس نمازی سے قریب تر ہو جاتا ہے۔ اور اس کی نماز اور نفس میں حائل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ نماز افضل ترین عبادت ہے۔ اور اصل مقصود اور اہم مطلوب ہے؟

تو اس خلجان کا در اصل منشی بھی یہی امر ہے کہ اذان کی مستقل حیثیت دماغوں میں قائم نہیں رہی، بلکہ اس کو محض نماز کی اطلاع کا ایک ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے، حالانکہ اذان محض نماز کی اطلاع کا ذریعہ ہی نہیں ہے، بلکہ یہ شریعت کی جامعیت اور کمالی شان ہے کہ نماز کی اطلاع کا ذریعہ بھی وہ اختیار کیا گیا ہے، جو خود اصل مقصود اور مطلوب امر بھی ہے، تو اذان کی دو حیثیتیں ہوئیں، جو خود اہم مقصود بھی ہے اور دوسرے اہم مقصود کا ذریعہ بھی ہے جب یہ دونوں حقیقتیں جدا جدا ہیں، تو ہر ایک کے خصائص اور مناقب بھی جدا جدا ہیں۔ مثلاً اذان کے خصائص میں سے ہے کہ اذان کی آواز

زمین کی فضاؤں میں محدود نہیں رہتی، بلکہ آسمانوں کے اوپر تک پہنچتی ہے۔

حضرت انور شاہ صاحبؒ نے فیض الباری میں جامع صغیر سیوطیؒ سے نقل کیا ہے کہ اذان اور قرآن کے علاوہ زمین والوں کی آوازیں آسمان والوں تک نہیں پہنچتیں، یہی دو آوازیں ایسی ہیں، جو براہ راست آسمانوں تک جاتی ہیں۔

نیز صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جن جن و بشر اور شئی تک بھی مؤذن کی آواز کی گونج پہنچ جائے گی، وہ قیامت کے دن مؤذن کے حق میں شاہد و گواہ ہوگا۔ (مشکوٰۃ شریف)

جب دعوت حق کی آواز اس نے بلند کی ہے۔ تو جہاں تک بھی اس دعوت کی گونج پہنچے گی۔ وہ لامحالہ اس داعی حق مؤذن کے اسلام و ایمان کی شہادت دیگی۔ جو شخص دوسروں کو اسلام و ایمان کی دعوت دے رہا ہے اور اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کی طرف بلا رہا ہے، وہ خود اسلام و ایمان سے کس طرح بے بہرہ ہو سکتا ہے؟ اور کس طرح اللہ اور رسولؐ کے فرمان سے باہر ہو سکتا ہے؟ غرض مسجد کا مؤذن، مسجد کا ملا نہیں ہے، بلکہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا داعی اور منادی ہے، جو لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلا رہا ہے اور شیطانی باطل دعوتوں کا توڑ اور رد عمل کر رہا ہے۔ اب لامحالہ شیطان اس دعوت حق کی آواز سے بھاگے گا، اور تمام شیطانی اور باطل دعوتیں اس کے مقابلے میں شکست کھا کر پاش پاش ہوں گی۔ شیطان کے اذان کی آواز سے بھاگنے اور راہ فرار اختیار کرنے کی یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے کہ جب ہر رطب و یابس شئے مؤذن کے مسلم و مومن داعی الی اللہ ہونے کی شاہد و گواہ ہوں گی اور لامحالہ ان کو اس صدائے حق کی شہادت دینی پڑے گی، جس کی گونج ان تک پہنچی ہے تو شیطان مردود یہ کب گوارا کر سکتا ہے کہ دنیا میں ایمان و اسلام سے ہٹائے بھی اور آخرت میں ایک مرد مومن کے ایمان کی شہادت بھی دے۔ غرض مؤذن درحقیقت دین کا داعی اور حق سبحانہ وتعالیٰ کا منادی ہے۔

اللہ کے اس منادی کی آواز آسمانوں کے اوپر بھی پہنچتی ہے تو آسمان والے بھی اس کے اسلام کی شہادت دیں گے۔ یہ کوئی کم رتبہ نہیں جو دین کے داعی اور حق تعالیٰ کے منادی کو عطا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ موذن روز محشر سب سے بلند ہوگا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

المؤذنون اطول الناس اعناقاً — موذنین قیامت میں سب لوگوں سے زیادہ سربلند ہوں گے۔

کسی کام کا معاوضہ اور بدلہ اس کے مناسب حال لوگوں کو ہی دیا جاتا ہے، جب موذنین نے دنیا میں اپنی گردنوں کو بالا کر کے اپنی آوازوں کو بلند کر کے حق کی دعوت دی ہے تو لامحالہ رحمت خداوندی وفضل وایزدی کا تقاضہ یہی ہے کہ روز حشر ان کی گردنیں سب سے بلند رہیں۔ اور ان کی بلند آوازی وہاں ان کی سرفرازی اور کامیابی کا باعث بنے ۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اذان کے بارے میں ارشاد ہے:

من اذن سبع سنین محتسباً کتبت له براءة من النار (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱۸۹/۱) — جو شخص سات سال ثواب کی امید میں اذان دے اس کے لئے جہنم سے برأت لکھ دی جاتی ہے۔

کیونکہ سات سال تک متواتر اجر وثواب کی امید میں اذان دیتے رہنا، اس کے ایمان قلبی کی بخوبی شہادت دیرہا ہے کہ اتنی طویل مدت تک بلا کسی اجر ومعاوضہ کے وہی شخص اس خدمت کو انجام دے سکتا ہے، جو واقعی اللہ کا پرستار، وفادار اور فرمانبردار ہوگا۔ اور اس کے دل میں تعلق خداوندی راسخ ہوگا۔ پھر جب کہ اس نے اس قدر سالوں اذان دے کر اس قدر رحمت الٰہیہ کا ذخیرہ جمع کر رکھا ہے، جو عظیم الشان سرمایہ ہے تو پھر اس کو وہاں جہنم سے برأت کا پروانہ کیوں نہ عطا ہوگا؟۔ اسی بنا پر اذان بھی نبوت کا ایک مستقل شعبہ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

وفضائل الاذان ترجع الی انه — اور اذان کے فضائل کی کثرت بتارہی

من شعائر الاسلام وبه تصير الدار دار الاسلام ولهذا كان النبي صلی اللہ علیہ وسلم ان سمع الاذان امسك والا اغار وانه شعبة من شعب النبوة لانه حث على اعظم الاركان وام القربات ولا يرضى الله ولا يغضب الشيطان مثل ما يكون في الخير المتعدي واعلاء كلمة الحق۔ (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ۱۸۹)

ہے کہ یہ شعائر اسلام میں سے ہے اسی کی وجہ سے آبادی دارالاسلام قرار پاتی ہے اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی آبادی سے اذان کی آواز سن لیتے تھے تو اس سے باز رہتے تھے، ورنہ حملہ فرماتے تھے اور یہ کہ اذان نبوت کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے کیونکہ اذان اس عظیم الشان عبادت کی ترغیب ہے جو ارکان اسلام میں سب سے اہم اور اعظم ہے اور تمام نیکیوں کی جڑ و بنیاد ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور شیطان کی ناگواری خیر متعدی اور اعلا کلمہ حق کے برابر کسی شے میں حاصل نہیں ہوتی

پس معلوم ہوگیا کہ اذان خود بھی شعائر اسلامی ہے اور ایک شعائر اسلامی کا ذریعہ بھی ہے خود بھی نبوت کا ایک اہم شعبہ ہے اور اپنے سے اہم تر دوسرے شعبہ کا ذریعہ بھی ہے، اب چونکہ اذان شعائر دین سے ہے اور دین حق کی دعوت کا برملا اعلان و اظہار ہے جس کو مقرر کرنے کی غرض یہ بھی ہے کہ لوگوں کی اندرونی حالت و کیفیت کا اظہار ہوجائے کہ انہوں نے ہدایت الٰہی اور دین خداوندی کو قبول کرلیا ہے یا نہیں ؟ اس لئے اذان سننے والے پر اس کی قبولیت اور اجابت کا اظہار بھی ضروری ہے تاکہ صراحت کے ساتھ وہ مقصد پورا ہوجائے جو اذان کا مقصود ہے اسی لئے اذان کی اجابت وقبولیت ہر عاقل وبالغ مسلمان پر مقرر کی گئی ہے حتیٰ کہ عورتوں پر بھی اذان کی اجابت ضروری ہے اگرچہ ان پر جماعت میں شریک ہونا ضروری نہیں ہے اور

اجابت بھی اجمالی طور پر نہیں۔ بلکہ تفصیلی طور پر صراحت کے ساتھ ہر امر کا اقرار کرے جس کی مؤذن دعوت دے رہا ہے۔ اور جو الفاظ مؤذن اپنی زبان سے ادا کر رہا ہے۔ انہی الفاظ کو اذان کو سننے والا مسلمان بھی اپنی زبان سے ادا کرے اور چونکہ اذان میں صلاح و فلاح اختیار کرنے اور نماز کو قائم کرنے کی جانب بھی دعوت ہے اور یہ توفیق ایزدی ہدایت ربانی اور فضلِ خداوندی پر موقوف ہے۔ اس لیے اس وقت بارگاہِ خداوندی سے اس کی طلب بھی ضروری ہے۔ ورنہ انسان محض اپنے عزم و ارادہ سے تو کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

جس شخص نے ایسا کر لیا۔ اس کے لیے بھی دخول جنت کی بشارت ہے کیونکہ اپنی زبان سے دعوتِ خداوندی کی قبولیت کا اقرار کر لیا اور ظاہری انقیاد کے اطوار پورے کر دیے۔ دعوت کی اہمیت اور عظمت کی وجہ سے اس کی تفصیلی اجابت پر بھی اکتفا نہیں فرمایا گیا بلکہ اس تفصیلی اعتراف کے بعد پھر اجمالی اعتراف کی جانب متوجہ کیا گیا تاکہ ہر طرح سے اس دعوت کے مقاصد ذہن نشین ہو جائیں چنانچہ اجابت اذان کے بعد یہ دعا تلقین کی گئی۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ	الٰہی اس دعوت نامہ کاملہ اور اس قائم
التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ	ہونے والی نماز کے پروردگار عطا فرما
اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَ	حضرت محمدؐ کو وسیلہ اور فضیلت اور
الْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا	پہنچا آپؐ کو اس مقام محمود پر جس کا
مَّحْمُوْدَنِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ	تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اذان سننے کے وقت یہ دعا پڑھے اس کے لیے قیامت کے دن میری شفاعت لازم ہوگی۔ کیونکہ احسان کا بدلہ کریم کے

لیے ضروری ہے ۔ اس لیے امت کو یہ دُعا تلقین کی اور یہ دُعا پڑھے ۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُوْلًا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا

میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ وہ یکتا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور بیشک حضرت محمدؐ اسکے بندے اور رسول ہیں ۔ میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے سے راضی ہوں اور محمدؐ کے رسول ہونے سے راضی اور دین اسلام سے راضی ہوں ۔ ہر ایک کو بطیب خاطر کیا ہے ۔

صحیح مسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اذان سننے کے وقت یہ دُعا پڑھے ۔ اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں ۔ اور صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپؐ ارشاد فرما رہے تھے ۔ کہ جب تم مؤذن کی اذان سنو تو جو کلمات وہ کہہ رہا ہے تم بھی اُن کو زبان سے ادا کرو ۔ پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں ۔ پھر اللہ سے میرے لیے وسیلہ طلب کرو اور وہ جنت میں ایک عالی مقام ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ ایک بندہ میں ہی ہوں گا ۔ پس جو شخص میرے لیۓ وسیلہ کی طلب کرے گا اُس کے لیے میری شفاعت لازم ہو جائے گی ۔ (صحیح مسلم)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ

وامر بالدعاء للنبي صلى الله عليه وسلم تكميلا للمعنى

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دُعا کا اس لیے حکم دیا گیا تا کہ دین محمدی کی

قبول دینہ واختیارحیہ۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۸۹ ج ۱)　　　　قبولیت اور آپ کے محبت وتعلق کو اختیار کرنے کی مجملاً تکمیل ہو جائے۔

یہ اذان کی غرض وغایت عام لوگوں اور تمام انسانوں کے لیے ہے۔کیوں کہ اذان کی دعوت میں ان تمام امور کا اعلان ہے جو تمام الہامی مذاہب میں مشترک ہیں اور بنیادی مقاصد ہیں۔ اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ان بندوں کے لیے جو نماز کی حقیقت سے آگاہ ہیں اور نماز کو نماز کی طرح ادا کرتے ہیں۔ اُن کے حق ہیں تو اذان محض دعوت حق کا اعلان واعتراف ہی نہیں ہے۔ بلکہ بارگاہِ خداوندی ہیں حاضری کی اطلاع خاص ہے گویا پروردگار عالم احکم الحاکمین مالک الملک کا دربانِ خاص خدا کے برگزیدہ بندوں کو اطلاع اور خبر دے رہا ہے کہ اب بارگاہِ خداوندی میں حاضری اور سرفرازی کا وقت قریب آگیا ہے اور دربارِ عام شروع ہونے والا ہے۔ باخبر ہوشیار ہوجاؤ اور صاف ستھرے پاک وصاف ہو کر دربارِ خداوندی میں حاضر ہوجاؤ کہ اب حاضری کے لیے اذن عام ہے کیوں کہ اذان کے معنی ہیں اطلاع اور اعلام اور اذنِ عام ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ فرماتے ہیں الاذان لغۃ الاعلام (اذان کے لغوی معنی اطلاع اور اذن عام ہیں) جس رب العلمین احکم الحاکمین مالک الملک کے دربار کا بلاوا ہے۔ اسی کے مطابق اس کا استقبال بھی شایان ہے۔ اسی لیے ارشادِ نبوی ہے کہ المؤذن مؤتمن (مؤذن امانت دار شخص ہے جو اس امر کی صحیح اطلاع دے رہا ہے کہ اس وقت بارگاہِ خداوندی میں اس کے بندوں کا بلاوا ہے) اسی لیے مؤذنوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ بہترین افراد ہوں جو بارگاہِ خداوندی میں بلانے کی صلاحیت اور استعداد رکھتے ہوں۔ اور بارگاہ خداوندی تک پہنچانے کے آداب وشرائط سے واقف اور آگاہ بھی ہوں کیونکہ یہ وہ منصب ہے۔ جس پر روئے زمین کی بادشاہت بھی نثار ہے۔ اب جب کہ اذان کی اصل غرض وغایت اور اس کے مقاصد اور مناقب معلوم ہوگئے تو اذان کے کلمات

کے معنی اور مفہوم کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ کس قدر عظیم الشان امر کی دعوت دے رہا ہے اور کس جانب مخلوقِ خدا کو بلا رہا ہے اگر خود ہی معنی اور مفہوم سے ناواقف ہوگا تو وہ دوسروں کو کس طرح آگاہ کر سکتا ہے؟

کلماتِ اذان کا مفہوم

سب سے پہلے کلمہ اللّٰہُ اَکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) چار مرتبہ بلند آواز سے کہا جاتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ کبریائی اور بڑائی صرف اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ کیلئے ہے وہی سب سے بڑا ہے۔ سب سے بلند ہے۔ سب سے عالی ہے اور ہر شے اس کے سامنے سرنگوں اور پست و پائمال ہے۔ اور اس کی ماتحت و محکوم اور مطیع و زیر فرمان ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ انسان اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے سوا کسی زبردست سے زبردست طاقت کے سامنے جھکے اور اپنے شرفِ مسلمانی کو اُن کے سامنے پائمال کرے۔

یہ چار دفعہ کا بار بار اقرار ہر قوت و طاقت کے خوف و خطر کو دل و دماغ سے نکال دے گا۔ جب دل و دماغ ماسوا اللہ کی عظمت بڑائی سے صاف ہو جائیں تو پھر دو مرتبہ کہے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) سب سے بڑا اللہ ہی ہے اور اس کے سوا کوئی معبود ہی نہیں ہے تو پھر عبادت، اطاعت اور انقیاد بھی صرف اسی کا کیا جائے گا۔ تعلق خاطر اسی سے رکھا جائے گا جو معبود برحق اور خالقِ کائنات ہے۔ صرف اسی کے احکام کی پابندی اور بجا آوری ہو گی جو مالک کون و مکاں اور پروردگار دوجہان ہے۔ جس کے لیے زمینوں اور آسمانوں اور تمام جہانوں اور جہاں والوں کی بادشاہت اور حکومت ہے۔

اس دو بار کے اقرار کے بعد انسان اپنے شرف انسانی کے اصل مقام و مرتبہ پر آگیا۔ اور یہ ماسوا اللہ کی محکومی اور غلامی سے یکسر آزاد ہو گیا اور بندہ کا اپنے مولا،

اپنے رب، اپنے مالک، اپنے خالق اور اپنے رزاق سے براہِ راست تعلق قائم ہو گیا۔ اس حقیقت کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد انسان کی زندگی میں انقلاب عظیم پیدا ہو جاتا ہے۔ جذبات و نظریات، خیالات و اعتقادات سب بدل جاتے ہیں اور وہ پوری کائنات سے کنارہ کش ہو کر صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کا ہو جاتا ہے۔ جس کے تصرف اور قبضہ میں کل کائنات ہے اور ہر طاقت وہم سے خوف و ہراس دُور ہو جاتا ہے۔ ؎

موحد اگر در پائے ریزی زرش　　　وگر تیغ ہندی نہی بر سرش
اُمید و ہراسش نباشد زکس　　　ہمیں است بنیاد توحید و بس

اب یہ کائنات کے لیے نہیں ہوتا بلکہ کل کائنات اس کے لیے ہوتی ہے۔

ع　　مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

اس اعترافِ حقیقت کے بعد اب انسانی زندگی کا رخ ہی بدل جاتا ہے۔ وہ دوسروں کی پابندی اور نفسِ شیطان کی پیروی کے بجائے اللہ اور اس کے رسُولوں کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہے اور زندگی و بندگی کے اس راستہ کی پیروی کرتا ہے جو انسانی زندگی کے لیے روزِ ازل سے کھلا ہوا ہے۔ اس لیے پھر فوراً دوبارہ اس حقیقت کا اعلان و اعتراف کرتا ہے کہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ (میں اس امر کا اعتراف و اعلان کرتا ہے کہ بے شک محمد اللہ کے رسُول ہیں) جب اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے بھیجے ہوئے پیغامبر، رسُول اور قاصد ہیں تو جو پیغام بھی آپؐ حق تعالیٰ کی طرف سے لائے وہ حق ہے اور جو احکام بھی آپؐ نے حق تعالیٰ کے بتائے وہ بالکل صحیح اور درست ہیں۔ اور جو راستہ بھی آپؐ نے انسانی زندگی کے لیے بتایا، ترقی و نجات صلاح و فلاح کا اصل راستہ وہی ہے۔ کیوں کہ تمام انبیائے سابقین اور خدا کے رسُولوں، تمام پیغمبروں اور مقبولِ بارگاہ بندوں کا راستہ وہی ہے۔ آپؐ کی لائی ہوئی شریعت تمام سابقہ شرائع کی جامع کامل و مکمل نام تشکیل ہے۔ جس میں ہر خدائی شریعت کی اچھی تعلیم آگئی۔ آپؐ کی نبوت و رسالت کا اقرار بھی

در حقیقت توحید خالص کا اعتراف اعلان ہے۔ کیوں کہ دیگر تمام مذاہب والے اس لیے گمراہ ہوئے کہ انہوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں اور خدا کے برگزیدہ بندوں کو بندگی کی حدود سے نکال کر خدائی کا درجہ دے دیا۔ بندوں کی پرستش کرنے لگے اور پروردگارِ عالم خداوند عالم کو چھوڑ دیا، خود بھی گمراہ ہوئے۔ اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ جب محمدؐ کی نبوت و رسالت کا اعتراف اور اعلان ہو گیا تو تمام نبیوںؑ اور رسولوںؑ اور الہامی کتابوں کی صداقت و حقانیت کا اعتراف و اعلان بھی ہو گیا۔ کیوں کہ آپ نے تمام نبیوں اور رسولوں اور اُن کی لائی ہوئی کتابوں کی تصدیق اور توثیق فرمائی۔ اب جب نجات اور فلاح، عبادت اور اطاعت کا راستہ متعین ہو گیا۔ تو اسی جانب لوگوں کو دعوت دے اور ہر طرف کے لوگوں کو اس طرف بلائے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ (تم لوگ نماز (عبادت) اور فلاح و نجات کی طرف آؤ) اسی میں زندگی کی درستی اور راستی اور آخرت کی کامیابی ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اذان مختصر الفاظ ہونے کے باوجود تمام ضروری عقائد پر مشتمل ہے۔ کیوں کہ اس میں پہلے حق تعالیٰ کی کبریائی کا اعلان ہے جس کے ضمن میں تمام صفات کمال آ گئیں۔ پھر توحید خالص کا اقرار و اعلان ہے جس سے کفر و شرک کی تمام باتوں کی نفی لازم آ گئی۔ پھر رسالت کا اعتراف و اعلان ہے جس میں ان تمام اُمور کا اعتراف و اعلان ہے جو رسولؐ کے ذریعہ بھیجی گئی ہیں۔ پھر فلاح و نجات اور عبادت و اطاعت کی جانب دعوت ہے جس میں آخرت کی کامیابی موقوف ہے۔ (یعنی) اور بھی تمام امور انبیائے سابقینؑ اور تمام خدائی مذاہب کے اصل مقاصد اور بنیادی اُمور ہیں۔

اقامت یعنی تکبیر کی فضیلت و منقبت

جو فضیلت و منقبت اور عظمت و اہمیت اذان کے لیے ہے وہی فضیلت و منقبت اور عظمت و اہمیت اقامت اور تکبیر کے لیے بھی ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ اذان تمام

لوگوں کے لیے دین کی دعوت ہے۔ اور بارگاہ خداوندی میں حاضری کی اطلاع اور اعلان عام ہے اور اقامت و تکبیر صرف ان مخصوص مقرب بندوں کے لیے ہے جو اس دعوت پر بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوگئے اور مساجد خداوندی میں اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہونے، باریاب ہونے، اور مناجات کرنے اور اپنی معروضات کو پیش کرنے کے انتظار اور اشتیاق میں تیار بیٹھے ہیں۔ اس لیے ارشاد نبوی ہے۔ مَنْ اَذَّنَ فَهُوَ يُقِيْمُ یعنی جس نے اعلان و اطلاع کر کے لوگوں کو عبادت و طاعت کی طرف بلایا ہے۔ اسی کا حق ہے کہ وہ اس کام کے لیے کھڑا بھی کرے۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ اَرْسَلَ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔

محمد احتشام الحسن

دار الاشاعت کاندھلہ ضلع مظفر نگر

۱۲ محرم الحرام ۸۰ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ
مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ (القرآن)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تمہیں جمعہ کے روز (نماز جمعہ کیلئے)
بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کیطرف دوڑو۔

اُردو

فضائلِ جمعہ

از افادات

شیخ الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند (انڈیا)

ناشر

کتب خانہ مجیدیہ
بیرون بوہڑ گیٹ ملتان شہر

فہرست

عنوان	صفحہ

فضائلِ جمعہ

از حکیم الاسلام علامہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ۔

بزرگانِ محترم!

میں اس وقت اپنی بعض مصروفیات کی وجہ سے زیادہ وقت آپ حضرات کا نہیں لے سکوں گا۔ اور اس کے علاوہ کچھ تعب و تکان بھی ہے۔ رات بھی تقریباً دو ڈھائی گھنٹے بیان ہوا۔ اس وقت بھی تقریباً ایک گھنٹہ کے قریب ایک نکاح کی مجلس میں بیان ہوا اب ہمت نہیں ہے کچھ بیان کرنے کی۔ لیکن چونکہ اعلان ہو چکا ہے اور اعلان کا احترام بھی ضروری ہے۔ اس واسطے تھوڑا سا وقت آپ حضرات کا لوں گا۔

سب سے پہلا سوال موضوع کا ہے۔ کہ کس موضوع پر بیان کیا جائے اور یہ مستقل کام ہوتا ہے۔ میرے لیے کہ کونسا موضوع منتخب کیا جائے۔ اس وقت سب سے بہتر موضوع وُہی ہے جس کے لیے ہم اور آپ حاضر ہوئے ہیں۔ اور وہ ہے نمازِ جمعہ، جو بہترین موضوع بھی، بہترین عبادت بھی ہے۔ بہترین قربت بھی ہے۔

چند باتیں

اسی کے سلسلے میں چند باتیں مجھے عرض کرنی ہیں اور وُہ باتیں اپنی نہیں ہوں گی۔ بلکہ ایک حدیث جو ذہن میں آگئی اسی کو بیان کرنا ہے۔ اور اُس کا ترجمہ کرنا ہے حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوتے اس شان سے کہ ایک آئینہ اُن کے ہاتھ میں تھا اور اُس آئینہ کے وسط میں ایک سیاہ نقطہ تھا جو بالکل ممتاز تھا۔ آپ نے پوچھا۔ اے جبرائیل

یہ سیاہ نقطہ کیسا ہے اور یہ آئینہ کیا ہے ؟"

میدانِ مزید کی تعریف

فرمایا۔ کہ یہ سیاہ نقطہ مزید ہے۔ جس کے معنی زیادتی کے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مزید کیا ہے ؟ عرض کیا کہ یارسول اللہ ! یہ ایک میدان ہے جنت میں اور جنت کے بھی بالائی حصہ میں۔ یعنی جنتیں سو ہیں اُوپر نیچے۔ اور ہر جنت آسمانوں اور زمینوں سے بڑی ہے۔ سب سے اُوپر کا حصہ جو عرش کے نیچے ہے۔ اس میں ایک میدان ہے جو بالکل سُفید ہے۔ اُس کی گھاس بھی سُفید، درخت بھی سفید۔ غرض ہر چیز سفید اور شفاف ہے اور فرمایا کہ یہ اتنا بڑا میدان ہے کہ ہزار ہا برس ہو گئے مجھے گھومتے ہوئے۔ کہ میں اب تک پُوری طرح اِس کی کنہ کو نہیں پاسکا ہُوں۔

حدیث میں ہے کہ اصل شکل میں جبرائیل علیہ السلام کو آپؐ نے دو۲ مرتبہ دیکھا ہے اِس شان سے کہ زمین سے لے کر آسمان تک اور مشرق سے لے کر مغرب تک ساری فضا اُن کے بدن میں گھری ہوئی تھی۔ چھ چھ باز و تھے۔ سُورج سے زیادہ روشن تاج اُن کے سر پر تھا۔ اندازہ کیجیئے کہ وُہ میدان کتنا بڑا ہو گا۔ جس میں حضرت جبرائیلؑ ہزار ہا سال سے گھوم رہے ہیں۔ لیکن ابھی تک پُورا معلوم نہیں کر سکے۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ اِس میدان کی غرض و غایت کیا ہوگی۔ تو عرض کیا کہ یہ موقع ہو گا۔ دربارِ خداوندی منعقد ہونے کا۔ اِس میدان میں انبیاء علیہم السلام کے منبر بچھائے جائیں گے۔ گول دائرے کی شکل میں، نُور کے منبر ہوں گے۔ اور ہر نبی کے منبر کے پیچھے اُمت کی کُرسیاں ہُوں گی اور وُہ پُورا میدان بھر جائے گا۔ اِن بیٹھنے والوں کی کرسیوں سے دنیا میں جتنا جس کو تعلق تھا۔ نبیؐ سے اور دین سے وُہ اتنا ہی قریب ہو گا۔ منبر نبوی کے اور وُہ کرسیاں اِس شان سے ہوں گی۔ کہ ایک کے دیکھنے میں دوسرا حائل نہیں ہو گا۔ جیسے آپ نے

دیکھا ہو گا کہ بڑی بڑی مجالس میں کرسیاں اس ترکیب سے بچھاتے ہیں کہ اگلی صف ذرا نیچی، پچھلی اونچی تاکہ ہر شخص بے تکلف سامنے کی سٹیج کو دیکھ سکے۔ کرسیاں اس انداز سے بچھائی جائیں گی۔ میدان کے کناروں پر کرسیاں نہیں ہوں گی۔ بلکہ کچھ غالیچے ہوں گے۔ کچھ فانوس ہوں گے۔ اس طرح سے یہ میدان بھر جائے گا۔ اب گویا دربار بن گیا۔ کہ چہار طرف منبر ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے ان کی پشت پر کرسیاں ہیں۔ بیچ میں، آئے گی کرسی حق تعالیٰ شانہ کی کہ جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اس کی کرسی کی عظمت و بڑائی حدیث میں بیان فرمائی گئی کہ ساتوں آسمان اور زمین اس کرسی کے سامنے ایسے ہیں جیسے ایک بڑے میدان میں ایک چھوٹا سا چھلہ پڑا ہوا ہوتا ہے۔ اتنی عظیم یہ کرسی ہے۔ آخر جس بادشاہ کی یہ کرسی ہے اس کی بڑائی اور عظمت کے مناسب اس کرسی کی شان ہے۔ حق تعالیٰ شانہ بیٹھتے نہیں۔ اس کرسی و تخت پر کہ وہ جسم سے بری اور صورت سے منزہ ہیں۔ لیکن ان کی صفت ہے "مَلِكٌ" بادشاہ، چنانچہ بادشاہت کے جتنے لوازم ہیں وہ سب جمع کیے گئے۔ تختِ سلطنت بھی ہے۔ جس کا نام عرشِ عظیم ہے۔ عرش مثل قبہ کے ہے کہ ساری کائنات پر چھایا ہوا ہے۔ اور ڈھانپے ہوئے ہے ساری کائنات کو اور عرش کے اوپر اللہ کی رحمت کی تجلی مستوی ہے۔ فرمایا گیا اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔ تو عرش کے اوپر رحمت چھائی ہے اور عرش کائنات پر چھایا ہوا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رحمت چھائی ہوئی ہے کائنات کے اوپر۔ یعنی جو تعلق اللہ نے اپنے بندوں کے ساتھ قائم کیا ہے۔ وہ رحمت کے ساتھ کیا ہے۔ غضب کے ساتھ نہیں۔ غضب اگر سامنے آجائے تو پتہ بھی نہ چلے مخلوق کا۔ رحمت ہی نے سنبھال رکھا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔

تو رحمت کی تجلی مستوی ہے عرش پر۔ اور اس رحمت سے احکام پھوٹتے ہیں۔ ہدایت

اور رہنمائی اور کتب سماوی اور قوانین خداندی اور قضا و قدر سب وہیں سے چلتی ہیں۔ کہ جیسے ملک کی تمام کی تمام تجاویز و احکامات تخت سلطنت سے جاری ہوتے ہیں۔ اور اس طرح سے تخت سلطنت قائم کیا گیا اور وہ ہے عرشِ عظیم۔ تو عرش کے نیچے ہے عظیم سمندر۔ جس پر یہ عرش قائم ہے۔

وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ،

اور اس سمندر کے نیچے ہیں سو جنتیں۔ اور ہر جنت آسمانوں اور زمینوں سے زیادہ بڑی ہے۔ اور سو جنتوں کے نیچے ہیں پھر آسمان تہ بتہ۔ اور اس کے نیچے ہے پھر ہفت زمین تہ بہ تہ۔ کہ یہ ایک سلسلہ ہے کائنات کا۔ کہ نیچے زمین، اوپر فضا اور اس کے اوپر آسمان اور اس کے اوپر جنتیں اور اس کے اوپر سمندر اور اس پر عرش عظیم عرش پر پہنچ کر مخلوق کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے ــــ تو عرش اور جنتوں کے درمیان میں ہے یہ میدان، جس کی عظمت دیڑائی یہ ہے۔ اس میں دربارِ خداوندی منعقد ہوگا۔ بیچ میں بچھائی جائے گی کرسیِ حق۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ،

تمام اہل جنت اس دربار میں شرکت کرنے کے لیے پہنچیں گے۔ اپنی اپنی سواریوں پر۔ اُن کی سواریوں کی شان یہ آئی ہے۔ کہ بعض تخت ہوا پر اڑتے ہوں گے۔ اڑتے ہوئے تخت ہوں گے۔ بعض براق پر سوار ہوں گے۔ مختلف قسم کی سواریاں ہوں گی۔ جن کے ذریعے پہنچیں گے۔ اہلِ جنت اور ایسا وقت آئے گا کہ کل دربار مکمل منعقد ہو جائے گا۔ تمام اہلِ جنت جمع ہوں گے اور انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے منبروں پر ہوں گے۔ بیچ میں کرسی ہوگی حق تعالیٰ کی۔ جب سارا دربار جم جائیگا۔ تو اب محسوس کریں گے بندے کہ تجلیات حق کا ظہور ہو۔ گویا کہ کرسی پر حق تعالیٰ کی تجلی ــــ!

حدیث میں ہے کہ وہ کرسی باوجود اس عظمت کے اس طرح چرچرائے گی۔ کہ جیسے بوجھ سے دب کر کوئی چیز ٹوٹنے کے قریب ہوتی ہے۔ وہ ہیبتِ حق کا بوجھ ہوگا کوئی جسمانی بوجھ نہیں ہوگا۔

حدیث میں فرمایا گیا کہ داؤد علیہ السلام کو معجزہ دیا گیا تھا آواز کا۔ اتنی پاکیزہ آواز تھی کہ جب وہ مناجات پڑھتے تو چرند و پرند اُن کے ارد گرد جمع ہو جاتے تھے اور محو ہو جاتے تھے۔ انسان تو بجائے خود جانوروں پر بھی ایک غنودگی کی کیفیت طاری ہوتی تھی۔ فرمایا جائے گا حضرت داؤد علیہ السلام کو کہ ان تمام درباریوں کو اپنے مضمون سے مستفید کریں۔ تو حضرت داؤد علیہ السلام اس اعجازی خوش آوازی سے مناجات و مضامین پڑھیں گے کہ کیف طاری ہو جائے گا اہل جنت پر۔ جس طرح شراب طہور کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔

وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا۔

ملائکہ کو فرمایا جائے گا۔ کہ تقسیم کرو۔ یہ شراب طہور دنیا کی شراب جیسی نہیں ہو گی۔ دنیا کی شراب میں تلخی ہوتی ہے۔ اس میں شیرینی ہوگی۔ دنیا کی شراب سے عقلیں جاتی رہتی ہیں ہیں۔ اس سے عقلوں میں تیزی اور معرفت و بصیرت پیدا ہوگی۔ وہ سکر مشابہ ہوگا۔ اس سکر کے کہ جو حضرات صوفیاء پر کثرتِ ذکر سے ایک نشۂ معرفت کا طاری ہوتا ہے۔ ایک سکر ہوتا ہے اور ایک استغراق ہوتا ہے۔ کہ اس میں منکشف ہوتے ہیں۔ اُن پر احوال و علوم و مواجید۔ گویا دنیا میں جو سکر دیا گیا تھا معرفت کا، اس کی صورت مثالی ہوگی۔ جنت میں شراب طہور اور اس طرح سے کیف عقلوں پر طاری ہوگا۔ روحوں میں بھی ایک کیف بڑھے گا۔ معرفت خداوندی اور بصیرت بڑھتی جائے گی۔ اُس وقت حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ:

علم اور اہلِ علم کی احتیاج قیامت کے دن

سَلُوْنِیْ مَا شِئْتُمْ ۔

جو جس کا دل چاہے مانگے، طلب کرے۔ سب کو خطاب عام فرمایا جائے گا۔ تو سب مل کر عرض کریں گے۔ کہ کون سی نعمت ہے جو آپ نے عطا نہیں فرما دی ہمیں ساری نعمتیں مل چکی ہیں۔ بس ہماری درخواست یہ ہے کہ اپنی رضا ہمیں عطا فرما دیجئے۔

فرمائیں گے کہ یہ نعمت مِل چکی۔ اگر میں راضی نہ ہوتا تو تمہیں اس مقام پر گھسنے نہ دیتا۔ میں راضی ہوں اور ایسا راضی ہوں کہ ابد الآباد تک کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ یہ مل چکا مقام تمہیں اور کچھ مانگو۔ تو سب حیران ہو کر ایک دوسرے کا مُنہ تکنے لگیں گے کہ کیا چیز مانگیں۔ کون سی نعمت ہے جو ہمیں نہیں مل گئی۔ اس وقت سب مِل کر رجوع کریں گے علماء کی طرف۔ اُن سے استفسار کریں گے۔ کہ کیا چیز رہ گئی ہے جو ہم مانگیں۔ ہمارے علم کے اعتبار سے تو ہر نعمت مل چکی ہے۔ گویا علم اور اہلِ علم کی احتیاج وہاں بھی باقی رہے گی۔ لوگ دُنیا میں مُستغنی ہونا چاہتے ہیں علماء سے۔ حالانکہ حاجت مندی وہاں بھی قائم رہے گی، وہ کسی کی ذات کی احتیاج نہیں ہوگی وہ علم کی احتیاج ہوگی۔ اور ابد الآباد تک علم کا محتاج ہے آدمی۔ اسلئے کہ علم اللہ کی صفت ہے۔ جیسے ذات لامحدود ہے، اُس کی صفات بھی لامحدود ہیں۔ تو کتنے ہی بڑے مقامات طے کرلے پھر بھی لامتناہی مقامات رہتے ہیں۔ جن کی طلب رہے گی انسان کو۔

حضرت شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قطعہ ہے۔ جو وہ پڑھا کرتے تھے۔ کہ جوں جوں مجھے دہر ادب سکھاتا ہے، مجھ پر میری عقل کا نقصان وارد ہوتا ہے۔ جو ادب کا کوئی مقام طے کیا تو سمجھ میں آیا کہ اب تک میری عقل نے یہ پایا نہیں تھا۔ اس

مقام تک بڑی ناقص عقل ہے۔ پھر اگلا مقام طے ہُوا تو معلوم ہوا کہ یہ بھی اب تک نہیں تھا، میری عقل نہیں پا سکی تھی ۔۔۔ اسی طرح جو جو مقام اَدب کے آتے رہے۔ میری عقل کا نقصان مجھ پر واضح ہوتا رہا۔ اور جیسے جیسے علم کے مراتب میرے بڑھتے رہے میری جہالت مجھ پر واضح ہوتی رہی۔ جب کسی علم کے مقام پر پہنچا، تو معلوم ہوا کہ اَب تک اس سے جاہل تھا۔ علم کے مراتب کھل رہے ہیں تو میرے نفس کی جہالت کے مقامات بھی میرے نفس پر کھل رہے ہیں۔

لا محدُود حد تک انسان جاہل اور محدود حد تک عالم ہے۔ جو ہمیں معلُومات ہیں وُہ محدُود ہیں اور جو غیر معلوم چیزیں ہیں وہ لا محدود ہیں۔ اس لیے کہ علم اللہ کی صِفت ہے۔ علم جتنا بھی بڑھتا جائے گا۔ انسان چاہے وہ کروڑوں مقامات ہوں علم کے پھر بھی اَن گِنت مقامات رہیں گے۔ کیوں کہ لا محدُود کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس لیے میں نے عرض کیا کہ علم کی محتاجگی دُنیا میں ہی نہیں، جنت میں بھی رہے گی۔ کیوں کہ صفتِ خداوندی وہاں پہنچ کر محدُود نہیں بن جائے گی۔ علم و معرفت کے مقامات وہاں بھی لامحدود رہیں گے ۔۔۔ تو، رجوع کریں گے لوگ علماء کی طرف کہ ساری نعمتیں مل گئیں کون سی چیز باقی ہے جو ہم مانگیں۔ تو علماء مل کر ایک مشورہ دیں گے کہ ایک چیز رہ گئی ہے جو طلب کرو۔ وُہ نہیں ملی اور وُہ یہ ہے کہ حقتعالٰی سے مانگو کہ اپنا جمالِ مبارک دکھائیے۔ دیدارِ خداوندی ابھی تک باقی ہے۔ یہ نعمت نہیں ملی اور وعدہ ہے قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ:۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔

بہت سے چہرے ہوں گے تر و تازہ اور شاداب کہ جو دیکھتے ہوئے ہُوں گے۔ اپنے پروردگار کی طرف ۔۔۔ جیسے کفار کے بارہ میں دھمکی دی گئی۔

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ۔

یہ وُہ لوگ ہیں اسیاہ چہرے والے اکہ اُن کے اور پروردگار کے درمیان حجابات حائل ہوں گے۔ یہ زیارت نہیں کرسکیں گے۔ ابدی محرومی ہوگی اُن کے لیے۔ تو اس کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اس وعدہ کا ظہور وہاں ہو گا۔ تو علماء مشورہ دیں گے۔ کہ ایک نعمت رہ گئی ہے وُہ طلب کریں۔ اور وُہ ہے دیدارِ خداوندی۔ تو سب مل کر ایک زباں ہو کر عرض کریں گے۔ کہ ہمیں یہ نعمت عطا فرما دیجیے۔ اپنا جمالِ مبارک دکھلا دیجیے۔ اسی کی تمنا میں ہم نے عبادتیں کی ہیں۔ عمریں گزاری ہیں مشاہدۂ حق اصل مقصود تھا۔ تو اب جب اس مقام پر مشاہدہ نہ ہوا تو اور کون سا مقام ہو گا کہ جہاں مشاہدہ ہو حق کا۔ درخواست قبول کرلی جائے گی۔

حدیث میں ہے کہ حجابات اُٹھنے شروع ہو جائیں گے۔ صرف ایک حجاب کبریائی اور عظمت کا باقی رہ جائے گا۔ باقی سب حجابات اٹھیں گے۔ اور بندے اپنے خدا کو دیکھیں گے۔ اس شان سے کہ نہ سمت ہے، نہ جہت ہے، نہ رنگ ہے اور پھر مشاہدہ ہو رہا ہے اور دیکھ رہے ہیں۔ یہ گویا موضوع ہے اس مزید کا۔ جس کا نام ہے "میدانِ مزید" وُہ درباری مقام۔ یہ ایک حدیث ہے کہ جس کا میں نے ترجمہ اور تعبیر آپ کے سامنے عرض کی۔

یہ جنت میں میدانِ مزید ہے اور ہفتے میں ایک بار اجتماع ہو گا۔ جب دربار ختم ہو گا تو فرمائیں گے اہلِ جنت کو کہ، جاؤ اپنے اپنے مقامات پر۔ اہلِ جنت واپس ہوں گے۔ اپنے اپنے گھروں میں پہنچ جائیں گے جنت میں۔

اِس دربار کی مثال دُنیا میں جمعہ رکھا گیا ہے۔ ہفتہ میں ایک مرتبہ یہ دربارِ خداوندی ہے جو دُنیا میں منعقد ہوتا ہے۔ خطیب اور امام، وُہ نائبِ حق ہوتا ہے جیسا کہ تجلیاتِ ربانی کرسی پر ہوتی تھیں۔ یہاں خطیب منبر پر بیٹھتا ہے۔ گویا وہ نمائندہ ہے اور تجلی حق ہے کہ اُس میں ظہور کر رہی ہے خطابت کی تجلی۔ اِس لیے کہ اصل

خطیبِ حق تعالیٰ شانہٗ ہیں۔ اُن کے بعد خطباء انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اسی لیے حدیث میں آپ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اَنَا قَائِدُهُمْ وَاَنَا خَطِیْبُهُمْ میں ہی قائد ہوں گا ساری اُمتوں کا، قیامت کے دن اور میں ہی خطیب ہوں گا۔ میں ہی اُن کے سامنے خطبہ دُوں گا۔ تو انبیاء نمائندگانِ حق ہیں۔ اس تجلی کے بارہ میں جو خطاب کی صُورت میں نمایاں ہوتی ہے۔ تو اصل خطیب حق تعالیٰ شانہٗ ہیں۔ تو اسی دُنیا میں اُن کا نمائندہ امام اور خطیب ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عام واعظوں اور عام خطبوں، کے جو آداب ہیں اس سے کچھ زیادہ ممتاز ہیں۔ اس خطبے کے آداب۔ فرمایا گیا۔

فَاِذَا خَرَجَتِ الْاِمَامُ وَلَاصَلٰوۃَ وَلَا کَلَامَ۔

جب خطبہ کے لیے امام اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہو۔ تو اب نہ سلام وکلام جائز ہے نہ نفلیں پڑھنی جائز ہیں۔ صرف کام یہ ہے کہ امام کو دیکھو خطبہ کی حالت میں۔ فرمایا گیا جو کنکریوں سے کھیلنے لگا اُس نے لغو حرکت کی۔ اُس کے لیے مکروہ ہے۔ عام وعظوں میں اگر کوئی کنکری اٹھالے تو کوئی کراہت نہیں۔ لیکن خطبہ جمعہ میں اگر کنکریوں سے چٹائی کے تیلوں سے کھیلنے لگے۔ اس پر نکیر کی گئی ہے۔ فرمایا گیا کہ اُس نے لغو حرکت کی۔ تو نماز بھی جائز نہیں ہے۔ خطبہ شروع ہونے کے بعد تلاوتِ قرآن مجید بھی جائز نہیں ہے۔ خطبہ شروع ہونے کے بعد درود شریف جیسی طاعت بھی جائز نہیں ہے۔ خطبہ شروع ہونے کے بعد سب سے بڑا کام ہے کہ اس وقت خطیب کو دیکھا جائے۔ اور کان لگائے جائیں اُس کے خطبہ کے اُوپر۔ جو زیادہ سے زیادہ اس کو دیکھنے کی عادت ڈالے گا میدانِ مزید میں زیادہ سے زیادہ اُسے حق تعالیٰ کا دیدار میسر ہوگا۔ وہاں تجلیاتِ حق سامنے ہوں گی۔ اسی لیے فرمایا گیا۔ کہ جمعہ میں جو اذان سے پہلے اوّل وقت آگیا، صفِ اوّل میں جگہ ملی اُسے۔ وہ ایسا ہے جیسے ایک اُونٹ قربانی کا ذبح کر دیا۔ جو اس کے بعد آیا۔ اس سے کم درجہ کا ہے کہ بکرا ذبح کیا۔ اس کے بعد جو آیا وہ ایسا

ہے کہ اُس نے مرغی ذبح کی ۔ اور جب خطبہ کے لیے کھڑا ہو گیا امام تو ملائکہ اپنے صحیفے لپیٹ کر خطبہ سننے کیلئے بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر کوئی درجاتِ عالی کا مقام نہیں رہتا کہ اُس کا نام لکھا جائے۔ پس فرض ادا ہو جائے گا۔ جو صفِ اُولیٰ میں ہو گا۔ وہ انبیاء کے پیچھے وہاں بھی، صفِ اُولیٰ میں جگہ پائے گا۔ جو یہاں جتنا پیچھے ہو جائے گا۔ اتنا ہی وہ وُہاں پیچھے ہو جائے گا۔

خطبہ جمعہ عام خطبوں سے بڑھ کر ایک نئی شان رکھتا ہے۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر لگاتار تین جمعے چھوڑ دیئے۔ قضا کر دیئے بلا کسی عُذر شرعی کے، عُذر طبعی کے تو ظن غالب یہ ہے کہ پھر اُسے توفیق نہیں ہو گی عمر بھر جمعہ پڑھنے کی۔ جب تک وُہ سچی توبہ نہ کرے۔ رجُوع نہ کرے ـــــ تو جمعہ کی نماز بھی بے شک فرض ہے۔ مگر عام فرائض سے کچھ زیادہ اُس میں خصُوصیّت ہے۔ اور یہ خطبہ عام خطبوں سے بڑھ کر ایک نئی شان رکھتا ہے جو امتیازی شان ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ ظہر کے چار فرض ہیں۔ جمعہ کے دو ہو جاتے ہیں۔ دو فرضوں کے قائم مقام یہ خطبے ہوتے ہیں جو امام منبر پر بیٹھ کر دیتا ہے۔ اسی لیے اِن خطبوں کے آداب عام خطبات سے زائد ہیں۔ کہ امام کو دیکھو، تلاوت مت کرو، عبادت بھی نہ کرو۔ بڑی عبادت یہ ہے کہ خُطبہ سُنو اور امام کو دیکھو۔ گویا بمنزل نماز کے ہیں یہ دو خطبے۔ تو چار رکعتیں ہو جاتی ہیں۔ اِس شان سے دو رکعتیں جمعہ اور دو رکعتیں قائم مقام ان دو خطبوں کے۔ اِس لیے ان خطبوں کے آداب زیادہ رکھے گئے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے نمُونہ اُتارا ہے۔ اِس دُنیا میں میدانِ مزید کا۔ اِس جمعہ کو اسی لیے شریعت کی اِصطلاح میں جمعہ کا نام ہے۔ ”یوم المزید“ اس لیے کہا گیا ہے کہ جنت کا میدان اِسی دُنیا میں ہے۔ جنت میں جا کر میدانِ مزید وہاں کی شان کے مطابق ہو گا۔ تو ساری دُنیا کی جامع مسجدیں اور چھوٹے مل کر میدانِ مزید کا ایک نقشہ ہیں دُنیا میں۔ اُن کے مجموعوں کو اُٹھا کر لے جائیں گے آخرت میں

اُوپر جنتوں میں پہنچائیں گے یہ خطبے۔ ٹکڑے بھی اُٹھائے جائیں گے جنتوں کی طرف۔ تو وہاں کا ایک نمونہ دربارِ خداوندی کا یہاں ہے۔ اسی واسطے جمعہ کو سید الایام کہا گیا ہے۔ کہ تمام دنوں کا سردار ہے۔ حق تعالیٰ کی مثال فرمائی گئی ہے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ۔

تیرا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے جس چیز کو چاہتا ہے چھانٹ لیتا ہے۔ اپنے لیے سات آسمان بنائے۔ ساتوں کو پسند کیا۔ منتخب کرلیا۔ وہ مقبول زمین ہے۔ بنیاد ہے جنتوں کی۔ ساتویں آسمان پر جنتوں کا علاقہ ہے جو مقام کریم ہے۔

صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان پر ہے۔ جو جبرئیل کا مقام ہے اور قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى۔ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔ تو سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان پر ہے۔ سدرہ کے پاس ہے مقامِ جنت۔ تو جنتوں کا علاقہ ساتویں آسمان سے شروع ہوتا ہے۔ سرکاری مہمان خانہ اسی میں بنایا گیا ہے۔ زمینوں میں سات زمینیں پیدا کیں۔ اُوپر کی زمین منتخب کی کہ وہ مقام ہے انبیاء علیہم السلام کا اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اور ساتویں زمین کی تہ میں ہے جہنم۔ جیسے جنت سات آسمانوں سے بالا تر ہے۔ جہنم سات زمینوں سے نیچے ہے۔

قیامت کے دن صُور پھونکا جائے گا۔ آسمان توڑ دیئے جائیں گے تو جنتیں نمایاں ہو جائیں گی۔ زمینیں ختم کردی جائیں گی تو جہنم نیچے سے نمایاں ہو جائے گی۔

وَإِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ۔ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ۔

جہنم دھونکا دیا جائے گا اور جنتیں سامنے کردی جائیں گی۔ بیچ میں جو پردے حائل ہیں زمینوں کے اور آسمانوں کے یہ سب توڑ پھوڑ کر برابر کر دیئے جائیں گے۔ تو

زمینوں میں اُوپر کی زمین کو پسند کیا اپنے لیے اور آسمانوں میں اُوپر کے آسمان کو پسند کیا۔ پیدا کیے سات اور منتخب کرلیا ایک۔ جنتیں پیدا کیں اور پسند کرلیا اپنے لیے جنت الفردوس کو۔ جو مقام ہے انبیاء علیہم السلام کا سب سے اُوپر کی جنت۔ پہاڑ ہزاروں بنائے اللہ نے۔ پسند کرلیا طورِ سینا کو کہ اسے اپنی تجلّی گاہ بنایا۔ اس کے شہر ہزاروں لاکھوں ہیں دُنیا میں۔ پسند کرلیا بلد الامین کو جس میں حرم واقع ہے مکہ مکرمہ۔ زمین کے ٹکڑے کروڑوں بنائے، سب سے زیادہ پسندیدہ وہ ٹکڑا ہے۔ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں۔

ہمارے علماء لکھتے ہیں کہ وہ ٹکڑا عرش سے بھی افضل ہے۔ اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ عرش کو نسبت ہے حق تعالیٰ کی طرف۔ حق تعالیٰ بیٹھے ہوئے نہیں ہیں اُس کے اُوپر۔ وہ جسم سے پاک ہیں۔ اور وہ ٹکڑا جو قبر مبارک کا ہے بدن لگا ہوا ہے اُس کو۔ اور جس کو چھُو جائے بدنِ نبوی وہ یقیناً افضل ہوگا عرش سے۔ کہ عرش سے چھوئے ہوئے نہیں ہیں حق تعالیٰ۔ کیوں کہ وہ بری و بالا ہیں جسم سے۔ ایک نسبت ہے اور یہاں نسبت نہیں بلکہ اتصال ہے، ملاپ ہے۔ زمین منتخب کی۔ زمین کے ٹکڑے ہزاروں بنائے۔ وہ ٹکڑا پسند کرلیا اپنے لیے۔

راتیں بنائیں سات اور پسند کرلیا لیلۃ القدر کو اور فرمایا کہ :-

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ۔

کہ لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ گویا ہزار مہینے جو شخص رات دن عبادت کرے۔ اس محنت سے جس مقام پر پہنچے گا۔ لیلۃ القدر میں اگر زندہ کیا رات کو، تو اس مقام پر ایک ہی رات میں پہنچ سکے گا۔ تو لیلۃ القدر کو پسند کرلیا۔ اپنے لیے۔ اسی طرح سے سات دن بنائے اور پسند کرلیا اُن میں سے اپنے لیے یوم جمعہ کو کہ یہ ہمارے دربار کا دن ہے۔ جنت میں بھی اسی دن میں دربار ہوگا۔ حالانکہ

جنت میں رات اور دن نہیں۔ وہاں تو یکساں ایک وقت رہے گا۔ وہاں سورج کی گردش نہیں ہے۔ کہ رات اور دن بنیں۔ یہ تو گردش آفتاب کے آثار ہیں رات اور دن کا بننا۔ کبھی دھوپ کبھی چھاؤں۔ کبھی دن اور کبھی رات۔ وہاں سورج نہیں ہے۔

حدیث میں ہے کہ جنت میں چاندنا ہوگا عرش کا عرش کی نورانیت پھیلی ہوئی ہوگی۔ وہ یکساں ہوگی اور اس نورانیت کی تمثیل اور تشریح دی گئی ہے کہ گرمی کے زمانہ میں صبح صادق کے بعد سورج نکلنے سے پہلے جب ٹھنڈی روشنی اور دودھ سا چاندنا ہوتا ہے۔ یہ نوعیت ہوگی جنت میں روشنی کی۔ کہ تیزی بھی ہے مگر ایسی نہیں کہ آنکھوں میں چوندھ پیدا کرے۔ روشنی کافی ہے مگر تیزی نہیں ہے کہ آدمی دھوپ میں بیٹھے۔ روشنی بھی ہے، ٹھنڈی بھی ہے۔ بَرد و سلام بھی ہے مگر تیزی نہیں ہے وہ خوشگوار ہے۔ نگاہوں کو بھانے والی اور یکساں رہے گی تو وہاں نہ رات ہے نہ دن ہے، نہ سونا نہ جاگنا۔ بلکہ جاگنا ہی جاگنا ہے۔ اس لیے کہ سوجانا تھکن اور غفلت کی علامت ہے۔ وہاں تعب و تکان کا نام و نشان نہیں کہ سوجائے آدمی پڑ کے۔ وہاں تو رات دن کا عیش ہے۔ رات دن کی بادشاہت ہے۔ اس لیے نہ رات ہے نہ دن ہے۔ تعب ہوتا تو رات رکھی جاتی کہ آرام سے سو جاتے۔ جب تکان نہیں تو رات کی ضرورت نہیں۔ اِس لیے یکساں دن رہے گا۔

پھر جو فرمایا گیا ہفتے میں ایک دن۔ یعنی جنتی تمہارے یہاں ایک ہفتہ کی مسافت و مدّت ہوتی ہے۔ اتنی مدّت کا حساب لگا لو کہ اتنے اتنے وقفے کے بعد دربارِ خداوندی منعقد ہوگا۔ وہ ہفتے میں ایک بار سمجھ لیجئے۔ اس لمحے کا نام رکھا گیا ہے "مزید"، دُنیا میں ساتویں دن کا نام "یومِ مزید"، رکھ دیا۔ جو نمونہ ہے جنّت کا، دُنیا میں۔ اِس لیے اُس کو سید الایّام فرمایا۔ کہ یہ سب سے پاکیزہ، سب سے بڑا

دن ہے اور بہترین دن سب جتنے بھی عظیم و اعظم امور ہیں وہ اسی دن میں ظاہر ہوئے۔ فرمایا گیا۔

فِيهِ جُمِعَ طِينُ آدَمَ۔

یہ جمعہ کا دن۔ اس کا مادہ ہے جمع۔ جامعیت کی شان جمع میں موجود ہے۔ منتشر چیزوں کو ایک جگہ اکٹھا کر دینا۔ بکھری ہوئی چیزوں کو ملا دینا۔ یہ ہے مادہ جمعہ کا۔ تو جتنی بھی منتشر چیزیں تھیں بڑی بڑی وہ جمع کی گئیں اس دن میں۔ آدم علیہ السلام کی مٹی جو پوری زمین سے لی گئی۔ وہ جمعہ کے دن میں ہی جمع کی گئی اور ان کا پتلا بنایا گیا۔

حدیث میں ہے کہ آدم علیہ السلام جس دن جنت میں داخل کیے گئے، وہ جمعہ کا دن تھا۔ جنت سے زمین پر لائے گئے وہ بھی جمعہ کا دن تھا۔

صحفِ آدم اتارے گئے آسمانوں سے وہ بھی جمعہ کے دن۔ مٹی جمع کی گئی وہ بھی جمعہ کے دن۔ پیدا کیے گئے آدم علیہ السلام وہ بھی جمعہ کے دن۔ جیسی کہ تفسیر قرآن کریم میں بتلائی گئی اور احادیث میں زیادہ شرح ہے کہ چھ دن میں اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو تیار کیا اور اس کے چھ دن تمہارے چھ ہزار سال کے برابر ہیں۔

وَيَوْمٌ عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ۔

تو چھ ہزار سال میں کائنات تیار ہوئی۔ گویا اتوار کے دن سے بننی شروع ہوئی اور جمعہ پر ختم ہوئی اور اس میں زمین بچھائی گئی۔ پھر آسمان بنائے گئے۔ پھر زمین میں قوتیں رکھی گئیں۔ پھر جمادات و نباتات پیدا کیے گئے۔ پھر آسمانوں میں ستارے پیدا کیے گئے۔ اس کی تفصیلات آئی ہیں۔ ساری کائنات جب بن کر تیار ہو گئی تو جمعہ کی آخری ساعت میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا۔ یہ زمین کا فرش بچھایا گیا۔ آسمان کا خیمہ تانا گیا۔ چاند اور ستاروں کے ہنڈے لٹکائے گئے۔ دریا جاری کیے گئے۔

غذائیں جمع کی گئیں ۔ یہ کس کے لیے تھیں ۔

وَاِنَّ الدُّنْيَا خُلِقَتْ لَكُمْ وَاِنَّكُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَةِ ۔

انسان کی پیدائش کی غرض

ساری دُنیا انسان کے لیے بنائی گئی ۔ انسان معبود کے لیے بنایا گیا ۔ جب کسی کو آپ مہمان بُلاتے ہیں تو پہلے آپ کوئی کوٹھی منتخب کرتے ہیں ۔ تو وہاں مہمان داری کا سامان کرتے ہیں ۔ کھانے کا ، پینے کا ، رہائش کا ، جب سب مہیا ہوتا ہے ، تب کہتے ہیں کہ تشریف لائیے ۔ مہمان آتا ہے ۔ ساری چیزیں اُس کے استعمال میں آتی ہیں ۔ تو آدم ساری دُنیا کا پھل ہے ۔ اُن کو لانے سے پہلے ساری دُنیا مکمل کر دی گئی ۔ زمین کو فرش بنا دیا گیا ۔ آسمان کو چھت بنایا گیا ۔ سُورج اور چاند کے ، ستارے چراغ لٹکائے گئے ، تاکہ روشنی ہو ۔ اور پھر عجیب طریقے سے زمین کو گودام بنا دیا کہ اُس میں غذائیں نکل رہی ہیں ۔ زمین کو واٹر ورکس بنا دیا کہ جس میں سے پانی بھی نکل رہا ہے ۔ زمین کو ایک صندوق بنا دیا جس میں لباس بھی نکلتے چلے آ رہے ہیں ۔ تو زمین ذخیرہ ہے ساری ضروریات کا ۔ زندگی کا بھی اور موت کا بھی ۔ اسی سے پیدا ہوتا ہے ۔ آدمی اس میں کھپ جاتا ہے ۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۔

تو زمین ہماری قرارگاہ بھی ہے ۔ ہماری موت گاہ بھی ہے ۔ ہماری دُنیا بھی ہمارا برزخ بھی ہے ۔ ساری چیزیں جمع کر دی گئیں ۔ غذائیں مہیا کیں ۔ اس کے بعد آخر میں لائے آدمؑ تو جمعہ کا دن تھا ۔ آخری ساعت تھی ۔ کہ جس میں آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے ۔ اسی واسطے فرمایا گیا کہ جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ہے ایک ساعت ہے ۔ کہ وہ اگر کسی سے گزر جائے تو جو دُعا مانگتا ہے ۔ یقیناً قبول ہوتی ہے اس ساعت میں ۔ تو علماء لکھتے ہیں کہ یہ وُہی ساعت ہے کہ جس میں آدم علیہ السلام کی پیدائش

عمل میں آئی۔ تو جتنے اعظم امور ہیں۔ بڑے بڑے امور ہیں۔ سب اسی دن واقع ہوتے ہیں۔ آدم کی پیدائش۔ آدم کی مٹی کا جمع کرنا۔ آدم کو دنیا میں اتارنا۔ تو آدمی سے کوئی خاص مناسبت اس دن کو ہے۔ اور ایام بھی انسانوں کے لیے ہیں۔ مگر جمعہ کے دن ولادت اور موت و حیات و جمعیت جنت میں گئے تو عجیب نزول ہوا۔

آدم ظاہراً تو جنت سے نیچے اتارے گئے نزول ہوا حقیقتاً عروج ہوا

دنیا میں آئے تو صورتاً نزول ہوا۔ حقیقتاً وجود ہوا۔ اس لیے دنیا میں نہ آتے تو خلافت نہ پاتے۔ ظاہر میں تو نیچے اتارے گئے اور حقیقت میں اس عمل گاہ کے ذریعے سے جب عمل کرنے شروع کیے۔ انسان نے تو بڑے بڑے مراتب اور درجات بلند ہوئے۔ تو معنوی طور پر بلند ہوا انسان۔ ظاہری طور پر سے نیچے اتارا گیا۔ تو وہاں کھلا ہوا حسی درود تھا۔ یہاں حسی نزول، معنوی خلافت کا تاج رکھا گیا۔ اولیاء پیدا ہوئے علمائے ربانی پیدا ہوئے۔ ہر ایک کے جوہر ظاہر ہوئے۔ کسی کے دل میں علم و حکمت تھا وہ نمایاں ہوا۔ کسی کے دل میں کمالات باطن تھے وہ نمایاں ہوئے۔ تو دنیا مظہر ہے، کمالات کے ظہور کا۔ دنیا نہ ہوتی تو ظہور نہ ہوتا کمالات کا۔ جنت میں اگر یہ ساری اولاد پیدا ہوتی تو بادشاہوں کی طرح بسر کرتی۔ رات دن کھانے اور پینے، عیش اڑانے میں لگے رہتے۔ لیکن دنیا میں لا کر مصائب میں مبتلا کیا گیا۔ تاکہ ان مصائب کے توڑ اور دفعیہ کے لیے اندر سے جوہر نمایاں ہوں۔ مصیبت رکھی گئی۔ تاکہ دفاع کی طاقتیں کام میں آئیں اور شکر کا ظہور ہو۔ اقوام کو اقوام کے مقابلہ پر ڈالا گیا تاکہ شجاعتوں کا ظہور ہو۔

صبر و تحمل کا ظہور ہو۔ جنت میں نہ جنگ ہوتی نہ لڑائی ہوتی۔ نہ دفعیہ کی تدبیریں سوجھتیں نہ صبر و تحمل کام آتا تو بہت سے جوہر چھپے ہوئے رہ جاتے انسان کے۔ دنیا کو ان کے لیے ظہور گاہ بنا لیا گیا تو آدم علیہ السلام ظاہراً تو جنت سے نیچے اتارے گئے۔ نزول ہوا حقیقت میں عروج ہوا کہ کمالات کا ظہور نہیں ہو سکتا

جب تک دنیا میں نہ آئیں۔

قیامت بھی قائم ہوگی تو جمعہ کے دن ہوگی۔ جس میں اوّلین و آخرین جمع کئے جائیں گے تو اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن میں جامعیت کا ایک مادہ موجود ہے۔ مٹی بکھری ہوئی تھی آدمؑ کی۔ وہ جمع ہوگئی یوم جمعہ میں۔ کمالات چھپے ہوئے تھے۔ وہ جمع ہو کر نمایاں ہوگئے جمعہ کے دن۔ آدمؑ کو اتارا گیا۔ قیامت ہوگی۔ تو کروڑوں اربوں انسان بکھرے پڑے ہوں گے زمینوں میں۔ لیکن اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر جمع ہوں گے۔ میدانِ محشر میں جمع ہوں گے۔ جمعہ کا دن انہیں جمع کر دے گا۔ تو غرض اس میں بھی جامعیت کی شان ہے۔

تو دنیا میں جمعہ لایا گیا۔ تاکہ انسان تکمیلی طور پر جیسے اُس کی چیزیں جمع ہوئی ہیں۔ وہ اپنے ارادے سے جمعیت کی شان پیدا کرے اپنے اندر۔ یعنی جمع ہونا سیکھیں لوگ۔ قلوب کی یکسانی سیکھیں۔ قلوب کا میل ملاپ اور اتحاد سیکھیں۔ اختلاف سے بچیں۔ اگروہ گروہ بندیوں سے بچیں۔ اس کے لیے نمونہ بنایا گیا جمعہ کو۔ شکلیں مختلف عقلیں مختلف۔ رنگ مختلف۔ مگر سب آکر جمع ہو جاتے ہیں جمعہ کے اندر۔ دیہات کے بھی، قصبوں کے لوگ اور محلوں کے بھی ایک جگہ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں جمع ہوتے ہیں۔ تو باوجود اختلاف مذاق کے پھر ان میں وحدت پیدا ہے۔ یہ جمعہ ہی کی برکت تھی۔ تو جب ہفتہ میں ایک دن جمع ہونا سیکھ لیا تو بقیہ ایام میں بھی ان کے لیے جمع ہونا آسان ہو جاتا ہے۔ اُن میں خو پیدا ہو جاتی ہے اجتماع کی۔ جمعہ کا دن اجتماعیت کی دعوت دیتا ہے۔ کہ باہمی میل ملاپ اور محبت پیدا ہو۔ باہمی یگانگت پیدا ہو۔ اتحاد باہمی ہو تمہارے اندر۔ مگر اس کا ذریعہ کیا ہے۔

جمعہ کا دن اجتماعیت کی دعوت دیتا ہے

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا۔

اللہ کی رسّی کو مضبوط تھام لو۔ یہ عبرت امام دیتا ہے وہ قرآن پڑھتا ہے۔ نماز میں قرآن پڑھا جاتا ہے۔ وہ اللہ کی رسی ہے۔ جس کو پکڑنے کے بعد آدمی اوپر پہنچے گا۔
حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن اللہ کی رسّی ہے جو آسمان سے لے کر زمین تک لٹکا دی گئی۔ کہ جس نے مجھ تک آنا ہو۔ اس رسّی کو مضبوط تھام لے۔ جب ہم رسی کھینچیں گے۔ جو اس میں لٹک جائے گا۔ وہ لٹک کر ہم تک پہنچ جائے گا۔ شیخ محی الدین ابن عربی لکھتے ہیں کہ یہ آسمانوں سے نیچے کی جگہ کا سارا علاقہ جس میں ساتوں زمینیں شامل ہیں۔ یہ سب جہنم کا علاقہ ہے۔ قیامت کے دن اسی میں جہنم تپے گی۔ اسی میں آگ، اسی میں وہ سانپ اور بچھو۔ اور اسی میں وہ سارے عذابات ہوں گے۔ تو ہم اور آپ گویا اس وقت جہنم میں موجود ہیں۔ قرآن کی رسی لٹکا دی گئی کہ جسے نکل بھاگنا ہو اس جہنم سے۔ وہ ہماری رسی کو پکڑے مضبوطی سے۔ جو نہیں پکڑے گا اس کو۔ اُسے جہنم میں بھیجنے کی ضرورت نہیں وہ خود بخود موجود ہے جہنم کے اندر۔ اس کے نکالنے کے لیے صرف ایک ہی ذریعہ ہے۔ وہ اللہ کی رسی ہے۔ وہ رسی ٹوٹ نہیں سکتی۔ ہاں البتہ چھوٹ سکتی ہے۔ اگر کوئی مضبوطی سے نہ پکڑے اُسے۔ تو ٹوٹنے والی تو ہے نہیں، لیکن امکان ہے چھوٹنے کا۔ تو پوری قوت کے ساتھ اس کو تھام لیا جائے۔ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا۔
تو غرض اس جمعہ کے اندر یہی قرآن پڑھا جاتا ہے۔ پورے شہر کے آگے تاکہ وہ پیغامِ خداوندی سُن کر اس سے وابستہ ہوں اور اجتماعی شان پیدا کریں، اپنے اندر۔

جمعہ کا دن ایک امتحان بھی ہے

تو جمعہ کا دن گویا عبرت اور موعظت بھی ہے۔

اور جمعہ کا دن ایک امتحان بھی ہے۔ اور یہ اُمّتِ مرحوم کامیاب ہوئی ہے جمعہ کی

وجہ سے امتحان میں کامیابی کی فضیلت اس کو ملی ہے جمعہ کی وجہ سے۔

حدیث میں ارشاد ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ کہ اللہ نے اقوام کا امتحان لیا۔ یہود سے کہا کہ تم ایک دن منتخب کرو عبادت کے لیے۔ ہمارے علم میں متعین ہے لیکن ہم تمہیں جانتے ہیں۔ کہ تم خود متعین کرو۔ دیکھیں تم اس دن تک پہنچتے ہو یا نہیں۔ ہمارے علم میں متعین ہے۔ تو کہا گیا یہود سے کہ ایک دن منتخب کرو۔ عبادت اور قربِ الٰہی کے لیے۔

اُنہوں نے یوم السبت مقرر کیا شنبہ کا دن۔ کہ شنبہ کے دن کوئی کام مت کرو۔ بجز طاعت و عبادت کے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جب یہودی آئے تھے تو آپ نے فرمایا تھا کہ یوم سبت کا احترام کرو اے یہودیو! جب دعویٰ کرتے ہو کہ وہ مقدس دن ہے تو اس کی تقدیس کرو۔ تو بہر حال یہود نے منتخب کر لیا۔ اپنی عبادت کے لیے شنبہ کا دن۔

نصاریٰ سے کہا گیا کہ تم بھی طے کرو ایک دن۔ ہمارے علم میں طے شدہ ہے دیکھتے ہیں تم پہنچتے ہو یا نہیں۔ نصاریٰ نے اتوار کا دن تجویز کیا عبادت کے لیے۔ اسی میں اُن کے لیے عبادت فرض کر دی گئی۔

مسلمانوں سے کہا گیا کہ تم بھی ایک دن منتخب کر لو۔ اور ہمارے پیغمبرؐ نے جمعہ کا دن منتخب کیا۔ تو فرمایا۔ یہی ہمارے علم میں طے شدہ تھا۔ تو اس وقت کو مناسبت دی گئی وحیٔ خداوندی سے۔ اب پوری امت قائم مقام ہے اپنے پیغمبرؐ کی جو اللہ کے علم میں طے تھا وُہی پا لیا۔

۱۰/۱۳

فاروقِ اعظمؓ کی فضیلت حدیث کی رُو سے

جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان کی گئی۔ پچھلی اُمتوں میں کچھ محدث ہوتے تھے۔ جن سے حق تعالیٰ

کلام فرماتا۔ میری امت میں وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ فرمایا گیا کہ جدھر حضرت عمرؓ گھومتے ہیں، حق بھی اُدھر ہی کو گھوم جاتا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ جدھر حق گھومتا ہے عمرؓ اُدھر گھومتے ہیں۔ گویا اس درجہ سراپا صدق اور حق بن چکے ہیں فاروق اعظمؓ کہ جدھر وہ گھومتے ہیں۔ حق بھی اُدھر گھوم جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ۲۱ر۲۲ر مسئلوں میں جو حضرت عمرؓ کی رائے تھی۔ وہی وحی آسمان سے اُتری۔ اسی لیے آپؐ نے فرمایا:۔

لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيًّا لَكَانَ عُمَرُ

اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی اور میرے بعد کوئی نبی آتا تو وہ عمرؓ ہوتے۔ لیکن چونکہ میری نبوت باقی ہے دنیا میں اسی واسطے کوئی نبی نہیں ہوگا۔ مگر صلاحیت ہے عمرؓ میں۔ کہ وہ بنائے جاتے نبی۔ اگر آنے والا ہوتا نبی دنیا میں۔ یعنی اُن کے ذوق کو مناسبت تھی وحی سے۔ رائے وہ قائم کرتے تھے۔ کہ جس پر وحی آنے والی ہوتی تھی۔ تو وحی اُن کی معاون بن کر اُترتی تھی۔ مخالف بن کر نہیں اُترتی تھی۔ تو حضرت عمرؓ کے فضائل میں سے یہ عظیم فضیلت ہے کہ ان کے ذوق کو کامل مناسبت تھی۔ تشریع سے اور وحی خداوندی سے۔

مجموعی طور پر یہ اُمت قائم مقام ہے اپنے پیغمبر کی۔

تو مجموعی طور پر یہ اُمت مل کر قائم مقام ہے اپنے پیغمبرؐ کی۔ مجموعۂ اُمت میں ایک خاص ذوق ہے نبوت کا کہ انبیاء علیہم السلام کی قائم مقام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شریعتِ اصلیہ لے کر آئے۔ اس امت نے اجتہاد سے وہ مسائل قرآن وحدیث سے نکالے اور ایک لا ر اور قانون کی شکل بنا کر پیش کیے کہ پہلے وہ مسائل نہیں تھے۔ اِس امت کے مجتہدین کے علم میں آئے

تو انہوں نے قرآن سے نکال کر پوری شریعت کو گلدستہ بنا کر پیش کر دیا۔ تو اگر پیغمبرؐ پر وحی اُتری تھی۔ تو اس امت کے مجتہدین پر الہام ربانی منکشف ہوا۔ وہ اصلی شریعت لے کر آئے۔ انہوں نے اس شریعت میں سے بعینہٖ شریعت وضع کی۔ تو گویا قائم مقام ہو گئے پیغمبرؐ کے۔ کہ جیسے پیغمبرؐ لائے تھے۔ اس امت کے مجتہدین بھی شرائع لے کر آئے اور شریعتیں پیش کیں۔ مگر وہ شریعتیں نقل تھیں اصل شریعت میں سے۔ اس لیے علماء لکھتے ہیں کہ:۔

القیاس مظہر یا مستقر

مجتہد کے اجتہاد کی مثال

مجتہد جو قیاس کرے اجتہاد کرتا ہے۔ تو قیاس ثابت نہیں کرتا کسی مسئلہ کو۔ بلکہ ظاہر کر دیتا ہے۔ مسئلہ ثابت شدہ ہے۔ پہلے ہی شریعت میں مجتہد کا اجتہاد اُسے نکال لاتا ہے شریعت کے اندر سے۔ ہم ہیں اور آپ ہیں وُہ فہم نہیں کہ ہم نکال لیں۔ مجتہدین کو وہ فہم دیا گیا کہ وہ نکال کر پیش کر دیتے ہیں۔ تو بالکل ایسی ہی مثال ہے کہ جیسے کنواں ہے۔ پانی بھرا ہُوا ہے اس میں۔ مگر ڈول رسی جس کے ہاتھ میں ہے وہی نکالے گا پانی۔ تو گویا مجتہد کا اجتہاد بمنزل ڈول رسی کے ہے۔ کہ وہ لے کر اپنی قوت سے کھینچتا ہے۔ اور پانی کو نالیوں میں، نہروں میں، جنگلوں میں بہا دیتا ہے۔ جس سے کھیت سیراب ہوتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری لائی ہوئی شریعت کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے شدید قسم کی بارش اُترہی۔ اور موسلا دھار پانی برسنا شروع ہُوا زمین پر آکر پانی پڑا تو فرمایا کہ زمین کے تین حصے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا نہایت پاکیزہ نہایت عمدہ تھا اور اس نے پانی کو جذب کیا اور جذب کر کے طرح طرح کے پھل اور پھول اور رنگ برنگ کے باغ اگائے اور دُنیا کو باغ د

بہار بنا دیا۔ ایک ٹکڑا تو ایسا تھا کہ اُگا تو نہیں سکا مگر اُس نے جمع کر لیا۔ بارش کے پانی کو۔ بڑے تالاب بھر دیئے کہ لوگ اس سے لے جاتے ہیں پانی۔ سیراب بھی ہوتے ہیں اور کھیتوں کو بھی سیراب کرتے ہیں۔ اور پھل پھول نکالتے ہیں۔ تو وہ زمین اگر پھل پھول نہ نکال سکی تو پانی جمع کر لیا اُس نے۔ اب تیسرا ٹکڑا ایسا ٹکڑا تھا کہ وہ چٹیل میدان تھا کہ نہ پانی کو جذب کر سکا، نہ پانی کو جمع کر سکا۔ پانی آیا اور بہہ کر اِدھر اُدھر نکل گیا۔ اور وہ خالی رہ گیا۔

فرمایا۔ اس طرح سے وحی کا پانی اُترا تو قلوب کی دُنیا تین حصوں میں منقسم ہو گی۔ ایک وہ قلوب جنہوں نے وحی الٰہی اور علم ربّانی کے پانی کو جذب کیا۔ یہ طبقہ فقہاء اور علماء ربانی کا ہے۔ دوسرے وُہ قلوب جنہوں نے جذب تو نہ کیا۔ مگر پانی کو جمع کر لیا۔ یہ طبقہ حفّاظ اور محدّثین کا ہے۔ تیسرے وُہ قلوب کہ جن پر کوئی اثر نہ ہوا اور یہ طبقہ کفّار کا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اصل شریعت لے کر آئے اور اس اُمت کے مجددین اور مجتہدین نے اس شریعت میں سے مسائل استنباطیہ نکالے۔ اُن پر وحی آتی تھی۔ اُن کے قلوب پر الہام ہوتا تھا۔ انبیاء کے ہاتھوں معجزے ظاہر ہوئے۔ اُن کے ہاتھوں پر کرامتیں ظاہر ہوئیں۔

اس مضمون کو حدیث میں بیان فرمایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ گو حدیث ضعیف ہے۔ مگر علماء اِستدلال کرتے رہے ہیں۔ جگہ جگہ اس حدیث سے کہ میری اُمت کے علماء ایسے ہوں گے جیسے بنی اسرائیل کے پیغمبرؑ۔ یعنی پیغمبرؑ تو نہیں ہوں گے مگر وہ کام کریں گے جو پیغمبروں نے کیا۔ نوعیت ان کے کام کی وُہ ہو گی۔ جو انبیاءؑ کے کام کی تھی۔ جیسے ایک نبی جس خطّے میں آتا ہے تو ایمانوں سے رنگ دیتا ہے اس خطّے کو اور مومن بنتے چلے جاتے ہیں۔ عالم و عارف

بنتے چلے جاتے ہیں۔

ایک عالم ربّانی جہاں بیٹھ گیا ہزاروں کے ایمان کو سنبھال گیا۔

اِس امت کے علماء ربانی اور مجتہدین وہ ہیں کہ ایک عالم ربّانی جہاں بیٹھ گیا۔ ہزاروں کے ایمان کو سنبھال گیا۔ ہزاروں کو رنگ دیا ایمان سے۔ تو حضرت امام ابی حنیفہؒ ہیں کہ پُورا ہندوستان تر کیا پورا پاکستان اور تقریباً افغانستان اور پورا ترکستان حنفی المذہب تو ایک عالم ربّانی، ایک مجتہد اُٹھا۔ کروڑوں کے ایمانوں کو درست کیا۔ کروڑوں کو جنت تک پہنچا دیا۔ امام شافعیؒ مکہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عمر مکے میں گزاری۔ اخیر عمر مصر میں گزری اور وہیں وفات پائی۔ تو حجاز تقریباً سب کا سب شافعی المذہب ہے۔ ایک عالم ربانی اُترا۔ اُس نے ملکوں کو ایمانوں سے رنگ دیا۔ اور لاکھوں متبع پیدا کر لیے۔ جتنے حنابلہ ہیں وہ سب کثرت سے ادھر ہیں۔ مغربی ممالک میں زیادہ مالکیہ ہیں۔ امام مالکؒ کا ظہور ادھر کو ہوا۔ یہ علماء تو کھلے ہوتے ہیں۔ ہزاروں علماء پیدا ہوئے۔ امام بخاریؒ۔ عبداللہ ابن مبارکؒ ثوری اسحاقؒ۔ یہ سب وُہ ہیں جو صاحب مذہب تھے۔ اب یہ الگ چیز ہے۔ کہ اور مذاہب ختم ہو گئے۔ ان چار مذہبوں کو قبول عام ہو گیا۔

بس یہ کوئی ارادی اور اختیاری چیز نہیں ہے۔ یہ منجانب اللہ ہے۔ جیسے صوفیاء کے سلاسل بہت سے ہیں۔ لیکن قبول عام نصیب ہوا زیادہ تر چار سلسلوں کو۔ سلسلہ چشتیہ۔ سہروردیہ۔ قادریہ۔ نقشبندیہ۔ تو یہ تبولیت منجانب اللہ ہے۔ کوئی ارادی و اختیاری چیز نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ اس امت میں ہزاروں آفتاب و مہتاب پیدا ہوتے کہ جن کی روشنی سے دُنیا مستفید ہوئی۔ جہاں ایک عالم بیٹھ گیا۔ کروڑوں کے ایمان درست ہو گئے۔

فضائل جمعہ:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کے مثل ہوں گے۔ یعنی پہلی امت میں جو کام نبی سے چلتا تھا۔ اس امت میں ختم نبوت کے طفیل وہ کام مجتہدین و مجددین اور علماء سے چلے گا۔ گویا ایک ہی نبوت اتنی قوی ہوگی کہ اور نبوتوں کی قوت باقی نہیں رہے گی۔ جیسے رات ہو جائے۔ مثلاً ہزاروں ستارے طلوع کرتے ہیں آسمان پر۔ اربوں کھربوں ستارے۔ جدھر دیکھو ستارے۔ کروڑوں ستارے جمع ہیں۔ روشنی دار ہیں۔ مگر رات کا دن نہیں بنتا ہے رات کی رات۔ یعنی تاریکی کلیتہً ظاہر نہیں ہوتی۔ تو روشنی پھیلائی ستاروں نے۔ اس میں کام کاج بھی لوگ کرتے ہیں۔ لیکن ہنڈوں کی ضرورت ہے۔ ٹیوب لائٹوں کی ضرورت ہے۔ یہ نہیں ہے کہ رات کا دن بن جائے۔ کروڑوں ستارے روشن ہیں۔

لیکن جونہی آفتاب عالم تاب کی آمد آمد ہوتی ہے۔ ابھی نکلا ہے۔ پو پھٹی ہے۔ آفتاب نے طلوع نہیں کیا۔ پو پھٹی۔ خبر دی صبح صادق نے کہ آیا ہے آفتاب عالم تاب جو روشنی کا بادشاہ ہے۔ آمد کی خبر تھی کہ ستارے بھی غائب۔ رات بھی غائب اور دن نمودار ہونا شروع ہو گیا۔ اور جب سورج آتا ہے تو سارے ستارے ماند پڑ جاتے ہیں۔ یہ نہیں کہ نور چھن گیا ستاروں کا۔ اتنا ماند پڑ گیا کہ مدغم ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ سورج کے نور میں امتیازی طور پر کوئی دکھلائی نہیں دیتا۔ اگر آفتاب، یوں کہے کہ میرے بعد کوئی ستارہ نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں خاتم الانوار ہوں۔ نور کا خزانہ ہوں۔ میرے آنے کے بعد اب کسی ستارے کی حاجت باقی نہیں۔ سارا دن گزر جائے گا، میری روشنی کام دیتی رہے گی۔ میدانوں میں میری دھوپ پڑے گی۔ اس سے کام لے۔ اگر کوئی میدان میں نہ آسکے تو گھر کے دروازے کھول دے۔ چاندنی پہنچ جائے گی اس میں۔ اگر کوئی تہ خانہ میں بیٹھا

ہوا ہے۔ تو کم از کم کچھ رمک چمک ہی پیدا ہو جائے گی۔ اس سے بھی کام کر سکتا ہے۔ اندھے سے اندھے کوٹھڑے میں بھی میری روشنی پہنچے گی۔ ضرورت نہیں ہے دن میں چراغ جلانے کی بھی۔ سوائے اس کے کہ کوئی آنکھوں کا ہی سکھ ہی بن جائے کہ دن میں بھی بجلیاں جلائے۔ تو اس کا تو کوئی علاج نہیں لیکن سورج نے غنی بنا دیا ہر روشنی سے مستغنی کر دیا۔

ختم نبوّت کی دلیل اور اُس کا ثبوت

اس طرح سے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام آسمانِ نبوّت کے ستارے ہیں۔ یکے بعد دیگرے انبیاء علیہم السلام طلوع ہوتے۔ ایک ایک وقت میں ہزاروں نبیؑ۔ بنی اسرائیل میں چار چار ہزار نبیؑ ایک وقت میں آتے تو آسمانِ نبوت پر آدمؑ کا ستارہ طلوع ہوا۔ نوحؑ کا ستارہ طلوع ہوا۔ ابراہیمؑ خلیل اللہ آئے۔ موسیٰؑ و عیسیٰؑ آئے۔ مگر بہر حال رہی رات۔ دن نہیں نکلا۔ جُوں ہی آفتاب نبوّت کی بشارت دی گئی۔ اور پَو پھٹی اور صبح صادق ہوئی۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام نے ۵۰۰ برس پہلے آکر کہا:

مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ۔ (پ ۲۸)

صبح صادق کا نمایاں ہونا تھا کہ قلوب میں جگمگاہٹ شروع ہوئی۔ اسی جاہلیت کے دور میں دل مائل ہونے شروع ہوتے۔ رسالت کی طرف۔ جہالتیں۔ رفع ہونی شروع ہوتیں۔ دل میں اُمنگ آنی شروع ہوئی۔ اور جب طلوع ہو گیا آفتاب فاران کی چوٹیوں سے تو جس دل میں ذرا سی بھی استعداد تھی۔ اس دل میں نُور گھسا اور روشنی آنی شروع ہوئی۔ قیامت تک یہ دن ہے۔ لمبا دن ہے۔ جو ہزاروں برس کا ہوگا۔ جیسے کہ بارہ گھنٹے کا دن ہوتا ہے۔ تو صبح صادق ہوتی ہے گھنٹے سوا گھنٹے کی۔ جتنا بڑا دن، اُتنی بڑی صبح صادق۔ یہ چونکہ

ہزاروں برس کا تھا۔ تو اُس کی صبح بھی ۵۰۰ برس کی ہوئی عیسیٰ علیہ السلام سے لیکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور تک۔ اس لیے کہ قیامت کا دن تھا۔ صبح قیامت میں دوسرا دن شروع ہوتا ہے۔ تو قیامت کی صبح تک اب آفتاب عالم تاب کی روشنی کافی ہے۔ کسی اور ستارے کی ضرورت نہیں۔ یہی ایک ستارہ پورے عالم کو نور پہنچائے گا۔ اور پہنچا رہا ہے۔

نبی کی روشنی کے مختلف ظہور ہیں۔

اُس کی روشنیوں کے ظہور مختلف ہیں۔ مجددین میں ظہور ہے اس کی روشنی کا۔ علمائے ربانی میں ظہور ہے اس کی روشنی کا۔ صوفیاء کرام میں ظہور ہے اس کی روشنی کا۔ کسی نے عالم باطن کھولا۔ کسی نے عالم ظاہر کھولا کسی نے مسائل شرعیہ پیش کیے۔ کسی نے مسائل باطنیہ پیش کیے۔ کسی نے نفس کی اُلجھنیں دُور کیں۔ کسی نے مکائد نفس پر روشنی ڈالی۔ کسی نے فضائل اخلاق پیش کیے۔ اور رذائل اخلاق کو دھکا دیا۔ ایک ہی نور ہے جو مختلف صورتوں سے کام کر رہا ہے اور پوری اُمت قائم مقام نبی گویا اپنے پیغمبر کی۔ فرما دیا گیا۔

علماءِ اُمّتِ محمدّیہ کے فضائل

لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ۔ میری پوری کی پوری امت مل کر کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔ حق کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ فرقے ہوں گے۔ گروہ بندیاں ہوں گی۔ مگر ایک فرقہ ناجیہ ضرور ملے گا۔ جو وہی کرے گا جو میں کر رہا ہوں۔ وہی کہتا رہے گا جو میں کہہ رہا ہوں۔ وہی باتیں پیش کرے گا جو میں کر رہا ہوں۔

فرما دیا گیا کہ اس امت میں ہر صدی پر ایک نہ ایک مجدّد آتا رہے گا۔ جماعت کی شکل میں ہو یا فرد کی شکل میں۔ مختلف خطوں میں مختلف مجدّد ہوں گے۔ جو دین کو نکھارتے رہیں گے۔

فرمایا آپ نے کہ وہ امت کیسے ضائع ہو سکتی ہے کہ جس کے اوّل میں تو میں ہوں اور آخر میں مسیح نزول کریں گے آسمان سے۔ اور بیچ میں حضرت مہدی علیہ السلام ہوں گے۔ وہ امت کیسے ضائع ہوگی۔ جس میں اتنے بڑے بڑے مجدد پیدا ہوں۔ تو صدی پہ وعدہ کیا۔ مجموعہ امت پر وعدہ کیا اور پھر ایک صدی کے اندر ہر دن کے لیے وعدہ ہے۔

فرمایا اسی امت میں ہمیشہ سلف سے خلف علم حاصل کرتے رہیں گے۔ جو اخلاف رشید ہوں گے وہ اسلاف سے علوم لیتے رہیں گے۔ اور اس علم سے کیا کریں گے۔ غلو کرنے والوں کی تحریفات کا پردہ چاک کریں گے۔ ان کے غلو کو کھول کر رکھ دیں گے اور کم عقلوں کی اور جاہلوں کی تاویلات کا پردہ چاک کر کے اصل پیش کر دیں گے قرآن اور حدیث کی۔ جس سے دین نکھرتا ہے گا روز بروز۔ تو مجموعی طور پر امت مجتمع حق پر ہے ہر صدی پر مجدد آئیں گے۔ اور صدی کے اندر علماء آئیں گے۔ پیدا ہوں گے۔ امت ضائع نہیں ہوگی۔ تو پوری امت مجموعی طور پر قائم مقام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور جتنے کام ہیں آپ کے وہ بٹے ہوئے ہیں اس امت میں۔ آپ نے تلاوتِ آیات کی تو حفاظ کا طبقہ کھڑا ہوگیا جو تلاوتِ آیات کر رہا ہے۔ آپ نے تعلیماتِ دین کتاب کی تو علماء اور فقہاء کا طبقہ کھڑا ہوگیا۔ جس نے تعلیم دینی شروع کی کتاب کی آپ نے تعلیم حکمت دی۔ اسوۂ حسنہ پیش کیا۔ صوفیاء کا طبقہ کھڑا ہوگیا۔ جس نے کردار اور کیریکٹر وہی بنا کر دکھلایا۔ اور لوگوں کو اس پہ چلایا۔ جو آپ کا کردار تھا۔ آپ نے تزکیہ کیا نفوس کا۔ ریاضت و مجاہدے سے مانجھا نفوس کو۔ تو امت میں صوفیاء کا طبقہ کھڑا ہوا۔ جس نے ریاضت اور مجاہدے کے اصول مرتب کیے قرآن اور حدیث کی روشنی میں۔ اور امت کی تربیت کی۔

جو فرائض پیغمبر کے تھے وہ بجنسہٖ آج بھی باقی ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ علماء میں

بہت سی خطائیں ہوں، بہت غلطیاں بھی ہوں۔ اور بہر حال وُہ معصوم تو نہیں۔ لیکن حق منقطع ہو جائے یہ نہیں ہو سکتا۔ لوگوں کا کام یہ ہے کہ ان کے بیان کردہ مسائل پر چلیں۔ اُن کے ذاتی کردار سے قطع نظر کریں۔ اگر کوئی بُرائی ہے تو چھوڑ دیں اُن کی ذات کے لیے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا مقولہ

حضرت شیخ الہندؒ فرمایا کرتے تھے کہ دُنیا میں کوئی آدمی ایسا نہیں کہ جس میں صرف خیر ہی خیر ہو، سوائے انبیاءؑ کے، اور کوئی ایسا نہیں کہ جس میں شر ہی شر ہو۔ خیر بھی ہے، شر بھی ہے۔ بھلائی بھی ہے برائی بھی ہے۔ نیکی بھی ہے بدی بھی ہے۔ دانش مند وُہ ہے کہ ہر ایک نیکی سے فائدہ اٹھائے اور اس کی بدی کو اس کے لیے چھوڑ دے کہ تو جانے اور تیرا خدا جانے۔ تو پُوری امّت فرشتہ بن کر دکھائی دیگی۔ یُوں معلوم ہوا کہ سب خیر ہی خیر ہے۔ آج ہم ہر شخص کی شر کو لیتے ہیں۔ اور خیر کو دھکا دے دیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ساری امت میں شر پھیلی ہوئی ہے۔ وہ ساری خیر ماند پڑ گئی۔ تو دانشمندانہ طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص کی خیر سے فائدہ اٹھاؤ۔ اس میں اگر شر ہے وہ حوالے کر دُخدا کے۔ تم سے سوال نہیں ہوگا قیامت کے دن اُس کی شر کا۔ اس سے سوال ہوگا۔ وہ نمٹے گا۔ تم اُس کی خیر کو اپناؤ۔

عصمتِ انبیاءؑ

یہ تو انبیاء علیہم السلام کی صفات ہیں کہ اُن کا چلنا پھرنا، کہنا سُننا، سب حجّت ہے۔ معصوم ہیں سب گناہ سے، ہر بُرائی سے۔ انبیاءؑ کے بعد معصوم کوئی نہیں ہے۔ اولیاء اللہ محفوظ ہوتے ہیں۔ لیکن باوجود محفوظیت کے امکان ہوتا ہے کہ اُن سے غلطی سرزد ہو جائے۔ اور ہوتی رہتی ہے۔ تو آپ کا یہ کام نہیں ہے کہ آپ اُن کی کمزوریوں پر نظر کریں۔ آپ کا کام یہ ہے کہ جو علم ان کے اندر سے نکل رہا ہے وراثت کے طور پر اس کو اختیار

کریں اور اُن کی برائی کو اُن پر چھوڑ دیں ۔ یا اگر جذبہ خیر خواہی کا ہو تو آپ تنہائی میں جا کر ادب سے کہیں کہ یہ غلطی ہے۔ آپ اسے چھوڑ دیں۔ وہ ممنون لگے آپ کے۔

قوم کی بُرائیاں اُچھالنا پوری قوم کو رُسوا کر دیتا ہے۔

لیکن اُوپر اُچھالنا قوم کی برائیوں کو ہر ہر شخص کی برائیوں کو اس سے پوری قوم کو رسوا کر دیتا ہے۔ فرمایا گیا۔

ظُنُّوْا بِالْمُؤْمِنِیْنَ خَیْرًا۔

کہ مومنوں کے حسنِ ظن اختیار کرو۔ حسنِ ظن کے لیے کسی دلیل کی حاجت نہیں ہے بدظنی کے لیے جب تک دلیل قوی نہیں ہوگی بدظنی کی اجازت نہیں ہے آپ کو یہ فرض ہے کہ ہر شخص حسن ظن رکھے۔ جب ایسے ہی دلائل مہیا ہو جائیں کہ برائی پیدا ہی ہوگئی تو بے شک بدظنی قائم ہے۔ اب اس کا علاج یہ نہیں ہے کہ اُسے اچھالتے پھریں، نصیحت کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے اور فرمایا کہ ۔

"اے اللہ! میں مکار دوست سے پناہ مانگتا ہوں۔ کہ آنکھیں اُن کی دیکھتی رہیں رقیب بنی رہیں میری ہر نقل و حرکت کی۔ اگر بدی سامنے آئی اُچھال دیا۔ نیکی سامنے آئی اُسے دفن کر دیا۔ ایسے مکار دوستوں سے میں پناہ مانگتا ہوں۔

تو ہمیں اور آپ کو مکار دوست نہیں بننا چاہیئے۔ بلکہ کسی کی نیکی سامنے آئے تو اُسے اُچھال دو۔ بدی سامنے آئے تو تاویل کرو۔ کوئی توضیح کرو۔ پیار و محبت سے ہی سمجھا دو۔ نصیحت کرو۔ نہیں مانتا تو حوالے کرو خدا کے۔ وہ جانے اس کا خدا جانے پھر بھی کوئی نیکی اس میں ہے۔ علم کی بات اس میں ہے۔ تو ہم اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کے صاحبزادے کا دلچسپ واقعہ

مولانا حبیب الرحمانؒ حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ کے چھوٹے ہی صاحبزادے تھے۔ بڑے صاحبزادے تھے مولانا خلیل الرحمٰنؒ صاحب جو ناظم رہے جمعیت العلماء کے۔ وہ بلا کے ذہین تھے۔ یعنی ذکاوت اُن کی ضرب المثل ہوگئی تھی۔ عجائبات تھی اُن کی ذکاوت و ذہانت۔ اور شروع عمر میں کوئی بُری حرکت ایسی نہیں جو اُن سے سرزد نہ ہوئی ہو۔ یعنی جُوا تک کھیلا غضب تک کیا۔ جھپٹ لیا مال و دولت دوسروں کا۔

یہ واقعہ ہے مگر علمی استعداد اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ دیوبند تشریف لائے تو طلباء مٹے ہوئے تھے۔ قربان تھے ان کے اُوپر ان کے علم کی وجہ سے۔ "ہدایہ" طلباء کے ہاتھوں میں ہے۔ اسٹیشن سے شہر کی طرف آرہے ہیں۔ "ہدایہ" کا سبق ہو رہا ہے اور طلباء پیچھے پیچھے ہیں۔ دیوبند میں پہنچے۔ بازار میں بنیا رہتا تھا۔ بلاّ اس کا نام تھا۔ جواری تھا بہت جواری تھا۔ اس کے مکان کے نیچے آواز دی اس بنیئے کو۔ وہ سامنے آیا تو کہا کہ پٹ لے گا جوتا یا چت لے گا۔ اس نے کہا پٹ۔ بس جُوتا پھینکا۔ وہ چت گرا۔ دس ہزار کی شرط ٹھہری۔ دس ہزار لے کر روانہ ہوئے آگے۔ بنیا شرط ہار گیا۔ اور سبق بھی ہو رہا ہے ساتھ ساتھ۔

دُوسرا واقعہ۔ ایک دفعہ قرض لیا ایک سیٹھ سے بیس ہزار روپیہ۔ دستاویز لکھ دی۔ دستخط کر دیئے۔ میعاد طے ہوگئی کہ برس دن بعد ادا کر دیں گے۔ برس دن کے بعد بنیئے نے مانگا کہ میرا روپیہ۔ کہا کیسا روپیہ۔ کہا کہ حضرت وہ جو آپ نے لیا تھا۔ فرمایا۔ مکار! ہم نے کب لیا تھا۔ اس نے کہا صاحب دستاویز لکھی ہے۔ کہا کہ غلط ہے کوئی دستاویز نہیں بھاگ جا یہاں سے۔ اُس نے جا کر،

دعویٰ کر دیا عدالت میں۔ دستاویز اس کے پاس تھی۔ مولانا کے دستخط تھے۔ کہا کہ بیس ہزار روپیہ لیا مجھ سے۔ وہ دستاویز رکھ دی جج کی میز پہ۔ مولانا نے کہا کہ حضور میں بھی دیکھ سکتا ہوں دستاویز کو۔ انہوں نے کہا دیکھو تمہارے لیے حجت ہے۔ تو اس نے اس طرح سے پکڑا یادہ کاغذ کہ اوپر کا سرا تو جج کے ہاتھ میں تھا اور نیچے جہاں ان کے دستخط تھے وہ سرا ان کے ہاتھ میں تھا۔

خدا جانے کہ انگوٹھے میں کوئی مسالہ لگا کر گئے تھے کیا صورت تھی۔ اس طرح سے اس کو انگوٹھے سے پکڑ کر مسلا ہے کہ جب کاغذ میز پر رکھا ہے وہ دستخط غائب تھے سادہ کاغذ تھا۔ مولانا نے کہا یہ دستاویز آپ کو بنئے نے دی ہے۔ کہا کہ ہاں۔ فرمایا کہ جعلی معلوم ہوتی ہے۔ اس پر تو دستخط نہیں۔ گمنام ہے۔

دیکھا تو اس پر کسی کے دستخط نہیں تھے۔ وہ صاف اڑا دیئے دستخط تو جج نے غصے کے لہجے میں بنئے سے کہا۔ گمنام دستاویز لے کر آئے ہو یہاں۔ اس نے کہا حضور دستخط تھے۔ میں حلف کرتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اگر تھے تو کہاں گئے۔ کوئی جن کھا گیا ان کو۔ کہاں گئے دستخط۔ بنئے نے سر پیٹ لیا۔ آخر ڈگری ہوئی مولانا کی۔ بیس ہزار کا اور دعویٰ کر دیا کہ میری حیثیت کی ہتک ہوئی ہے اور بیس ہزار اور وصول کر لیے۔ یہ کیفیت تھی۔

تیسرا واقعہ

سنار کو گھر بلایا کہ زیورات کی ضرورت ہے۔ شادی ہونے والی ہے۔ دس پندرہ ہزار کے زیورات لینے ہیں۔

فرمایا کہ اتنی مہلت ہے۔ اجازت ہے کہ میں گھر عورتوں کو دکھلا آؤں۔ کہا کہ ضرور دکھلا دیجئے۔ کوئی بے اعتباری تھوڑا ہی ہے۔ بس وہاں سے لے جا کر آدھ گھنٹہ میں جو کام کیا۔ سارے نگ اکھاڑ کر چھوٹے چھوٹے پرچوں پر اپنے دستخط کر کے نیچے رکھ دیئے اور نگوں کو اس طرح جڑ دیا کہ جس طرح تھے اور لا کر واپس کر دیئے وہ لے کر چلا گیا۔

مولانا نے جاکر عدالت میں دعویٰ کیا کہ سُنار میرے گھر سے پندرہ ہزار روپے کے زیور چُرا کر لے گیا ہے اور پتہ نہیں ہے کہ کہاں ہیں۔ تو فوراً سمن جاری ہوا۔ اس کی طلبی ہوئی۔ عدالت میں حاضر ہوا۔ مولانا کا دعویٰ تھا کہ پندرہ ہزار روپے کے زیور لے گیا ہے۔ اس نے کہا صاحب! میں کسی کے زیور نہیں لایا۔ دکھانے کے لیے لے گیا تھا۔ مولانا نے کہا کہ یہ جھوٹا ہے۔ چُرا کر لے گیا ہے۔ بنا رہا ہے کہ میں دکھانے کو لے گیا تھا۔ ورنہ مجھے کیا ضرورت تھی۔ میں خود جاکر دکان پہ دیکھ آتا۔

جھڑپ شروع ہوئی جج نے کہا، "کوئی ثبوت؟" مولانا نے کہا کہ ثبوت یہ ہے کہ اس کے سارے زیور عدالت میں طلب کر لیے جائیں۔ میں پہچان لوں گا اپنے زیور۔ چنانچہ سارے زیور عدالت میں حاضر کیے گئے۔ مولانا نے جتنے ان کی نگاہ میں آچکے تھے۔ سب الگ کر دیئے اور کہا کہ یہ ہیں وہ سب زیور۔ سُنار نے شور مچایا کہ صاحب ان کے کہاں سے آئے۔ یہ میری دکان کے زیور ہیں۔ ان کے نہیں۔ جج نے کہا کہ ثبوت۔ انہوں نے کہا کہ کسی زیور کا نگ اکھاڑ کر دیکھ لیجیے۔ ہر نگ کے نیچے میرے نام کے دستخط موجود ہوں گے۔ اب جس نگ کو اٹھاتے، نیچے دستخط تھے۔ مولانا کے پندرہ ہزار کے زیوروں پہ دستخط موجود تھے۔

آخر وہ زیورات مولانا کو مل گئے اور گھر لے کر چلے گئے۔ یہ حالت تھی اور ساتھ میں علمی استعداد کا یہ حال کہ سڑک پر بھی جا رہے ہیں تو طلبا پیچھے پیچھے۔ مگر خیر آخر میں اللہ نے توبہ نصیب فرمائی اور اس درجہ پر پہنچے کہ پوری پوری راتیں گزری ہیں نوافل و تلاوت قرآن مجید و درود شریف میں۔ یہ عام معمول تھا اُن کا۔ کہ جمعہ پوری رات درود شریف پڑھ کر گزارتے۔ سوتے نہیں تھے۔

حضرت سُفیان ثوریؒ کا مقولہ

جیسے حضرت سفیان ثوریؒ نے نے کہا ہے۔ ہم نے علم حاصل

کیا تھا دنیا کی طلب کے لیے۔ مگر علم نے کہا کہ میں غیر کی طرف نہیں جاؤں گا، تو ہمیں بھی اللہ ہی سے ملا دیا۔

انہوں نے علم سیکھا تو بالآخر اس علم نے کھینچا اپنی طرف۔ یہ چیزیں ختم ہوئیں۔ تو اخیر عمر ان کی نہایت مقدسانہ، نہایت پاکیزہ زندگی بن گئی۔ مگر میں نے اس پر عرض کیا کہ باوجود ان خرافات کے۔ ان برائیوں کے چونکہ علم تھا تو طلبا ان کے جوتے کے درپے نہیں تھے۔ ان کے علم کے درپے تھے کہ یہ ہمیں مل جائے۔ اُن کا جوا اُن کے ساتھ ہے۔ اللہ جانے اور وہ جانیں۔

پوری امت میں اگر یہ جذبہ پیدا ہو جائے کہ ہر شخص کی خیر سے فائدہ اٹھاؤ۔ اور اس کی شر کو اس کے لیے چھوڑ دو تو ساری امت نیک نظر آئے گی اور اگر پوری امت کے ایک ایک فرد کی برائیاں اچھالیں گے۔ اور نیکیاں دفن کر دیں گے تو ساری امت معلوم ہو گا کہ برائیوں سے بھری پڑی ہے۔ کوئی نیک آدمی نہیں اس امت کے لیے۔ تو اس جذبہ سے ہم پوری امت کو برا کر کے دکھلا رہے ہیں۔ نہ اجتماعیت باقی ہے۔ نہ اتحاد، نہ وحدت۔ نہ قلوب کی یکانگت۔ اس لیے کہ ہر شخص کی نظر برائی پر ہے۔ اپنی جانب سے ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں سب سے اونچا اور وہ حقیر۔ اور دوسرا یہ سمجھتا ہے کہ میں سب سے اونچا ہوں اور وہ حقیر۔ سات فقیر ایک کمبل میں سو سکتے ہیں مگر دو بادشاہ ایک ملک میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ فقیر میں تواضع ہے اور بادشاہ میں کبر۔ تو کبر جمع نہیں ہوتا، دوسرے کے ساتھ۔ مگر ہر شخص نے کبر و نخوت کو پیشہ بنا لیا۔ اس لیے فسادات بھی ہیں جھگڑے بھی ہیں۔

جھگڑے و فسادات ختم ہونے کی صورت

تواضع پیدا ہو جائے تو جھگڑے ختم ہو جائیں۔ جب آپ دوسرے سے یوں کہیں گے کہ آپ بڑے ہیں۔ میں آپ کا خورد ہوں۔ وہ کہے گا کہ آپ بڑے ہیں، میں آپ کا خورد ہوں۔ لڑائی کیسے ہو گی

لڑائی اس سے ہوگی۔ کہ آپ کہیں گے میں عزت والا ہوں۔ تم ذلیل ہو۔ اس نے کہا کہ میں عزت والا ہوں تم ذلیل ہو۔ بس لاٹھی چل پڑے گی۔

جب ہر شخص یہ کہے کہ حیثیت تو آپ کی ہے۔ میں تو خادم ہوں۔ تو پاؤں میں پڑے ہوئے سانپ کو بھی کوئی نہیں مارتا۔ بہر حال امت میں جہاں آپ دیکھیں کہ جھگڑا چلتا ہے تو سمجھ لیں کہ کوئی متکبر آگیا۔ نخوت موجود ہے جسے اقتدار کی ہوس ہے۔ جاہ پسندی اس کے اندر گھر کیے ہوئے ہے۔ وہیں جھگڑا شروع ہوتا ہے۔

دو ہی چیزیں ہیں جو اُمت کو تباہ کرنے والی ہیں۔ ایک حُبِ جاہ اور ایک حُبِ مال۔ جاہ اللہ کی دین ہے۔ اُسے استعمال کیا جائے۔ اس پر فخر نہ کیا جائے مال اللہ کا انعام ہے اسکو استعمال کیا جائے۔ اسکے بتائے ہوئے مصارف میں۔ نہ مال کوئی خدا بنانے کی چیز ہے نہ جاہ خدا بنانے کی چیز ہے کہ آدمی جھک جائے سر بسجود ہو جائے ان چیزوں کی طرف۔ یہ تو استعمالی چیزیں ہیں۔ اللہ کی اطاعت کرتا ہے بندہ تو اس کی جاہ کی جاتی ہے۔ محنت کرتا ہے اُسے مال دیا جاتا ہے اور یہ دونوں چیزیں خدا کی ہیں۔ خدا ہی کے لیے استعمال میں آتی ہیں۔ اس واسطے کہ اگر ان چیزوں کو ہم مخلوق کے لیے استعمال کریں۔ اپنی نخوتوں کا سامان نہ بنائیں تو پوری اُمت میں خیر نمایاں ہو جائے۔

تو میں اس پر عرض کر رہا ہوں کہ پوری اُمت ہے قائم مقام اپنے پیغمبر کی۔ جیسے پیغمبر معصوم تھے۔ بحیثیت مجموعی اُمت بھی معصوم ہے۔ طبقات اس میں بڑے بھی ہوں گے۔ افراد ان میں بُرے بھی ہوں گے۔ لیکن مجموعی حیثیت سے امت معصوم ہے۔ یعنی دین ضائع نہیں ہو سکتا۔ کہ دین ختم ہو جائے اور گمراہی عام ہو جائے۔ ہدایت باقی رہے گی تو مجموعی حیثیت سے گویا عصمت کے مقام پر ہے۔ کہ اُمت ضائع ہو کر کسی اور اُمت کا وجود ہو۔ یہ نہیں ہوگا جیسے پہلی امتیں ختم ہوتی تھیں۔ نئی امت کی بنیاد پڑتی تھی تو وہ یہ ہوتا تھا کہ ایک نبوّت ختم ہوئی، دوسری نبوت کی بنیاد پڑی۔ نبوت ایک ہے۔

قیامت تک رہے گی۔ تو امت بھی ایک ہے۔ کہ قیامت تک رہے گی۔ اس لیے حق بھی اس میں رہے گا۔ یہ نہیں ہوگا کہ حق منقطع ہو جائے اور گمراہی پھیل جائے۔

سارا اِجتماع ہدائیتوں کا جمعہ کے طفیل سے ہُوا

تو سارا اجتماع ہدائیتوں کا جمعہ کے طفیل سے ہُوا جمعہ ہی ذریعہ بنا آدم علیہ السلام کو نیچے لانے کا اور نیچے آئے تو پھر اولاد پیدا ہوئی۔ اور پیغمبریاں بھی ظاہر ہوئیں۔ نبوتیں بھی نمایاں ہُوئیں۔ ولائیتیں بھی نمایاں ہوئیں۔ علم وکمال نمایاں ہوتے۔ پاکیزہ اخلاق بھی نمایاں ہوئے اور یہ سلسلہ چلا آرہا ہے۔ تو جمعہ کا دن جامع ہے۔ ان تمام کمالات کا سبب ہے ان کی جمعیت کا۔ اس سے ہم فائدہ اٹھائیں کہ جس کے لیے ہم یہاں جمع ہوئے۔ کاش باہر بھی چل کر ہم بھائی بھائی بنے ہوئے ہوں۔ اسی طرح ہمارے قلوب میں یکسانی ہو۔ فرق کیا ہے۔ جب آپ باہر جائیں گے تو دُنیا سامنے ہوگی۔ جب جمعہ کے لیے مسجد میں اندر آئے۔ تو اللہ میاں سامنے ہیں۔ معلوم ہوا کہ خدا سامنے ہو تو وحدت پیدا ہوتی ہے۔ دُنیا سامنے ہو تو انتشار پیدا ہوتا ہے۔

ترکِ دُنیا اِسلام کی نظر میں

اب اسلام نے یہ نہیں کہا کہ اسلام کو چھوڑ دو۔ دنیا جمع کرو۔ کسبِ حلال فرض ہے تمہارے اُوپر۔ بلکہ دُنیا کیا ہے اسلام میں کہ دُنیا پہ قابو پاکر اس کی محبت ترک کردو۔ استعمال کے لیے رکھو دنیا کو اور وہ شان ہو تمہاری۔

ط — کہ دل بیار دست بکار

ہاتھ پیر کام میں لگے ہیں۔ اور دل اپنے مالک کی طرف لگا ہوا ہے۔ گویا باتیں کر رہا ہے اپنے پروردگار سے۔ تو غرض ترکِ دُنیا اسلام میں اس معنیٰ پر نہیں ہے۔ کہ شہروں کو چھوڑ دو۔ آبادیوں کو چھوڑ دو۔ لذات کو ترک کردو۔ حکم دیا گیا۔

كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا۔

پاک غذائیں کھاؤ اور عمل صالحہ اختیار کرو۔ فرمایا گیا۔

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ۔

نکاح بھی کر سکتے ہو۔ ضرورت پڑے تو چار بھی کر سکتے ہو۔ بشرطیکہ ضرورت پڑے۔ اور عدل اجازت دے۔ اور تم دل میں عادل ہو تب۔ ویسے نہیں۔ تو مکان بنانے کے لیے قرآن حکیم میں اللہ کا احسان جتلایا۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا۔

اللہ نے تمہارے لیے سکون کی جگہ رکھی سکونت کی جگہ رکھی۔ کپڑوں کے گھر دیئے۔ چمڑوں کے گھر دیئے پہاڑوں کے گھر دیئے۔ اگر گھروں میں بسانا منظور نہ ہوتا اور جنگلوں میں بسانا منظور ہوتا تو احسان کیوں جتلایا جاتا۔ تو کھانے کی اجازت۔ پینے کی اجازت اور فرمایا کہ دے اے پیغمبر۔ کون ہے جو اللہ کی دی ہوئی نعمت و زینت کو حرام کرے اپنے لیے۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔ حلال طریقے پر لذات کو استعمال کرو۔ اور شکر خداوندی بجا لاؤ اور عمل صالحہ اختیار کرو۔

تو اسلام میں ترک دنیا کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ شہروں کو چھوڑ کر ساری لذات سے منہ موڑ کر آدمی جنگلوں۔ پہاڑوں میں جا بیٹھے۔ بلکہ یہ معنیٰ ہیں کہ مال کمائے اور شہر آباد کرے۔ سب میں رہے۔ پھر بھی اللہ سے متعلق رہے۔

معبود ایک ہے۔ یہ چیزیں پرستش کے لائق نہ بنائے۔ تو روپے پیسے کو معبود مت بناؤ۔ خادم بناؤ۔ اللہ نے خادم بنا کر دی یہ دولت مخدوم بنا کر نہیں دی کہ اس کی پرستش میں لگ جائے۔ آدمی کو جاہ و عزت اللہ نے اس لیے دی ہے کہ باطل کو دفع کیا جائے۔ اس اقتدار سے مدافعت میں کام لیا جائے۔ اس لیے نہیں دی۔ جاہ و عزت کہ آدمی غرور کی شکل میں بولے۔ بڑا بول بولے۔ متکبر بنے۔ اس لیے

جاہ نہیں دی گئی ہے مگر دفاع کے لیے۔ اور مال دیا گیا ہے عقل کے لیے۔ مال کے لیے وہ چیزیں جمع کر دجو نافع ہوں اور جاہ کے ذریعے ان چیزوں کو دفع کر دجو مضر ہیں۔ نفس کے لیے یا قوم کے لیے۔ تو جاہ و مال آلات بنائے گئے ہیں۔ مقاصد کے لیے۔ مقاصد کو چھوڑ کر آلات میں پڑ جائیں۔ وسائل میں پڑ جائیں۔ یہ دانشمندی کے خلاف ہے۔ تو بہرحال جمعہ ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ ایک جگہ جمع ہوں اور جمع ہونے کی صورت یہ ہے کہ منہ اللہ کی طرف ہو۔ استقبال کرو قبلہ کا۔ جب ایک رُخ ہوگا مجتمع ہو جاؤ گے۔ جب آمنے سامنے ہوں گے تب ٹکر پیدا ہوگی۔ جب سب کا رُخ ایک ہی طرف ہوگا۔ ٹکراؤ کی کوئی وجہ نہیں۔ آپ میں سے جو حضرات حج کے لیے گئے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ طواف کرنے کی جگہ میں کئی لاکھ آدمی طواف کرتے ہیں۔

بیت اللہ شریف میں ایک مقام میں دو دو لاکھ، تین تین لاکھ آدمی جمع ہیں۔ مرد اور عورت۔ اور ہجوم۔ کندھے سے کندھا چھلتا ہے۔ لڑائی نہیں ہوتی۔ حالانکہ بہت لڑائی ہونی چاہیئے۔ مگر نہیں ہوتی۔ کیوں نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ سب ایک ہی رُخ، میں گھومتے ہیں۔ اگر کچھ اِدھر کو چلتے تو ہوتی مڈبھیڑ۔ تو اچھا خاصا تصادم ہوتا۔ کیونکہ ایک رُخ ہے۔ لاکھوں جمع ہیں۔ کوئی ان میں ٹکر نہیں۔ تو جب آپ آئیں گے جامع مسجد میں تو سب کا رُخ ایک ہی طرف ہوگا تو یگانگت پیدا ہوگی۔ کوئی ٹکراؤ نہیں آپس میں۔ تو جب جائیں گے باہر تو کسی کا منہ دکان کو، کسی کا منہ دفتر کو۔ کوئی دوسرے کے سامنے۔ اس میں تصادم، ٹکراؤ اور جھگڑے شروع ہوں گے۔ یہاں پر ظاہری طور پر باطنی طور پر منہ اللہ کی طرف ہے۔ وہاں منہ کا سامنا دوسرے کی طرف ہے۔ لیکن منہ اگر خدا کی طرف کر لیا جائے تو وہاں بھی وہی شکل پیدا ہو جائے گی۔ قلب اگر صحیح ہو جائے تو جمعہ کا دن بتلاتا ہے کہ جیسے تم ظاہر میں جمع ہو گئے ہو۔ باطن میں بھی ہم نے تمہیں جمع کر دیا۔ اس لیے جب تم باہر جاؤ تو باطن کا رخ ایک رکھو۔ اللہ سے لو لگاتے

رکھو۔ تو تم میں تفرق نہیں پیدا ہوگی۔

بہر حال جمعہ یوم امتحان بھی ہے کہ یہ امت کامیاب ہوئی جُمعہ یومِ جامعیت بھی ہے۔ کہ جس نے تمام بکھری ہوئی چیزیں جمع کیں۔ جمعہ یومِ فضیلت بھی ہے۔ جس میں انسانوں کو فضیلت ملی۔ جمعہ یومِ مزید بھی ہے کہ جس میں دربارِ خداوندی میں حاضری کی عادت پڑی۔ اس لیے جمعہ کو انتہائی ذوق سے، انتہائی شوق سے ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اذانِ جمعہ سے پہلے آکر مسجد میں صفِ اُولیٰ میں بیٹھنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ وہ فضائل و برکات حاصل ہوں۔ اس مختصر سے وقت میں یہی موضوع سامنے تھا جمعہ سامنے تھا اس کے متعلق میں نے چند باتیں عرض کیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ (آمین)

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا۔ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصّٰلِحِیْنَ غَیْرَ ھُدَایٰ وَلَا مَخْذُوْمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ اٰمِیْنَ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

گلہائے عقیدت

بخدمت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند (بھارت)

قاسم الخیرات کے اے سربستانِ حیات
احمد و محمود کے دل کی مقدس کائنات

سینۂ اشرف علی کے جوہرِ عرفانِ دین
مسند آرائے علومِ رحمۃٌ للعالمین

قطرۂ طیب مزاجا رُوحِ جذباتِ رشید
طاہر و پاکیزہ ترہیں تیرے اوصافِ جمیل

سالم و اسلم ہیں تیرے نقشِ اعظم بے مثال
حق نے بخشی ہے تجھے ایماں کی دولت لازوال

ذکرِ سیرت جب دمِ تقریر فرماتا ہے تُو
حاکۂ خیر القرون آنکھوں کو دکھلاتا ہے تو

تو مجسّم سرورِ کون و مکاں کا نُور ہے
قاسمی انوار سے تیری نظر معمُور ہے

اے ولی اللہ کے آئینہ دارِ زندگی
تیرے رُخ کی مہرِ عالم تاب ہے تابندگی

تو بلاشک نائبِ مردانِ حق آگاہ ہے
تیرے سر پر سایۂ دامانِ انور شاہ ہے

دیدۂ یعقوب کی تنویر تیرے دل میں ہے
تو چراغِ معرفت توحید کی محفل میں ہے

سینۂ باطل پہ تیری ضربِ حق کی چوٹ ہے
عصرِ حاضر کا تو اسمٰعیل بالاکوٹ ہے

تو نے سمجھایا جہاں کو فلسفہ اسلام کا
پیرو کامل ہے تو اللہ کے احکام کا

نازشِ دیوبند ہے تیرا وجُودِ محترم
اہلِ علم و فضل تجھ کو مانتے ہیں مغتنم

ساقیٔ میخانۂ تھانہ بھون کی یادگار
کوثر البیان عمل وجہِ نازِ افتخار

رُوحِ رندانِ محبت شاد تیرے دم سے ہے
میکدہ گنگوہ کا آباد تیرے دم سے ہے

تجھ سے ہے لاہور میں روشن وہ پیمانہ کہ آج
جس نے رکھی وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا کی لاج

قیصرِ ملکِ عقیدت آج ہے ہدیہ گزار
تجھ پہ مہر اختر و افلاک ایمانی نثار

ہے یہ قیصر کی دُعا اے مالکِ شمس و قمر
بخش دے اس شوکتِ اسلام کو عمرِ خضر

قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا

فضائلِ

اُمّتِ مُحمّدیہ

علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ

یعنی

قرآن و حدیث کی روشنی میں اُمت محمدیہ کے فضائل
ومناقب اور دنیا و آخرت میں اسکی بلندی و سرفرازی کا بیان

از: مولانا عاشق الٰہی صاحب بلندشہری

ناشر:

کتب خانہ مجیدیہ

بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

قرآن مجید میں امتِ محمدیہ کا ذکر اور مدح

امّتِ محمّدیہ خیر الامم ہے

اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ (پ ۴)

تم سب امتوں سے بہتر امت ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے تم نیکیوں کا حکم کرتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت شریفہ میں اس امت کو "خیر امت" کا لقب دیا گیا ہے اور اس کے خیر الامم ہونے کی علت بھی بتا دی گئی ہے۔ یعنی تم "خیر امت" اس لئے ہو کہ بھلائیوں کی راہ دکھاتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو۔ اس امت کو اشرف واکرم پیغمبر دیا گیا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ قائم رہنے والی اور کامل و مکمل شریعت ملی ہے اس پر معارف کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں۔ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وتحیۃ کسی خاص قوم ونسب یا مخصوص ملک و اقلیم میں منحصر نہیں ہے بلکہ اس کے افراد سارے عالم کو گھیرے ہوئے ہیں اس کا وجود ہی اس لئے ہے

کہ دوسروں کی خیر خواہی کرے اور فکر کرکے گمراہ انسانوں کو جنت کے دروازے پر لاکر کھڑا کرنے کی کوشش کرے اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ میں اسی طرف اشارہ ہے فریضۂ تبلیغ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اس امت کے لئے تمغۂ امتیاز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس فریضہ کی ادائیگی کا خاص لحاظ رکھا جائے جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہے۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (پ ۴)	اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے جو خیر کی طرف بلائے اور نیک کام کرنے کو کہا کرے اور برے کاموں سے روکا کرے اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہیں۔

اگر فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی کا خاص اہتمام نہ ہو اور کبھی کبھی چلتے پھرتے تبلیغ کردی جائے تو یہ اس امت کا تمغۂ امتیاز نہیں بنے گا۔ کیونکہ پہلی امتیں بھی تبلیغ کیا کرتی تھیں جیسا کہ بعض آیات میں اس کا ذکر ہے۔ اس امت کا تمغۂ امتیاز یہی ہے کہ اس کو مستقل کام سمجھ کر انجام دیں۔

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ کی تفسیر میں ارشاد فرمایا۔

أَنْتُمْ تُتِمُّونَ سَبْعِينَ أُمَّةً أَنْتُمْ خَيْرُهَا وَأَكْرَمُهَا عَلَى اللّٰهِ تَعَالَى (مشکوٰۃ)	تم ستر امتیں پوری کر رہے ہو (یعنی تم سے پہلے ۶۹ امتیں گذر چکی ہیں تم ستر ویں امت ہو) تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب امتوں سے بہتر اور باعزت ہو۔

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص یہ چاہے کہ اس امت (خیر الامم) میں شامل ہو جائے اسے چاہیے کہ اللہ کی شرط پوری کرے۔ یعنی

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے اور اللہ پر ایمان رکھے یعنی خود درست ہو کر دوسروں کو درست کرے۔)

الحاصل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی یہ امت ذمہ دار ہے اور نبیوں کا کام اس کے سپرد کر دیا گیا ہے جو بلاشبہ بہت بڑا اہم اور قیمتی کام ہے۔ پہلے ایک نبیؑ کے بعد دوسرا نبیؑ آجاتا تھا اور فریضۂ اصلاح کو انجام دیتا تھا۔ مگر اب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت ہی کے سر پر اس فریضہ کی ذمہ داری ہے۔

فائدہ۔ اس آیت کریمہ میں "تومنون باللہ" کو تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر کے بعد میں ذکر فرمایا ہے حالانکہ ایمان سب اعمال سے افضل ہے۔ اور اسی پر سب اعمال کی مقبولیت کا مدار ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان میں تو گذشتہ امتیں بھی شریک تھیں اور یہ خاص خصوصیت جس کی وجہ سے امت محمدؐیہ افضل اور بہتر ہے اور جو اس کا تمغۂ امتیاز ہے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہی ہے۔ لہذا اسی کو مقدم فرمایا۔ کیونکہ اس جگہ اسی کو ذکر کرنا مقصود ہے اور چونکہ ایمان کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں۔ اس لئے بطور قید "تومنون باللہ" بھی آخر میں فرمایا۔

امتِ محمدیہ کا میدان حشر میں دوسروں کے مقابلے میں گواہ بننا

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے:۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط (پ۲)	اور اسی طرح ہم نے تم کو ایسی ہی ایک جماعت بنا دیا ہے جو نہایت اعتدال پر ہے۔ تاکہ تم لوگوں کے مقابلے میں گواہ بنو اور رسول تم پر گواہی دینے والا ہو۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے روز نوح (علیہ السلام) کو لایا جائے گا۔ سو ان سے سوال کیا جائے گا کہ کیا تم نے تبلیغ کی؟ وہ کہیں گے ہاں اے رب میں نے تبلیغ کی۔ اس کے بعد ان کی امت سے سوال کیا جائیگا کہ کیا تم کو نوح (علیہ السلام) نے تبلیغ کی؟ اس پر وہ جواب دیں گے کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ لہذا (حضرت نوح علیہ السلام سے) کہا جائے گا کہ تمہارے گواہ کون ہیں (جو تمہاری تبلیغ کی گواہی دیں) اس پر وہ کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی امت (میرے گواہ ہیں)

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چنانچہ تم کو لایا جائے گا۔ سو تم گواہی دو گے بلاشبہ نوح علیہ السلام نے تبلیغ کی ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی (جو ابھی اوپر گذری یعنی) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی امتیں بھی اپنے نبیوں کی تبلیغ کا انکار کریں گی اور وہ فرمائیں گے کہ ہم نے ان کو تبلیغ کی تھی اور اس پر امت محمدیہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں گواہی دے گی۔ ان سے سوال کیا جائے گا کہ تم کو اس کا کیا علم ہے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے اس کا علم ہوا پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی صداقت اور عدالت پر گواہی دیں گے۔ (روح المعانی)

امت محمدیہ کو شفیق نبی دیا

سورۂ توبہ کے آخر میں ارشاد ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ

بلاشبہ تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تم ہی میں سے ہیں جن کو تمہاری

مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ (پ۱۱)

مضرت (اور تکلیف) گراں گذرتی ہے وہ تمہارے نفع کے بڑے خواہش مند ہیں ایمان داروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق (اور) مہربان ہیں۔

اس آیت شریفہ کی تفسیر میں ایک بڑی ضخیم کتاب لکھی جائے تو وہ بھی ناکافی ہوگی۔ رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کے رحیمانہ اخلاق اور مشفقانہ عادات اور امت کے افراد کے ساتھ رحمت وشفقت کے برتاؤ کے واقعات اتنے کثیر ہیں جن کا شمار کرنا مجھ جیسے ہیچ مداں کے بس کا ہرگز نہیں اور کوئی اپنے علم کے موافق ان کو جمع بھی کردے تو بڑی کتاب تیار ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی سو جب اس نے اپنے چاروں طرف روشنی کردی تو پروانے اور یہ زمین پر پھرنے والے (چھوٹے چھوٹے) جانور اس میں گرنے لگے اور وہ شخص ان کو (اس آگ میں گرنے سے) روکنے لگا اور پروانے اور جانور اس پر غالب آتے رہے اور آگ میں گرتے رہے سو میں تم کو کمریں پکڑ کر روکتا ہوں اور تم اس میں گرے جاتے ہو۔ یہ بخاری کی روایت ہے اور مسلم کی روایت میں ہے کہ بس میری اور تمہاری یہی مثال ہے میں تمہاری کمریں پکڑ کر روکتا ہوں کہ آگ سے علیحدہ رہو آگ سے علیحدہ رہو سو تم مجھ پر غالب ہو کر اس میں گرے جاتے ہو۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کا کیا ٹھکانا ہے۔ اماموں کو نصیحت فرمائی کہ نماز ہلکی پڑھائیں، حاکموں کو حکم فرمایا رعایا کو خوشخبری سنائیں اور نفرت نہ دلائیں ان پر آسانی کریں سختی نہ کریں، معراج کی رات میں بار بار دربار خداوندی میں

جا کر نمازیں کم کرائیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پہ ساری رات امت کو بخشوانے کا وعدہ کرا لیا اور بعض اوقات رات کو نماز میں ایک آیت پڑھتے پڑھتے صبح کر دی جس میں امت کی مغفرت کا ذکر ہے اور وہ آیت یہ ہے:۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ	اے اللہ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے
وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ	بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تُو
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ط (پ)	زبردست حکمت والا ہے۔

آپؐ نے امت کے لئے وہی چیز اختیار کی جو امت کے واسطے مفید تر تھی چنانچہ ارشاد فرمایا ہے کہ میرے پاس میرے رب کا ایک قاصد آیا جس نے مجھے اختیار دیا کہ یا تو اپنی آدھی امت کو جنت میں داخل کروا لو اور یا شفاعت اختیار کر لو۔ لہذا میں نے شفاعت اختیار کر لی۔ اور شفاعت ان کے لئے ہو گی جو اس حال میں مر گئے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرتے تھے (ترمذی وغیرہ)

فائدہ: چونکہ آدھی امت جنت میں داخل کرا لینے کی شق اختیار کرنے سے دوسروں کے حق میں سفارش کرنے کا حق نہ رہتا اس لئے آپؐ نے سفارش اختیار کی جو ساری امت کے حق میں ہو گی۔ اگر سفارش اختیار نہ فرماتے تو امت کا نقصان ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما روایت فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں اللہ تعالٰی کے اس فرمان کی تلاوت فرمائی رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ اور حضرت عیسٰیؑ کے اس قول اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ط کو بھی پڑھا۔ پھر آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اَللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ اَللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ کہہ کر دعا کی اور رونے لگے۔ اس پر اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اے جبریل! محمدؐ کے پاس جاؤ (اور تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ وہ کیوں روتے ہیں چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رونے کا سبب دریافت کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا نقل فرما دی اور رونے کا سبب یعنی امت کی بخشش کا فکر ظاہر فرما دیا) اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ سے فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ بلاشبہ ہم تم کو تمہاری امت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور تم کو رنجیدہ نہ کریں گے (مسلم شریف) ولنعم من قال ؎

وَيُرْضِكَ الرَّحْمٰنُ فِيْ سُوْرَةِ الضُّحٰى
فَحَاشَاكَ اَنْ تَرْضٰى وَفِيْنَا مُعَذَّبٌ

آپؐ نے امت پر شفقت کرتے ہوئے بسا اوقات اس ڈر سے بعض اعمال بھی ترک فرما دیے کہ کہیں امت پر فرض نہ ہو جاتے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ آپؐ نے چند دن صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو تراویح پڑھائیں اور پھر چھوڑ دیں اور فرمایا کہ تمہارا شوق دیکھ کر مجھے ڈر ہوا کہ کہیں فرض نہ ہو جائیں۔ اور اگر فرض ہو جاتیں تو تم عمل نہ کرتے (بخاری و مسلم) اسی طرح حج کے بیان میں ایک حدیث ہے کہ حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ کیا حج ہر سال فرض ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال ہی واجب ہو جاتا۔ اور اگر واجب ہو جاتا تو تم اس پر عمل نہ کرتے اور نہ کر سکتے۔ حج ایک دفعہ فرض ہے اور جو زیادہ کرے تو نفل ہے کفار کے ایمان لانے کے لئے آپؐ فکر مند اور بے چین رہتے تھے خیمہ خیمہ اور ڈیرہ ڈیرہ پہنچ کر لا الہ الا اللہ کی دعوت دیتے تھے لوگوں کے ہدایت قبول نہ کرنے سے آپؐ سخت رنجیدہ ہوتے حتیٰ کہ رب العزت نے آپؐ کا غم دور کرنے کے لئے بعض آیات بھی نازل فرمائیں جن میں سے ایک یہ ہے:۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ	شاید غم کے مارے آپ ان کے پیچھے اگر یہ اس مضمون (قرآن) پر ایمان نہ لائیں اپنی

اَسۡفَاطٌ (پ۱۵) جان ہی دے دیں گے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت سب کے لئے عام تھی۔ اور کیوں عام نہ ہوتی جب کہ حسب ارشاد خداوند قدوس وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ہ (پ۱۷) آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں آپ نے سخت سے سخت مصیبت پہنچنے پر بھی ان لوگوں کے لئے بد دعا نہیں فرمائی جنہوں نے ایذا دی۔ جب آپ طائف تشریف لے گئے اور وہاں کے سرداروں اور دوسرے لوگوں نے آپ کے ساتھ بدتمیزی اور بداخلاقی کا مظاہرہ کیا حتیٰ کہ شہر کے لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا تاکہ آپ کا مذاق اڑائیں تالیاں بجائیں، اور مذاق اور مسخرہ پن ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ آپ کے اتنے پتھر مارے کہ خون میں آپ کے مبارک جوتے رنگین ہو گئے جب ان شریروں سے آپ کو اطمینان ہوا اور جنگل میں ایک جگہ تشریف فرما ہوتے تو پہاڑوں کے انتظام پر جو فرشتہ مامور ہے اس نے آپ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ اگر ارشاد ہو تو دونوں جانب کے پہاڑوں کو ملا دوں جس سے یہ سب درمیان میں کچل جائیں اور اس کے علاوہ جو سزا آپ تجویز فرمائیں عمل کیا جائے۔

قربان جایئے رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ نے فرشتہ کے عرض کرنے پر ذرا سی سزا دیے جانے کو بھی ارشاد نہ فرمایا بلکہ یوں فرمایا" میں اللہ سے یہ امید رکھتا ہوں کہ اگر یہ مسلمان نہ ہوتے تو ان کی اولاد میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی عبادت کریں گے۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ مشرکین کے لئے بد دعا فرماویں تو ارشاد فرمایا کہ:۔

اِنِّیۡ لَمۡ اُبۡعَثۡ لَعَّانًا وَّاِنَّمَا بُعِثۡتُ رَحۡمَةً ط
میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں میں تو رحمت ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

فصلی اللہ تعالے علیہ وآلہ بقدر کمالہ وجمالہ

اُمت محمدیہ کی خاص خاص تعریفیں

سورۂ فتح کے آخر میں ارشاد ہے:۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (پ ۲۶)

محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپؐ کے ساتھ ہیں کافروں کے مقابلے میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں۔ اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں، اللہ کے فضل اور اسکی رضا کی جستجو میں لگے ہیں ان کے آثار بوجہ سجدہ کی تاثیر کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں یہ ان کے اوصاف توریت میں ہیں اور انجیل میں ان کا یہ وصف ہے جیسے کھیتی کہ اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اسکو قوی کیا پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی۔ تاکہ ان سے کافروں کو جلا دے۔ ان صاحبوں سے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کھیتی کی مثال کی تقریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"اول اس دین پر ایک آدمی تھا پھر دو آدمی ہوئے پھر آہستہ آہستہ قوت بڑھتی

گئی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پھر حضرات خلفاء رضؓ کے عہد میں۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ :-

اَخْرَجَ شَطْأَہٗ میں عہد صدیقی اور فَاٰزَرَہٗ میں عہد فاروقی، اور فَاسْتَغْلَظَ میں عہد عثمانی اور فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ میں عہد مرتضوی کی طرف اشارہ ہے۔

لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ (تاکہ ان سے کافروں کو جلا دے) یعنی اسلامی کھیتی کی یہ تازگی اور رونق و بہار دیکھ کر کافروں کے دل غیظ وحسد سے جلتے ہیں اس آیت سے بعض علماء نے یہ نکالا کہ صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے جلنے والا کافر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت سے مشورہ لینے کا حکم

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے :-

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ	سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے جو آپؐ ان کو
وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ	نرم دل مل گئے ہیں اور اگر آپؐ سخت
لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ	عادت کے اور سخت دل والے ہوتے
فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ	تو یہ آپؐ کے پاس سے متفرق ہو جاتے
لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ	سو آپؐ ان کو معاف کیجئے اور ان کے
فِي الْاَمْرِ فَاِذَا	لئے بخشش مانگیے اور ان سے خاص
عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ	خاص کاموں میں مشورہ لیجئے پھر جب آپؐ
عَلَى اللّٰهِ (پ۴)	رائے پختہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کیجئے۔

اس ارشاد میں امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وتحیۃ کی دلداری بھی ہے اور ہمت افزائی بھی ہے اور مشورہ کرنے کی تعلیم بھی ہے۔ نیز اس میں امت

کا اعزاز بھی ہے کہ اس کو اس لائق قرار دیا کہ خدا کا مقدس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ و والسلام ان سے مشورہ کرے۔

امت محمدیہ کے دین میں تنگی اور مشکلات نہیں ہیں

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (پ۲)	سو جو شخص اس ماہ (رمضان) میں موجود ہو اس کو ضرور روزہ رکھنا چاہیئے اور جو شخص بیمار ہو تو دوسرے دنوں کا (اتنا ہی) شمار کر کے (روزہ رکھنا اس پر فرض) ہے اللہ کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں۔

اور سورۂ اعراف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرتے ہوئے ارشاد ہے:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (پ۹)	اور ان لوگوں پر (یعنی اہل کتاب پر) جو بوجھ اور طوق تھے۔ ان کو دور کرتے ہیں۔

سورۂ حج کے آخر میں ارشاد ہے:

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (پ۱۷)	اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کوشش کرنے کا حق ہے۔ اس نے تم کو (اور امتوں سے) ممتاز فرمایا اور تم پر دین (کے احکام) میں کسی قسم کی تنگی نہیں رکھی۔

یہ سب تیسیر اور تسہیل کی مثالیں ہیں کہ سفر میں نماز قصر کر دی گئی ہے اور مریض کو بیٹھ کر بلکہ لیٹ کر پڑھنے کی بھی اجازت دی گئی ہے اور پانی نہ ملنے پر یا پانی ہوتے ہوئے استعمال پر قادر نہ ہونے پر تیمم مشروع کیا گیا ہے مریض اور مسافر اور حاملہ اور مرضعہ عورت کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دے کر قضا رکھنے کی رخصت دے دی گئی ہے بعض گذشتہ امتوں کا ناپاک کپڑا وغیرہ اس وقت پاک ہوتا تھا جب ناپاک حصہ کو کاٹ دیتے تھے۔ مگر اس امت کی چیزیں پانی سے دھونے بلکہ بعض تو (جیسے چمڑے کے موزے) جسم والی نجاست کو صاف کر دینے اور پونچھ دینے سے بھی پاک ہو جاتے ہیں۔ پھر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفسوں پر سختی کرنے سے منع بھی فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کی آسانیوں پر عمل نہ کرنے سے گناہ بھی ہو جاتا ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یہ ہیں:۔

لَا تُشَدِّدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ فَيُشَدِّدُ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ فَتِلْكَ بَقَايَاهُمْ فِى الصَّوَامِعِ وَ الدِّيَارِ رَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ	اپنے نفسوں پر سختی نہ کرو ورنہ خدا تم پر سختی کر دے گا۔ کیونکہ ایک قوم نے اپنے نفسوں پر سختی کی تو خدا نے ان پر سختی کر دی سو یہ ان ہی میں کے بچے ہوتے ہیں۔ جو یہود و نصاریٰ کے گرجوں میں موجود ہیں (جس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے) کہ انہوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کر لیا ہم نے اس کو ان پر واجب نہ کیا تھا۔

(ب)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑے میاں کو دیکھا کہ اپنے دو بیٹوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے گھسٹتے ہوئے جا رہے ہیں۔ ان کو دیکھ کر آپ نے پوچھا ان کو کیا ہوا؟ لوگوں نے

عرض کیا کہ انہوں نے بیت اللہ تک پیدل چلنے کی نذر مانی ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ بڑے صاحب! سوار ہو جاؤ کیونکہ اللہ تم سے اور تمہاری نذر سے بے نیاز ہے دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے ان کو سوار ہونے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ اپنے نفس کو عذاب دیں۔ (مشکوٰۃ)

امت محمدیہ کی تورات شریف میں تعریف

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ تورات میں لکھا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے برگزیدہ بندے ہیں نہ ان کے اخلاق سخت ہیں نہ مزاج سخت ہے۔ اور نہ وہ بازاروں میں چلانے والے ہیں اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں بلکہ معاف کر دیتے ہیں اور بخشش دیتے ہیں مکہ ان کی جائے پیدائش ہے اور مدینہ ان کی جائے ہجرت ہے اور ملک شام میں ان کے مجاہد ہوں گے، ان کی امت کے آدمی اللہ کی بہت زیادہ حمد کرنے والے ہوں گے۔ خوشی میں اور مصیبت میں اللہ کی حمد کرنے والے ہوں گے۔ ہر منزل پر (جہاں قیام کریں گے) اللہ کی حمد بیان کریں گے اور ہر بلندی پر (جب چڑھیں گے تو) اللہ کی بڑائی بیان کریں گے (اور اللہ اکبر کہیں گے) اور نماز کے اوقات پہچاننے کے لئے سورج کا دھیان رکھنے والے ہوں گے جب نماز کا وقت آئے گا نماز ادا کریں گے آدھی پنڈلی تک تہبند باندھیں گے اور (نماز کے وقت) اپنے ہاتھ پاؤں دھویا کریں گے (یعنی وضو کریں گے) آسمان وزمین کے درمیان کھڑے ہو کر ان کا مؤذن اذان دے گا، ان کی صف جہاد میں اور نماز میں برابر ہو گی (یعنی وہ جان دینے والا کام جہاد بھی اس خوشی سے انجام دیں گے جس طرح نماز پڑھیں گے) راتوں کو (اللہ کو یاد کریں گے اور) ان کی آواز

شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح (ذکر اللہ کے ساتھ نکلتی ہوگی)
مشکوٰۃ عن المصابیح۔

امت محمدیہ کی بخشش پر شیطان کا افسوس کرنا

حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کے لئے عرفہ (یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ) کے دن مغفرت کی دعا کی تو خدا کی جانب سے جواب ملا کہ میں نے ان کو بخش دیا سوائے مظالم کے (یعنی بندوں پر جو آپؐ کی امت ظلم کرے گی اس کی مغفرت نہ کروں گا) کیونکہ مظلوم کے لئے ظالم سے حق لوں گا۔ رسول اللہؐ نے عرض کیا کہ اے پروردگار اگر آپ چاہیں تو مظلوم کو (اپنے پاس سے ظالم کی طرف سے) جنت کی نعمتیں دے دیں اور ظالم کو بخش دیں۔ یہ دعا خدا کی جانب سے قبول نہ کی گئی پھر جب صبح ہوئی (اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرفات سے) مزدلفہ پہنچ گئے تو (دسویں تاریخ کو آپؐ نے پھر وہی دعا کی تو آپؐ کی درخواست قبول کر لی گئی۔

راوی کہتے ہیں کہ دعا قبول ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آگئی آپؐ کی ہنسی کو دیکھ کر حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں اس وقت تو آپؐ ہنسا نہیں کرتے تھے (آج) آپ کو کس چیز نے ہنسایا۔ اللہ آپ کو ہنساتا ہی رہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ خدا کے دشمن ابلیس کو جب یہ معلوم ہوا کہ یقیناً اللہ عزوجل نے میری دعا قبول فرمائی اور میری امت کو بخش دیا تو اس نے مٹی لے کر (افسوس کے مارے) سر پہ ڈالنی شروع کر دی۔ اور ہائے افسوس ہائے افسوس کرنے لگا۔ لہذا مجھے اسکی بدحالی دیکھ کر ہنسی آگئی (مشکوٰۃ)

صاحب لمعات نے لکھا ہے کہ اس سے وہ حقوق مراد ہیں جن کے ادا کرنے کی کوشش کی ہو اور کوشش کے باوجود ادا نہ کر سکا ہو۔

امت محمدیہ کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا سلام بھیجنا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں ابراہیم علیہ السلام سے ملا تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ اے محمدؐ! اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہہ دینا اور انہیں آگاہ کر دینا کہ بلاشبہ جنت کی عمدہ مٹی ہے اور میٹھا پانی ہے اور بلاشبہ وہ چٹیل میدان ہے اور بے شک اس کے پودے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ ہیں (ترمذی)

سبحان اللہ خدا کے دوست اور نبیوں کے باپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس امت کو سلام بھیجتے ہیں اور اپنے پیارے بیٹے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے اس امت کو نصیحت فرماتے ہیں اور جنت کی نعمتیں نصیب ہونے کے طریقے سے آگاہ فرماتے ہیں۔

حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں اگرچہ سب کچھ ہے اور اس میں بے مثل نعمتیں ہیں مگر جو عمل سے خالی ہے اس کے لئے چٹیل میدان ہی کی طرح ہے کیونکہ اس کی نعمتوں سے وہی نفع اٹھا سکتا ہے جو اچھے عمل کر کے آخرت میں پہنچے اور یہیں سے کمائی کر کے لے جائے جنت کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی زمین کھیتی کے لائق ہو اس کی مٹی اچھی ہو۔ اور اس کے قریب بہترین میٹھا پانی ہو جس سے خوب سیراب کی جا سکے اور جب اس میں تخم ریزی کر دی جائے تو اس کی مٹی کی صلاحیت اور بہترین پانی سے سینچنے کے باعث اس میں درخت اور بہترین غلہ پیدا ہو جائے بالکل اسی طرح جنت ہے کہ جو کچھ یہاں بوؤ گے

وہاں کاٹ لوگے ورنہ بے عمل کے لئے وہ خالی ہی ہے۔

اُمتِ محمدیہ کی خیرخواہی کے لئے سیّدنا موسیٰ علیہ السّلام کا کوشش فرمانا

معراج شریف کی طویل روایت میں ہے جو بخاری اور مسلم میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا دیا گیا تو وہاں مجھ پر روزانہ ۵۰ نمازیں فرض کی گئیں۔ میں واپس لوٹا تو موسیٰ (علیہ السلام) پر گذر ہوا۔ انہوں نے دریافت فرمایا کہ تمہیں کیا حکم ملا؟ میں نے کہا روزانہ ۵۰ نمازیں پڑھنے کا حکم ہوا۔ ان پر انہوں نے فرمایا کہ تمہاری امت روزانہ ۵۰ نمازیں نہ پڑھ سکے گی۔ اور بے شک میں خدا کی قسم تم سے پہلے لوگوں کو آزما چکا ہوں اور بنی اسرائیل کو اچھی طرح عمل کرانے کی کوشش کر چکا ہوں لہٰذا تم اپنے رب کے پاس واپس جاؤ اور اپنی امت کے لیے تخفیف کا سوال کرو۔ لہٰذا میں واپس ہوا اور عرض کیا اے رب میری امت پر تخفیف کر دیجئے۔ لہٰذا (میرے سوال کرنے پر) دس نمازیں کم کر دی گئیں۔ اس کے بعد میں واپس موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس پہنچا انہوں نے پھر وہی ارشاد فرمایا جو پہلے فرمایا تھا۔ میں ان کے فرمانے پر پھر واپس گیا (اور خدا سے تخفیف کا سوال کیا) لہٰذا دس نمازیں اور کم کر دی گئیں۔ پھر میں واپس موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا انہوں نے پھر وہی ارشاد فرمایا جو پہلے فرمایا تھا میں ان کے ارشاد پر پھر واپس ہوا (اور خدا سے تخفیف کا سوال کیا) لہٰذا دس نمازیں اور کم کر دی گئیں پھر میں واپس موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو انہوں نے پھر وہی ارشاد فرمایا جو پہلے فرمایا تھا۔ لہٰذا میں پھر واپس ہوا (اور خدا سے تخفیف کا سوال کیا) لہٰذا دس نمازیں اور کم کر دی گئیں۔ الغرض (چار مرتبہ آنے جانے سے ۵۰ کی جگہ دس نمازیں باقی رہ گئیں اور) مجھے روزانہ دس

ع مسلم کی دوسری روایت میں ہے فقلت یا رب خفف علیٰ امتی - ۱۲

نمازیں پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ پھر میں واپس موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس پہنچا انہوں نے پھر وہی ارشاد فرمایا جو پہلے فرمایا تھا۔ میں پھر واپس ہوا اور خدا سے تخفیف کا سوال کیا۔ لہذا مجھے روزانہ پنج وقتہ نمازوں کا حکم دیا گیا (اور ۵ نمازیں اور کم کر دی گئیں) پھر میں واپس موسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے پاس پہنچا انہوں نے پوچھا کیا حکم ملا! میں نے کہا مجھے روزانہ پنج وقتہ نماز کا حکم ہوا۔ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ یقین جانو تمہاری اُمت روزانہ پانچ نمازیں (بھی) نہیں پڑھ سکے گی۔ اور بلاشبہ میں تم سے پہلے لوگوں کو آزما چکا ہوں اور بنی اسرائیل کو عمل کرانے کی اچھی طرح کوشش کر چکا ہوں لہذا تم اپنے رب کے پاس واپس جاؤ اور اپنی اُمت کے لئے خدا سے تخفیف کا سوال کرو۔ میں نے کہا کہ میں نے اپنے رب سے اتنا سوال کر لیا کہ اب سوال کرتے ہوئے شرما گیا ہوں (اب نہیں جاتا) بلکہ (خدا کے حکم پر) راضی ہوتا ہوں (اور اپنی امت کے معاملے کو) اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب میں وہاں سے آگے بڑھ گیا تو (خدا کی جانب سے) ایک منادی نے آواز دی کہ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا اور اپنے بندوں سے بوجھ ہلکا کر دیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے محمدؐ بلاشبہ یہ روزانہ (گنتی میں) پانچ ہیں (اور) ہر نماز کے بدلے دس (نمازیں) ہوں گی (یعنی دس کا ثواب ملے گا) لہذا یہ ۵۰ ہی ہوگئیں (مشکوٰۃ شریف)

مالک دوجہاں ارحم الراحمین جل شانہ کی بے انتہا رحمتیں اور لاتعداد درود و سلام سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوں جنہوں نے ہم کمزوروں کی خیر خواہی فرمائی اور کوشش فرما کر ۵۰ کی ۵ نمازیں کرا دیں مگر افسوس ہے ان لوگوں پر جو پانچ نمازوں سے بھی بھاگتے ہیں اور خدا کا فریضہ برباد کرتے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اُمت محمدیہ کا سب امتوں سے زیادہ ہونا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رشک فرمانا،

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا اتباع کرنے والے قیامت کے روز سب نبیوں کے امتیوں سے زیادہ ہوں گے اور سب سے پہلے جنت کا دروازہ جو کھٹ کھٹائے گا وہ میں ہوں گا۔ (مسلم)

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا میں جنت میں سب سے پہلا سفارش کرنے والا ہوں گا (پھر فرمایا کہ) جتنے لوگوں نے میری تصدیق کی ہے کسی نبیؑ کی اتنے لوگوں نے تصدیق نہیں کی اور بے شک بعض نبیؑ ایسے ہوں گے جن کی تصدیق ان کی امت کے صرف ایک آدمی نے کی ہوگی۔ (مسلم)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ ایک روز باہر تشریف لائے تو ارشاد فرمایا مجھ پر امتیں پیش کی گئیں جو اپنے اپنے نبیؑ کے ساتھ گذر رہی تھیں) سو کوئی نبیؑ اس حال میں گذر رہا تھا کہ اس کے ساتھ ایک امتی تھا اور کوئی نبیؑ اس حال میں گذر رہا تھا کہ اس کے ساتھ دو امتی تھے اور کوئی اس حال میں گذر رہا تھا۔ کہ اس کے ساتھ چند آدمی تھے۔ اور کوئی نبیؑ اس حال میں گذر رہا تھا کہ اس کے ساتھ ایک اُمتی بھی نہ تھا۔ پھر میں نے بہت زیادہ آدمی دیکھے جنہوں نے افق (یعنی آسمان کا کنارہ) بھر رکھا تھا ان کو دیکھ کر میں نے امید کی کہ یہ میرے امتی ہوں گے سو کسی نے کہا کہ (یہ تمہارے امتی نہیں ہیں) یہ موسےٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ ہیں پھر مجھ سے کہا گیا کہ (اب) دیکھو میں نے دیکھا تو بہت زیادہ آدمی دیکھے جنہوں نے افق بھر رکھی تھی پھر مجھ سے کہا گیا کہ دیکھو ادھر (یعنی دائیں جانب) اور ادھر (یعنی بائیں جانب) میں نے دیکھا تو بہت زیادہ آدمی دیکھے جنہوں نے (دونوں طرف افق بھر رکھی تھی

اس کے بعد مجھ سے کہا گیا کہ یہ آپؐ کی اُمت ہے اور ان کے ساتھ ان کے آگے ستر ہزار وہ لوگ ہیں جو جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں۔ جو شگون نہیں لیتے اور جھاڑ پھونک نہیں کراتے اور (علاج کے لئے) داغ نہیں لگواتے، اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

یہ بات سُنکر عکاشہؓ بن محصن کھڑے ہوئے۔ اور عرض کیا کہ اللہ سے دعا کر دیجئے کہ مجھے بھی ان میں سے کر دے۔ آپؐ نے ان کے لئے دعا کر دی کہ اللّٰھم اجعلہ منھم (اے اللہ اس کو ان میں سے کر دے) پھر دوسرے صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ سے دعا کر دیجئے کہ مجھے بھی ان میں سے کر دے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس میں عکاشہؓ تم سے آگے بڑھ گئے (اور مجھے ایک ہی شخص کے لئے اس مجلس میں دعا کرنے کی اجازت تھی)۔ (بخاری ومسلم)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ محبت کرنیوالی اور بچے زیادہ جننے والی عورت سے نکاح کرو کیونکہ میں (قیامت کے روز) تمہاری کثرت سے دوسری امتوں پر فخر کرونگا (مشکوٰۃ)

معراج شریف کی طویل روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں موسیٰ علیہ السلام پر گذرا تو میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے جواب دیا۔ پھر فرمایا کہ اے نیک بھائی اور نیک نبیؐ مرحبا۔ پھر جب میں آگے بڑھا گیا تو موسیٰ علیہ السلام رونے لگے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو کیا چیز رلاتی ہے انہوں نے جواب دیا کہ میں اس لئے روتا ہوں کہ میرے بعد ایک لڑکا نبیؐ بنا کر بھیجا گیا اس کی اُمت کے جنت میں داخل ہونے والے میری امت کے جنتیوں سے زیادہ ہوں گے۔

(بخاری ومسلم)

اُمت محمدیہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگی اور سب سے زیادہ ہوگی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں گا جو جنت میں حلقے ہلائے گا۔ سو اللہ میرے لئے جنت کھول دے گا پھر مجھے داخل فرما دے گا اور میرے ساتھ مومن فقراء ہوں گے اور مجھے اس پر کچھ فخر نہیں ہے اور میں اللہ کے نزدیک سب اولین و آخرین سے بڑھ کر عزت والا ہوں۔ مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔ (ترمذی وغیرہ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنتیوں کی ۱۲۰ صفیں ہوں گی جن میں اسّی اس امت کی ہوں گی اور ۴۰ سب امتوں کی ملا کر ہوں گی۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا سو مجھے جنت کا وہ دروازہ دکھایا جس سے میری امت داخل ہوگی۔ یہ سنکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا اور اس دروازے کو دیکھتا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خبردار بے شک اے ابوبکرؓ تم میری امت میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگے (ابوداؤد) حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ قیامت میں میری اُمّت میں سے ستر ہزار بہشت میں داخل ہوں گے نہ ان سے حساب ہوگا نہ ان کو کچھ عذاب ہوگا۔ ہر ہزار کے ساتھ ستّر ہزار۔[1]

---

[1] لہذا کل تعداد چار ارب نوے کروڑ ستر ہزار ہوتی ہے۔ ۱۲

ہزار ہوں گے اور تین لپ میرے رب کے لپ بھر کر داخل جنت ہونگے (مشکوٰۃ)

اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ امت محمدیہ کے کتنے افراد بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے؟ بعض روایات میں صرف ستر ہزار کی تعداد مذکور ہے اور بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشک اللہ عزوجل نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری امت کے چار لاکھ افراد بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ اور بڑھایئے آپؐ نے دونوں ہتھیلیاں جمع کر کے فرمایا کہ اور اس طرح (یعنی چار لاکھ کے علاوہ خدا اپنا لپ بھر کر اور افراد بھی داخل فرمائے گا) اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ اور بڑھایئے آپؐ نے پھر (اسی طرح) دونوں ہتھیلیاں جمع فرما کر ارشاد فرمایا اور اس طرح (یعنی خدا ایک لپ اور بھر کر داخل فرمائے گا۔ (شرح السنۃ)

ممکن ہے کہ پہلے خداوند قدوس نے ستر ہزار بلا حساب جنت میں امت کے افراد داخل کرنے کا وعدہ فرمایا ہو۔ اور بعد میں اپنی رحمتِ کاملہ سے تعداد بڑھا دی ہو۔

حدیثِ شفاعت میں ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں عرش کے نیچے اپنے رب کے لئے سجدہ میں جا پڑوں گا۔ پھر اللہ مجھے اپنی وہ حمدیں اور عمدہ تعریف بتا دے گا جو مجھ سے پہلے کسی کو نہ بتائی ہوگی۔ پھر اللہ کا ارشاد ہوگا کہ اے محمدؐ! اپنا سر اٹھاؤ اور سوال کرو تمہارا سوال پورا کیا جائے گا اور سفارش کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی چنانچہ میں سر اٹھاؤں گا اور اُمّتی یا ربِّ اُمّتی یا ربِّ اُمّتی ربِّ کہوں گا۔ لہٰذا مجھ سے کہا جائے گا کہ اے محمدؐ! اپنی امت کے ان لوگوں کو جنت کے دروازوں میں سے داہنے دروازے سے جنت میں داخل

کر دو جن سے کوئی حساب نہیں ہے۔ (پھر آپؐ نے فرمایا کہ) قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جنت کے دروازے اتنے چوڑے ہیں۔ جتنا مکہ اور ہجر کے درمیان فاصلہ ہے (بخاری و مسلم)

اُمت محمدیہ کی قیامت کے روز خاص پہچان

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے پہلے مجھے اجازت دی جائے گی کہ (خدا کو) سجدہ کروں اور سب سے پہلے مجھے (اسی سجدہ سے) سر اٹھانے کی اجازت دی جائے گی۔ سر اٹھا کر میں اپنے سامنے دیکھوں گا تو تمام امتوں کے درمیان اپنی امت کو پہچان لوں گا اور پیچھے دیکھوں گا تو تمام امتوں کے درمیان اپنی امت کو پہچان لوں گا اور اپنی دائیں جانب دیکھ کر بھی اپنی امت کو ساری امتوں کے درمیان پہچان لونگا اور اپنی بائیں جانب دیکھکر بھی اپنی امت کو ساری امتوں کے درمیان پہچانونگا یہ سنکر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ نوح علیہ السلام کی امت سے لیکر اپنی امت تک آنیوالی تمام امتوں کے درمیان آپ اپنی امت کو کیسے پہچان لیں گے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ وضو کے اثر سے میری امت کے چہرے خوب روشن ہوں گے اور ہاتھ پاؤں سفید (نورانی) ہوں گے۔ ان کے علاوہ اور کوئی اس شان کا نہ ہوگا اور میں اپنی اُمت کو یوں (بھی) پہچانوں گا کہ ان کے نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور ان کو اس طرح (بھی) پہچانوں گا کہ ان کے سامنے ان کی ذرّیت دوڑتی ہوگی۔ (مشکوٰۃ عن احمد)

نامۂ اعمال کا داہنے ہاتھ میں دیا جانا اس امت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کیونکہ دوسری امتوں کے نیک بندوں کے اعمال نامے بھی داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ لہٰذا اس حدیث شریف میں جو امتِ محمدیہ کی خصوصیات میں یہ فرمایا

ے لاطلاق الایات الواردۃ فی ذالک ۱۲۰

کہ ان کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامے دیے جائیں گے تو ہو سکتا ہے کہ سب سے پہلے ان کو اعمال نامے دیے جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ امت محمدیہ کو کسی خاص طریقے پر اعمال نامے ملیں۔ واللہ اعلم

اُمتِ محمدیہ کی بڑی بڑی سفارشیں قبول ہونا

حضرت عبداللہ بن ابی الجدعاء رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ میری امت کے ایک شخص کی شفاعت سے قبیلہ بنو تمیم کے آدمیوں سے بھی زیادہ میرے امتی جنت میں داخل ہوں گے۔

اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ میری اُمت کے بعض اشخاص پوری جماعت کے لئے سفارش کریں گے اور بعض ایک قبیلہ کے لئے سفارش کریں گے اور بعض ایک عصبہؔ کے لئے سفارش کریں گے اور بعض ایک شخص کے لئے سفارش کریں گے یہاں تک کہ ساری امت جنت میں داخل ہو جائے گی۔ (مشکوٰۃ شریف)

امتِ محمدیہ سب سے پہلے پل صراط کو عبور کرے گی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ کی پشت پر پل صراط قائم کر دی جائے گی۔ (جس پر ساری امتوں کو گذرنا ہوگا) اور میں سب نبیوں سے پہلے اپنی امت کو لے کر گذروں گا۔ اور اس روز نبیوں کے سوا اور کوئی کلام نہ کرتا ہوگا۔ اور نبیوں کا کلام (بھی) اس روز (صرف) یہ ہوگا۔ اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ، اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ

ؔ عصبہ عربی میں ۱۰ سے ۴۰ تک کے عدد کی جماعت کو کہتے ہیں۔ ۱۲ لمعات

(اے اللہ سلامت رکھ۔ اے اللہ سلامت رکھ) اور جہنم میں درخت سعدان کے کانٹوں کی طرح لوہے کے (بڑے بڑے) کانٹے ہوں گے جن کی بڑائی اللہ ہی جانتا ہے وہ کانٹے (دوزخ سے نکل کر پل صراط پہ چلنے والے) لوگوں کو ان کے اعمال کی وجہ سے اچک کر دوزخ میں گرائیں گے۔ سو بعض ان میں سے ہلاک ہو جائیں گے (اور دوزخ میں گر پڑیں گے۔ اور ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے یہ کافر ہوں گے) اور بعض ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دوزخ میں گر پڑیں گے اور پھر نجات پا جائیں گے (یہ فاسق مسلمان ہوں گے) (مشکوٰۃ)

امت محمدیہ کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خاص تعریف فرمائی

حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت قیامت کے روز (اعمال کی) ترازو میں سب لوگوں سے زیادہ بھاری ہوگی۔ (کیونکہ) ان کی زبانیں ایک ایسے کلمہ کے ساتھ مانوس ہیں جو ان سے پہلوں پہ بھاری بن گیا۔ کلمہ لا الہ الا اللہ ہے (ترغیب)

سیدنا عیسےٰ علیہ السلام نے سچ فرمایا امت محمدیہ کے مشائخ صوفیہ اور ان کے مریدوں کی بے انتہا تعداد جو صدہا برس سے چلی آرہی ہے ان کے اذکار اور لا الہ الا اللہ کی کثرت سے جو حضرات واقف ہیں وہی حضرات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کی حقیقت اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ امت محمدیہ کے لاکھوں اور کروڑوں افراد ایسے ہوں گے کہ اپنی عمر میں کروڑوں مرتبہ انہوں نے کلمہ طیبہ کا ورد کیا ہوگا۔

فَسُبْحَانَ اللّٰہِ مَا اَعْظَمَ اِحْسَانَہٗ عَلٰی ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ الْمَرْحُوْمَۃِ۔

ف سعدان عرب میں ایک کانٹے دار درخت ہے جس کے کانٹے بہت بڑے ہوتے ہیں۔

امتِ محمدیہ پر فرشتوں کا رشک کرنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے آسمانوں اور زمین پیدا فرمانے سے ہزار برس پہلے سورہ طٰہٰ اور یٰس پڑھی۔ سو جب فرشتوں نے سُنی تو کہنے لگے کہ اس امت کے کیا کہنے جس جس پر یہ کلام نازل ہوگا اور اُن سینوں کے کیا کہنے جن کے اندر یہ کلام ہوگا اور ان زبانوں کے کیا کہنے جو اس کو پڑھیں گی۔ (مشکوٰۃ)

فرشتوں نے سچ کہا اب دیکھ لو کیسی مبارک اُمت ہے کہ اس کے ذرا ذرا سے بچے قرآن شریف کے حافظ ہیں۔ اور ننھی ننھی زبانوں سے بڑے شوق سے تلاوت کرتے ہیں۔

امت محمدیہ کی بعض اہم خصوصیات

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں عنایت کی گئی ہیں۔ جو مجھ سے پہلے کسی کو عنایت نہیں ہوئیں۔

(۱) ایک مہینے کی مسافت تک رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی (یعنی خدا نے میری مدد اس طرح فرمائی کہ میرے دشمنوں کے دلوں میں رعب پیدا فرما دیا جس کی وجہ سے وہ اتنی اتنی دور سے میری ہیبت کھاتے ہیں جتنی دور کوئی ایک مہینہ میں چل کر پہنچے۔ (۲) ساری زمین میرے لئے مسجد بنا دی گئی اور پاک کرنے والی بنا دی گئی (یعنی نماز صحیح ہونے کے لئے میری امت کے لئے یہ ضروری نہیں کیا گیا کہ مسجدیں نماز پڑھیں۔ بلکہ مسافرت میں یا اور کسی کام کاج سے آبادی سے باہر گئے ہوں تو جنگل ہی میں نماز پڑھ سکتے ہیں اور جب پانی نہ ملے تو تیمم کر کے نماز پڑھ لیویں۔ اور تیمم کے لئے یہ ضروری نہیں کہ فلانی جگہ کی مٹی ہو بلکہ ہر جگہ کی مٹی

سے تیمم ہو سکتا ہے بشرطیکہ پاک ہو) لہٰذا میری امت کے جس شخص کو (جہاں بھی) نماز کا وقت ہو جائے اسے چاہیئے کہ (وہیں نماز) پڑھ لے۔ (۳) میرے لئے غنیمت کے مال حلال کر دیے گئے ہیں۔ اور مجھ سے پہلے کسی (نبی) کے لئے حلال نہ تھے (۴) اور مجھے شفاعت دی گئی ہے (یعنی شفاعت کبریٰ جو تمام انسانوں کیلئے میدان میدان حشر سے نجات دلانے کے لئے ہو گی)

(۵) اور پہلے یہ دستور تھا کہ نبیؑ صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا۔ اور میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ جل شانہ نے تم کو تین چیزوں سے محفوظ فرمایا ہے۔ ایک یہ کہ تمہارا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر بددعا نہ کرے گا جس کی وجہ سے تم سب ہلاک ہو جاؤ۔ دوم یہ کہ باطل والے اہل حق پر غلبہ نہ پائیں گے۔ یعنی یہ نہ ہو سکے گا کہ حق اور اہل حق مٹ جائیں اور نور حق بجھ کر فنا ہو جائے اور سب جگہ مسلمان مغلوب ہو جائیں۔ سوم یہ کہ تم گمراہی پر ہرگز جمع نہ ہو گے (ابوداؤد)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ساری امت کسی غلط مسئلہ یا غلط عقیدہ پر متفق نہ ہو سکے گی اور جس معاملہ میں ساری امت کا اتفاق ہو گا وہ خدا کے نزدیک اسی طرح ہو گا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ مسجد بنی معاویہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا تو آپؐ نے اس میں داخل ہو کر دو رکعت نماز پڑھی اور ہم نے بھی آپؐ کے ساتھ نماز پڑھی۔ اور آپؐ نے اپنے رب سے دیر تک دعا کی۔ پھر فارغ ہو کر ارشاد فرمایا میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کا سوال کیا تو دو چیزیں مجھ کو عنایت فرما دیں اور ایک چیز کی دعا قبول نہیں فرمائی۔ (۱) میں نے دعا

کی کہ میری ساری امت کو قحط کے ذریعہ خدا ہلاک نہ فرمائے۔ سو یہ دعا قبول کر لی گئی (۲) دوسری دعا میں نے یہ کی کہ خدا میری امت کو غرق کر کے ہلاک نہ فرمائے سو یہ دعا بھی قبول ہوئی۔ (۳) تیسری دعا میں نے یہ کی کہ میری امت آپس میں نہ لڑے سو یہ دعا قبول نہ فرمائی۔ (مسلم شریف)

مسلم ہی کی دوسری روایت میں جو حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قحط سے ہلاک نہ کرنے کی دعا کے ساتھ یہ بھی ہے کہ میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت پر کوئی کافر دشمن ایسا مسلط نہ فرما دے جو ان کو ایک ایک کر کے ختم کر دیوے (من المشکوٰۃ)

اُمتِ محمدیہ کا حوض

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کے لئے ایک حوض ہے (جس سے وہ اپنی امت کو قیامت کے روز پانی پلائے گا) اور نبیؑ آپس میں فخر کریں گے (دیکھیں) کس کے حوض پر زیادہ آکر پینے والے ہیں اور بلاشبہ میں امید کرتا ہوں کہ میرے حوض پر آنے والے دوسرے نبیوں کے حوضوں پر آنے والوں سے زیادہ ہوں گے (ترمذی)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا حوض اتنا بڑا ہے جتنا عدن سے ضلع بلقاء کی بستی عمان تک کا فاصلہ ہے (یعنی اس کا طول وعرض میلوں کا ہے) اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور اس کے لوٹے آسمانوں کے ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں۔ اس میں سے ایک مرتبہ جو کوئی پی لے گا اس کے بعد کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ سب سے پہلے اس پر مہاجر فقراء پہنچیں گے۔ جن کے بال (دنیا میں) بکھرے ہوئے ہیں اور کپڑے میلے ہیں جن سے اچھی عورتوں کا نکاح نہیں

کیا جاتا۔ اور جن کے لئے دروازے نہیں کھولے جاتے (بالفرض اگر وہ کسی کے پاس جانا چاہیں اور دعوت وغیرہ میں شریک ہونا چاہیں تو ان کو ناقابل عزت سمجھ کر گھروں میں داخل نہ کیا جاتے۔ دنیا میں تو ان کو لوگ ایسا بے وقعت سمجھتے ہیں مگر آخرت میں حوض پر سب سے پہلے پہنچیں گے) (مشکوٰۃ)

دوسری روایت میں ہے کہ میرا حوض اتنا عریض وطویل ہے جتنی دور کوئی ایک مہینہ چل کر پہنچے۔ اس کے گوشے برابر ہیں یعنی وہ مربع ہے اس کی خوشبو مشک سے زیادہ عمدہ ہے اس میں سونے چاندی کے لوٹے ہیں اس میں جنت سے دو پرنالے گر رہے ہیں جو اس کا پانی بڑھا رہے ہیں ان میں سے ایک سونے کا ہے اور دوسرا چاندی کا ہے (من المشکوٰۃ)

(مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ میں دوسری امتوں کے لوگوں کو ضرور اپنے حوض سے ہٹاؤں گا جیسے کوئی شخص (دنیا میں) اپنے حوض سے دوسرے لوگوں کے اونٹوں کو ہٹاتا ہے (تاکہ اپنے اونٹوں کو پلا دے) صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ اس دن ہم کو پہچانتے ہوں گے ارشاد فرمایا ہاں اس روز تمہاری ایک نشانی ہوگی جو اور کسی امت کی نہ ہوگی۔ وہ یہ کہ تم حوض پر میرے پاس خوب روشن چہروں اور سفید (نورانی) ہاتھ پاؤں کے ساتھ آؤ گے۔

امت محمدیہ کے بڑے بڑے گناہوں کی مغفرت ہوگی اور اس کے حق میں سفارش قبول کی جائے گی

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری شفاعت اپنی امت کے بڑے بڑے گناہ کرنے والوں کے لئے ہوگی۔ (ترمذی وغیرہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے جس میں معراج کا ذکر ہے کہ معراج میں آپ کو تین چیزیں عنایت کی گئیں (۱) پانچ نمازیں عنایت ہوئیں (۲) سورہ بقرہ کی آخری آیتیں دی گئیں (۳) اور آپ کی امت کے لوگوں کے مہلک گناہ بخش دیے گئے جنہوں نے خدا کے ساتھ شرک نہ کیا ہو۔ (مسلم شریف)

مہلک گناہوں سے بڑے بڑے گناہ مراد ہیں جن کے کرنے سے دوزخ میں جانا پڑے۔

اُمت محمدیہ سے خطا اور نسیان کی گرفت نہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ نے میری امت سے خطا اور بھول اور ان اعمال سے جو ان سے زبردستی کرائے جائیں درگذر فرمایا ہے (مشکوٰۃ)

یعنی اگر خطاً یا بھول کر کسی سے کوئی گناہ ہو جاوے یا اس سے زبردستی کوئی گناہ کا کام کرا لیا جاوے تو خدا کے یہاں اس کی گرفت نہ ہوگی مثلاً نماز کا وقت سارا گذر گیا اور اس کو یاد ہی نہ رہی تو اس کو نماز چھوڑنے کا گناہ نہ ہوگا مگر اس کا قضا پڑھنا فرض ہے اسی طرح اگر روزہ میں کلی کرتے ہوئے بلا ارادہ خطاً حلق میں پانی چلا گیا تو اس کو روزہ توڑنے کا گناہ نہ ہوگا (اگرچہ حنفیہ کے نزدیک اس کی قضا رکھنی ضروری ہے) اسی طرح اگر کسی نے نمازی کو باندھ کر ڈال دیا۔ جس کی وجہ سے وہ نماز نہ پڑھ سکا تو اس زبردستی کی مجبوری کی وجہ سے وہ گنہگار نہ ہوگا۔ ہاں اس کو نماز قضا پڑھنی پڑے گی۔

فائدہ۔ مگر یہ معافی اللہ تعالےٰ کے حق کے بارے میں ہے اور اگر بھول کر یہ خطاً کسی کو مار ڈالے تو اس کی دیت (جان کا بدلہ) دینی ہوگی اور اگر

کسی کا مال تلف کر دے گا تو اس کا تاوان (ڈنڈ) دینا ہوگا۔ اسی طرح یہ بھی سمجھ لو کہ قضا سے مرعوب ہونے کا نام زبردستی ہرگز نہیں ہے جیسا کہ لوگ بیاہ شادی میں عورتوں کے کہنے سے غیر اسلامی رسمیں برت کر کہتے ہیں۔ کہ عورتوں نے مجبور کیا اس لئے کرنا پڑا۔ یا لڑکی والے نے مجبور کیا تو باجہ لانا پڑا۔ اس کو زبردستی سمجھ کر یوں سمجھنا کہ گناہ نہ ہوگا سراسر غلط ہے۔

امت محمدیہ کی وسوسوں پر گرفت نہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ نے میری امت سے ان چیزوں کو معاف کر دیا ہے جو ان کے سینوں میں وسوسے گذرتے ہیں جب تک ان کو زبان پر نہ لائیں یا عمل نہ کریں (بخاری شریف)

اور اگر وسوسہ کو زبان سے ادا کر دیا یا اس پر عمل کر لیا تو گرفت ہو جائے گی۔ مثلاً دل میں یہ وسوسہ آیا کہ خدا بھی بڑا بے رحم ہے جو نہیں کھانے کو دیتا تو جب تک یہ وسوسہ رہے گا اس پر گرفت نہ ہوگی اگر زبان سے کہہ دیا یا دل سے یقین کر لیا تو کافر ہوگیا۔ اسی طرح زنا کرنے کا وسوسہ گذرا تو گرفت نہ ہوگی اور اگر زنا کر لیا تو گرفت ہو جائے گی۔

اُمت محمدیہ کا ثواب

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا زمانہ پہلی امتوں کے درمیان (سارے دن کے اعتبار سے) صرف اتنا سا ہے جتنا عصر کی نماز سے آفتاب غروب ہونے تک ہوتا ہے اور تمہاری اور یہود ونصاریٰ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے کچھ مزدوروں سے کام کرایا اور یوں کہا کہ کون ہے جو (صبح سے) آدھے دن تک میرا کام کر دے اور ہر شخص کو (مزدوری میں)

ایک ایک قیراط ملے گا چنانچہ یہود نے ایک ایک قیراط پر (صبح سے) آدھے دن تک کام کیا۔ اس شخص نے پھر کہا کہ کون ہے جو آدھے دن سے لے کر عصر کی نماز تک ایک ایک قیراط میرا کام کر دے۔ چنانچہ نصاریٰ نے آدھے دن سے لے کر عصر کی نماز تک ایک ایک قیراط پر کام کیا اس شخص نے پھر کہا کہ کون ہے جو عصر کی نماز سے سورج چھپنے تک دو دو قیراط پر کام کر دے۔ خوب سمجھ لو کہ وہ تم لوگ ہو (جو زیادہ اجر والے اور کم کام کرنے والے ہو یعنی) عصر کی نماز سے آفتاب غروب ہونے تک کام کرتے ہو۔ خوب سمجھ لو کہ تمہارے لیئے دوہرا اجر ہے (تمہارا اجر دیکھ کر) یہود و نصاریٰ ناراض ہو گئے اور کہنے لگے (یہ خوب!) کہ ہمارا عمل زیادہ اور اجر کم، اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا تو کیا میں نے تمہارا کچھ رکھ کر تم پہ ظلم کیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا سو بلاشبہ یہ میرا فضل ہے جسے چاہوں عطا کروں۔ (بخاری شریف)

اس حدیث شریف میں بتایا گیا ہے کہ امت محمدیہ پر اللہ عزوجل کا ایک خاص کرم و انعام یہ بھی ہے کہ اس کو تھوڑے سے عمل پر اتنا اجر و ثواب ملتا ہے جو پچھلی امتوں کو امت محمدیہ کے دوگنے عمل پر بھی نہ ملتا تھا۔ اور اس میں کسی کو اعتراض کی مجال نہیں۔ کیونکہ اجر و ثواب خدا کے ہاتھ ہے وہ جس کو جتنا چاہیے گا عنایت فرمائے گا اگر کوئی یوں کہے کہ مجھے کم کیوں دیا۔ اور فلاں کو زیادہ کیوں دیا۔ تو یہ آداب بندگی کے سراسر خلاف ہے۔ بندہ کا کام یہ ہے کہ عمل کرے اور مولےٰ جل شانہ اس عمل پر اجر و ثواب عنایت فرما دے تو یہ اسکا کرم ہے ورنہ اس پر کسی کا کچھ حق واجب نہیں ہے مختار مطلق، خالق کون و مکان پر بھلا کسے اعتراض کی مجال ہے اس کی شان تو یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ[1] اور لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ[2] ہے۔

---

[1] وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ۱۲　[2] اس کے فعل کا اس سے سوال نہیں کیا جاتا۔

امت محمدیہ مرحومہ کو خداوند قدوس نے ذرا ذرا سے عمل پہ کیا کیا اجروثواب عنایت فرمائے ہیں اس کی تفصیل کے لئے بڑی ضخیم کتاب لکھنے کی ضرورت ہے لہٰذا اس رسالہ میں مختصر طریقے پر کچھ مثالیں لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

(۱) ہر نیکی کم از کم دس گنی کر دی جاتی ہے اور زیادہ سے زیادہ جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں بڑھا دیتے ہیں جیسا کہ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ قرآن میں موجود ہے اسی میں سات سو اور سات لاکھ بھی آگئے جیسا کہ بعض حدیثوں میں بعض اعمال کے ثواب کے بارے میں یہ عدد آتے ہیں۔

(۲) اللہ جل شانہٗ صدقہ کو بڑھاتے رہتے ہیں حتیٰ کہ اگر کوئی شخص ایک کھجور صدقہ کرے تو اس کو بڑھا کر پہاڑ کے برابر کر دیتے ہیں (بخاری و مسلم)

(۳) خاص زمانہ کی وجہ سے ثواب بڑھا دیتا ہے مثلاً لیلۃ القدر میں عبادت کرنے سے ہزار مہینے عبادت کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ (قرآن حکیم)

(۴) مکان کے مقدس اور متبرک ہونے کی وجہ سے بھی ثواب بڑھ جاتا ہے. جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حج کے لئے پیدل جائے اور پیدل واپس آئے اس کے لئے ہر قدم پہ حرم کی نیکیوں میں سے سات سو نیکیاں لکھی جائیں گی کسی نے عرض کیا کہ حرم کی نیکیوں کا مطلب؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نیکی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے لہٰذا اس حساب سے سات سو نیکیاں سات کروڑ کے برابر ہو گئیں (علینی) دوسری احادیث سے ثابت ہے کہ مکہ کی مسجد (یعنی مسجد حرام) میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے اور مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب ہزار نمازوں کے برابر ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حرم مکہ میں ایک روزہ ایک لاکھ روزوں کا ثواب رکھتا ہے اور اسی طرح ایک درہم کا صدقہ ایک لاکھ درہم کا صدقہ کرنے کے برابر ہے اور ہر نیکی جو حرم مکہ میں کی جائے ایک

لاکھ کے برابر ہے۔

(۵) بہت سی چیزیں پڑھنے کی ایسی ہیں کہ ان کے پڑھنے میں وقت بھی بہت ہی کم خرچ ہوتا ہے اور ان کا پڑھنا بہت سہل ہے مگر ان کا ثواب بہت زیادہ ہے مثلاً (ا) قرآن شریف پڑھنے سے ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں۔ اور سورۂ یٰسٓ ایک بار پڑھنے سے۔ اقرآن شریف پڑھنے کا ثواب ملتا ہے اور سورہ اذا زلزلت پڑھنے سے نصف قرآن کا اور سورہ قل ہو اللہ پڑھنے سے تہائی قرآن شریف کا اور سورہ قل یا ایہا الکفرون پڑھنے سے چوتھائی قرآن شریف کا ثواب ملتا ہے اگر کوئی دس مرتبہ سورہ قل ہو اللہ احد پڑھے تو اس کے لئے جنت میں ایک محل بن جاتا ہے اور جو کوئی رات کو سورۂ آل عمران کا آخری رکوع پڑھ لے اسے رات بھر نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ سورہ الہکم التکاثر پڑھنے سے ہزار آیتیں پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

(ب) سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مرتبہ درود بھیجنے سے دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور دس گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور دس درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالےٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتے ہیں بلکہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ درود بھیجنے سے خدا اور اس کے فرشتے درود بھیجنے والے پر ستر رحمتیں بھیجتے ہیں۔

(ج) الحمد للہ کا ثواب ترازو کو بھر دے گا اور سبحان اللہ والحمد للہ کا ثواب آسمان و زمین کے درمیان کو بھر دیتا ہے جو شخص سبحان اللہ العظیم وبحمدہ کہتا ہے اس کے لئے جنت میں ایک کھجور کا درخت لگ جاتا ہے۔ بازار میں چوتھا کلمہ یعنی

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ

وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ پڑھے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس لاکھ نیکیاں لکھ دے گا۔ اس کے دس لاکھ گناہ (نامہ اعمال) سے مٹا دے گا اور اس کے دس لاکھ درجے بلند فرمائے گا۔ اور اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنا دے گا یہ سب مشکوٰۃ شریف کی حدیثوں میں موجود ہے۔

(د) جو شخص لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاحِدًا أَحَدًا صَمَدًا لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ پڑھے تو اس کے لئے چالیس ہزار نیکیاں لکھ دی جائیں گی۔ (حاکم) کھانا کھا کر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَطْعَمَنِيْ هٰذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّيْ وَلَا قُوَّةٍ پڑھے اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور کپڑا پہن کر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَسَانِيْ هٰذَا وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّيْ وَلَا قُوَّةٍ پڑھنے سے اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (ابو داؤد ترمذی)

(ھ) جو مومن بندہ صبح شام رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا پڑھ لیا جائے تو خدا کے ذمے ہے کہ اس کو قیامت کے دن راضی کرے۔ (ترمذی)

(ز) جو شخص فجر کی نماز با جماعت پڑھے اور اسی جگہ بیٹھے بیٹھے سورج نکلنے تک اللہ کو یاد کرتا رہے اور پھر دو رکعت نماز پڑھ لیوے تو اس کو پورے پورے ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب ملے گا۔ (ترغیب)

(۶) فتنوں اور مشکلات کے زمانے میں اجر بڑھا دیا جاتا ہے چنانچہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تمہارے (یعنی صحابہؓ کے) بعد صبر کے دن آئیں گے جو شخص ان دنوں میں صبر کرے گا (یعنی دین پر جما رہے گا گویا) اس نے ہاتھ میں چنگاری لی۔ ان دنوں میں عمل کرنے والے کو ان پچاس آدمیوں کا اجر ملے گا۔ جو

اس زمانہ کے علاوہ دوسرے دنوں میں) اس جیسا عمل کریں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ یا رسول (کیا) ان میں سے پچاس کا اجر ملے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے پچاس عمل کرنے والوں کا اجر ملے گا (مشکوٰۃ شریف)

ایک حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ قتل فساد اور بلووں کے زمانے میں عبادت کرنا میری طرف ہجرت کرنے کے برابر ہے (ایضاً)

(اور بیہقی نے دلائل النبوت میں روایت کی ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اس امت کے آخری دور میں ایسے لوگ ہوں گے جن کو وہی اجر ملے گا جو ان سے پہلوں کو ملا۔ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے اور فتنہ والوں سے قتال کریں گے۔ (مشکوٰۃ)

(۷) صرف نیکی کا ارادہ کر لینے سے ایک نیکی کرنے کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے (مشکوٰۃ)

(۸) کسی نیک کام کا سبب بن جانے سے بھی اس نیک کام کا ثواب مل جاتا ہے جسکی ایک صورت یہ ہے کہ کسی کو کوئی نیک عمل بتادے تو عمل کرنے والے کا ثواب بتانے والے کو بھی ملے گا۔ (مسلم) اور ایک صورت یہ ہے کہ نیک کام کرنے والے کے لئے اسباب مہیا کردے یا نیک کام کرنیوالے کو نیکی کرنے کیلئے فارغ کردے اور اسکا کام خود کردے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے فی سبیل اللہ جہاد کرنیوالے کو سامان دیدیا اس نے بھی جہاد کیا۔ اور جس نے غازی کے پیچھے اسکے بال بچوں کی خیر خبر لی اس نے بھی جہاد کیا۔ (بخاری و مسلم)

اور مثلاً ایک صورت یہ ہے کہ کسی روزہ دار کے روزہ افطار کرادیے تو اس صورت میں اس افطار کرانے والے کو روزہ دار کے برابر اجر ملے گا اور روزہ دار کے ثواب میں کچھ کمی نہ کی جائیگی (مشکوٰۃ) اور ایک صورت یہ ہے کہ کوئی صدقہ جاریہ چھوڑ دلیوے مثلاً کوئی کتاب تصنیف کردے یا مسجد و مدرسہ بنادے یا کوئی کنواں کھدوادے یا مسافر خانہ بنوادے۔ یا نہر جاری کرادے تو جب تک یہ چیز باقی رہے گی مرنے

کے بعد بھی اس کو ثواب ملتا رہے گا۔

(۹) اگر نیک کام کرنے سے عاجز ہو یا عاجز تو نہ ہو مگر اس کی زندگی میں اس کام کے کرنے کا موقعہ نہ آئے اور دل میں یہ تمنا ہو کہ مجھ سے ہو سکتا یا اس کام کا موقعہ ہوتا تو ضرور یہ کام کرتا تو باوجود اس عجز کے بھی اس کو عمل کرنے کا ثواب مل جاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک بندے کو اللہ نے مال دیا اور علم بھی۔ سو وہ اس مال کے بارے میں اللہ سے ڈرتا ہے اور صلہ رحمی کرتا ہے۔ اور اس مال کے بارے میں اللہ کے لئے عمل کرتے ہوئے اس کے حق کا دھیان رکھتا ہے (یعنی زکوٰۃ و صدقات ادا کرتا ہے اور نیک کاموں میں خرچ کرتا ہے) تو یہ شخص افضل مرتبہ والا ہے اور ایک شخص کو اللہ نے علم دیا اور مال نہ دیا۔ سو وہ سچی نیت والا ہے (اور) کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی فلاں شخص کی طرح (نیک) عمل کرتا۔ سو ان دونوں کا اجر برابر ہے۔ (ترمذی)

اور حدیث شریف میں ہے کہ جس نے سچے دل سے اللہ سے شہادت کا سوال کیا اسکو خدا شہیدوں کے درجہ پر پہنچا دے گا۔ اگرچہ اپنے بستر پر ہی مرے۔ (مسلم شریف)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو مدینہ کے قریب پہنچنے پر ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ مدینہ منورہ میں بہت سے لوگ ہیں (اور ان کا حال عجیب ہے اور وہ یہ کہ) تم جتنا کچھ چلے ہو اور جتنی وادیاں تم نے طے کی ہیں اس سب میں وہ تمہارے ساتھ اجر میں شریک رہے ہیں۔ صحابہؓ نے (تعجب سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ میں ہوتے ہوئے؟ آپ نے ارشاد فرمایا (ہاں) مدینہ میں ہوتے ہوئے (کیونکہ) ان کو معذوری نے روک لیا تھا۔ (بخاری و مسلم)

(۱۰) اگر کسی نیک کام کو شروع کر دیوے اور شروع کر کے کسی وجہ سے پورا نہ کر سکے تو اس کو عمل کرنے کا ثواب مل جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حج کے لئے یا عمرہ کے لئے یا جہاد کے لئے (اپنے گھر سے) نکل گیا پھر راستے میں فوت ہو گیا تو اس کے لئے خدا مجاہد اور حاجی اور عمرہ کرنے والے کا ثواب لکھ دے گا۔ (مشکوٰۃ)

قرآن شریف میں ارشاد ہے:۔

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ	اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے
مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	رسولؐ کی طرف ہجرت کرنے کے لئے نکل
ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ	جائے پھر اس کو موت آجائے
فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ	تب بھی اللہ کے ذمہ اس کا ثواب
(نساء)	ثابت ہو گیا۔

حدیث شریف میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ جو شخص تہجد پڑھنے کی نیت سے سویا اور پھر آنکھ نہ کھل سکی تو اس کو تہجد پڑھنے کا ثواب ملے گا۔ (مشکوٰۃ)

(۱۱) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے نماز عشاء کی جماعت سے پڑھی گویا اس نے آدھی رات نماز پڑھی اور جس نے صبح کی نماز بھی جماعت سے پڑھی گویا اس نے ساری رات نماز پڑھی۔ (مسلم شریف)

(۱۲) جماعت میں جس قدر زیادہ آدمی ہوں (اسی قدر فضیلت بڑھتی جاتی ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص کی نماز دوسرے کے ساتھ مل کر تنہا نماز پڑھنے سے بہت پاکیزہ ہے اور ایک شخص کی نماز دو شخصوں کے ساتھ مل کر پڑھنا ایک شخص کے ساتھ مل کر پڑھنے سے بہت پاکیزہ ہے اور (اس کے آگے) جتنی زیادہ جماعت

ہو۔ اسی قدر اللہ کو زیادہ پسندیدہ ہے۔ (ابوداؤد)

(۱۳) جو بھی مسلمان کوئی پودا لگائے یا کھیتی بوئے پھر کوئی انسان یا پرندہ یا چوپایہ اس میں سے کھائے تو وہ اس کے لئے صدقہ ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

دوسری روایت میں ہے کہ اس میں سے جو کچھ چوری ہوجائے گا وہ بھی اس کے لئے صدقہ ہے (مشکوٰۃ)

(۱۴) کھا کر شکر کرنے والا روزہ رکھ کر صبر کرنے والے کے برابر ہے۔ (مشکوٰۃ)

(۱۵) جب اچھی طرح وضو کر کے مسجد کو چلے اور صرف نماز ہی کے لئے جا رہا ہو تو ہر قدم پہ اس کا ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے اور ایک گناہ معاف کر دیا جاتا ہے۔ (ایضاً)

(۱۶) حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے جمعہ کے روز (اپنی بیوی) کو غسل دلایا (یعنی بدنگاہی سے بچنے کے لئے اس روز اپنی بیوی سے ہم بستر ہوا) اور غسل کیا اور شروع سے خطبہ میں شریک ہوگیا اور سویرے گیا اور پیدل گیا اور سوار نہ ہوا اور دھیان سے خطبہ سنا اور لغو کام نہ کیا۔ تو اس کے لئے ہر قدم کے بدلے سال بھر کے روزے رکھنے اور سال بھر رات کو نماز میں قیام کرنے کا اجر ملے گا۔ (ترمذی ابوداؤد وغیرہ)

(۱۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے کے لئے) اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس کے وعدہ کو سچا جانتے ہوئے گھوڑا (پال کر) باندھے رکھا تو اس کا پیٹ بھرنا اور پانی سے سیراب ہونا اور لید کرنا اور پیشاب کرنا قیامت کے دن اس شخص کی ترازو میں ہوگا (بخاری)

(۱۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ماں باپ کے ساتھ سلوک کرنے والی جو اولاد اپنے والدین کی طرف ایک مرتبہ رحمت کی نظر سے دیکھے تو اس کے لئے ہر نظر کے بدلے اللہ ایک مقبول حج کا ثواب لکھ دے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا اگرچہ روزانہ سو مرتبہ نظر کرے؟ ارشاد فرمایا ہاں اللہ بہت بڑا ہے اور (نقصان سے) پاک ہے۔ (مشکوٰۃ)

(۱۹) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے اور پھر اس کے بعد شوال کے مہینے میں چھ روزے رکھ لئے تو اس کو پورے سال روزے رکھنے کا ثواب ملے گا۔ اگر ہمیشہ ایسا ہی کر لیا کرے تو گویا اس نے ساری عمر روزے رکھے۔ (مسلم شریف)

(۲۰) تھوڑا سا عمل کرنے پر بڑی بڑی نعمتوں کا شکریہ شمار کر لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حصن حصین میں ہے بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ پڑھ کر کھانا کھائے اور کھا کر یہ پڑھے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هُوَ اَشْبَعَنَا وَاَرْوَانَا وَاَنْعَمَ عَلَيْنَا وَاَفْضَلَ تو اس سے اس کھانے کا حساب نہ ہوگا۔ اور ابوداؤد شریف میں ہے کہ جو شخص صبح کے وقت یوں کہے اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ فَلَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ ط اس نے اس دن (کی نعمتوں) کا شکریہ ادا کر دیا اور جس نے شام کو یہ کلمات پڑھ لئے تو اس نے اس رات (کی نعمتوں) کا شکریہ ادا کر دیا۔

اور چاشت کی نماز کی فضیلت کے بارے میں آیا ہے کہ انسان کے جسم میں ۳۶۰ جوڑ ہیں اور اس کے ذمہ ہے کہ ہر جوڑ کے بدلے کچھ صدقہ دے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ ایسا کس سے ہو سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ مسجد میں پڑی ہوئی

ناک کی ریزش (یعنی رینٹھ) کو تم دفن کردو (یعنی اس کو مسجد سے صاف کردو) اور راستے سے (تکلیف دہ) چیز ہٹا دو (تو یہ صدقہ ہے اس سے بھی شکریہ ادا ہوجاتا ہے) سو اگر تم کو اس کا موقعہ نہ ملے تو چاشت کی دو رکعتیں تم کو (۳۶۰ جوڑوں کی طرف سے صدقہ دینے کی جگہ) کافی ہوں گی۔ (مشکوٰۃ شریف)

(۲۱) جس نماز کے لئے مسواک کی جائے وہ اس نماز سے ستر درجے بڑھی ہوئی ہے جو بغیر مسواک کے پڑھی جائے۔ (ایضاً) ــــ

(۲۲) نیکیوں کے ذریعے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (بلاشبہ نیکیاں بُرائیوں کو ختم کردیتی ہیں) (سورہ ہود)

حدیثوں میں آیا ہے کہ حج سے پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور ایک نماز سے دوسری نماز تک جو گناہ ہوجائیں وہ نماز سے معاف ہوجاتے ہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے تو اس کے جسم سے اس کے گناہ نکل جاتے ہیں حتیٰ کہ اس ناخنوں کے نیچے تک سے نکل جاتے ہیں۔ (مشکوٰۃ)

اور حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اللہ پر یہ یقین رکھتا ہوں کہ عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے ایک سال کے پچھلے اور ایک سال کے آئندہ گناہوں کا کفارہ فرمادے گا۔ اور عاشورہ کا روزہ رکھنے سے اللہ پر یہ یقین رکھتا ہوں کہ ایک سال کے پچھلے گناہ معاف فرمادیگا۔ (مسلم شریف)

فائدہ:۔ علماء نے بتایا ہے کہ جن حدیثوں میں گناہ معاف ہونے کا ذکر ہے اس سے چھوٹے گناہ مراد ہیں۔ اور بعض حدیثوں میں مَالَمْ یُؤْتَ کَبِیْرَةٌ آیا ہے جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ بڑے گناہوں کا کفارہ نیکیوں

سے نہیں ہوتا۔

فائدہ:۔ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی کے چھوٹے گناہ کم ہوں اور نیکیاں بہت زیادہ ہوں تو پھر چھوٹے گناہوں کے کفارہ کے بعد اس کے بڑے گناہوں کی تخفیف کر دی جاتی ہے اور اگر بڑے گناہ نہ ہوں یا بہت تھوڑے ہوں کہ تخفیف ہوتے ہوتے وہ معاف ہو جائیں تو پھر نیکیوں کے ذریعے درجات بلند کر دیے جاتے ہیں۔

(۲۳) ذرا ذرا عمل کرنے پر جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اور جنت میں محل بنانے کی خوشخبری دی گئی۔ مثلاً حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص مؤذن کا جواب دے اس کے لئے جنت ہے (حصن) دوسری حدیث میں ہے کہ جو کوئی وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے اور پھر یہ پڑھے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔ (مسلم) اور حدیث شریف میں ہے کہ جس نے بعد مغرب بیس رکعت پڑھ لیں اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنا دے گا۔ (ترمذی) اور ایک حدیث میں ہے کہ جس نے بارہ رکعت چاشت کی نماز پڑھ لی اس کے لئے خدا جنت میں ایک سونے کا محل بنا دیگا (ایضاً)

(۲۴) بعض اعمال پر دوزخ حرام کرنے اور دوزخ سے محفوظ رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے مثلاً ترمذی ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ جس نے ظہر سے پہلے چار سنتوں کی اور ظہر کے بعد چار رکعتوں کی پابندی کر لی۔ اس کو خدا دوزخ پر حرام فرما دے گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر کسی سے بولنے سے پہلے سات مرتبہ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ پڑھ لے اور پھر رات کو مر جائے تو دوزخ میں نہ جائے گا۔ اور فجر کی نماز سے فارغ ہو کر اگر کسی سے

بولنے سے پہلے اس کو سات مرتبہ پڑھ لے۔ اور پھر اس دن مرجائے تو دوزخ میں نہ جا سکے گا۔

(۲۵) اللہ رب العزت عزشانہ کا ایک بہت بڑا کرم یہ ہے کہ جب کوئی بندہ نیک عمل کرنا چاہتا ہے تو صرف نیت کرنے پر اس کو ایک نیکی مل جاتی ہے اور جب عمل کرنے لگتا ہے تو عمل سے پہلے پہلے عمل کے لئے جتنے کام کرے گا ان کا اجر علیحدہ علیحدہ ملے گا۔ مثلاً کوئی شخص نماز پڑھنا چاہتا ہے تو یہی نہیں کہ اس کو صرف نماز پڑھنے کا اجر ملے گا اور یہ سمجھ لیا جائے کہ اس سے پہلے کے جو کام کئے وہ چونکہ اس عمل کے لئے کئے ہیں اس لئے ان کا کچھ اجر نہیں۔ بلکہ وضو کرنے کا علیحدہ اجر ملے گا۔ اور مسجد کو جانے کا الگ ثواب ملے گا اور اندھیرے میں مسجد کو جانے کا ثواب جدا عنایت ہوگا۔ اور نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنے کا اجر مستقل ملے گا غرضیکہ اللہ سے معاملہ کرکے کوئی ٹوٹے میں تو کیا رہتا اس کو اتنا نفع ملے گا۔ جو اس کے علم اور گمان سے کہیں زیادہ ہوگا سچ ہے ا۔

فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا (پ ۲۹)

پس جو شخص اپنے رب پر ایمان لاوے گا تو اسے نہ (نیکی میں) کمی کا اندیشہ ہوگا نہ (گناہ میں) زیادتی کا۔

امتِ محمدیہ کے آخری زمانے والے لوگوں کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ تم[ع] ایسے زمانے میں ہو کہ تم میں سے جو کوئی اس کا دسواں حصہ چھوڑ دے گا جس کا اسے حکم ہوا ہے تو ہلاک ہو جائے گا (یعنی آخرت میں اس کی گرفت ہوگی) پھر ایسا زمانہ آئے گا کہ ان میں

ع یعنی صحابہ کرام رض۔

سے جو کوئی اس کے دسویں حصہ پر عمل کرے گا جس کا اسے حکم ہوا ہے تو نجات پا جائے گا (ترمذی)

(صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ اس سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی فریضۂ تبلیغ مراد ہے۔ یعنی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اگر فریضۂ تبلیغ کو کماحقہٗ ادا نہ کرتے۔ اور جس قدر ان پر فرض تھا اور اس کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دیتے تو ان کی گرفت ہو جاتی کیونکہ اس زمانے میں دین غالب تھا۔ دین کی بات جلدی سے مان لی جاتی تھی لہٰذا اس وقت اس فریضہ میں کوتاہی کرنا قابل گرفت تھا۔ اس کے بعد شدہ شدہ اسلام کے احکام چھوٹتے گئے اور حق پر عمل کرنے والے کم ہو گئے بلکہ اب تو اہل حق کا مذاق اڑانے والے اور حق سے منہ موڑ کر احکام خداوندی کا استخفاف کرنے والے بکثرت ہو گئے ہیں۔ اور کلمۂ حق کہنے کی فضا نہیں رہی۔ بلکہ بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو فضا موافق نہ ہونے کے باوجود احکام شریعت کے بارے میں روک ٹوک سے کام لیتے ہیں اور دین پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی (فضا کی ناموافقت کی) وجہ سے فریضۂ تبلیغ کا دسواں حصہ ادا کر دینے پر نجات کا وعدہ فرمایا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے سب سے زیادہ (طبعی) محبت کرنے والے وہ لوگ بھی ہوں گے جو میرے بعد آئیں گے وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش مجھے اپنے بال بچوں اور مال کو قربان کر کے دیکھ لیتے (مسلم شریف)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (ایک مرتبہ) قبرستان تشریف لے گئے تو:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَ اِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ

تم پر سلام ہو اے ایمان والے لوگو! اور ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں۔

فرماکر یوں ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کو دیکھ لیتے صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہم آپؐ کے بھائی نہیں ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم میرے صحابی ہو۔ اور ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی (اس دنیا میں) نہیں آئے۔ (مسلم)

"تم میرے صحابی ہو" یعنی میرے مومن بھائی ہوتے ہوئے صحابی بھی ہو۔ اور چونکہ تم میرے زمانہ ہی میں ہو اس لئے تمہارا مومن ہونا اور اسلام پر عمل کرنا کچھ عجیب نہیں، اس لئے مجھے ان بھائیوں کے دیکھنے کی تمنا ہے جو مجھے دیکھے بغیر ایمان لائیں گے جیسا کہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہؓ سے دریافت فرمایا کہ تمہارے نزدیک کون سی مخلوق کا ایمان سب سے زیادہ عجیب ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا فرشتوں کا ایمان، آپؐ نے فرمایا (ان کا ایمان کیا عجیب ہے بھلا وہ کیسے ایمان والے نہ ہوں۔ حالانکہ وہ اپنے رب کے پاس ہی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا تو پھر نبیوں کا ایمان سب سے زیادہ عجیب ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا (ان کا ایمان کیا عجیب ہے) بھلا وہ کیوں کر ایمان والے نہ ہوں حالانکہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا تو پھر ہمارا ایمان سب سے زیادہ عجیب ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ بھلا تم کیسے ایمان والے نہ ہوتے۔ حالانکہ میں تمہارے اندر موجود ہوں پھر آپؐ نے خود ہی بتایا کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ عجیب ایمان ان لوگوں کا ہے جو میرے بعد آئیں گے۔ (اور مجھے دیکھے بغیر ایمان لے آئیں گے) وہ صحیفے دیکھیں گے۔ جن میں کتاب (یعنی قرآن شریف لکھا ہوا ہوگا۔ اس میں جو کچھ ہوگا۔ اس پر ایمان لے آویں گے (بیہقی دلائل النبوہ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ

وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے مجھے دیکھا اور (مجھ پر) ایمان لایا اس کے لئے خوشخبری ہے ایک بار اور خوشخبری ہے اسکے لئے سات بار جس نے مجھے نہیں دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا (احمد)

فائدہ:- ان حدیثوں سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر بعد میں آنے والوں کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ بعد میں آنے والوں کی جو فضیلتیں ارشاد فرمائی ہیں وہ جزئی فضیلتیں ہیں جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی ان فضیلتوں کے سامنے ہیچ ہیں جو دوسری حدیثوں میں وارد ہوئی ہیں ہاں ہم کو اپنی خوش نصیبی پر ناز کرنا چاہیے اور خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ کہ ہم کو فضیلتوں والا بنایا۔

فللہ الحمد علے ذالک

امت محمدیہ میں اہل حق ہمیشہ رہیں گے اور مجدد آتے رہیں گے:

حضرت معٰویہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کا ایک گروہ اللہ کے امر (یعنی دینی چیزوں) پر قائم رہے گا۔ جو اِن کی مدد نہ کرے گا اور جو ان کی مخالفت کرے گا وہ ان کو نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ حتیٰ کہ وہ اللہ کا حکم (یعنی موت) آنے تک اسی حال میں ہوں گے۔ (بخاری ومسلم)

یعنی اس امت میں ہمیشہ حق پر جمنے والے اور خدا کے احکام پر پختگی سے عمل کرنے والے موجود رہیں گے۔ ان میں سے جب کبھی کسی کو موت آئے گی تو اس دینی پختگی کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوگا۔ لوگوں کی موافقت اور مخالفت ان کے لئے یکساں ہوگی۔ بہر حال وہ دین کے پابند رہیں گے جو ان کا ساتھ نہ دے گا ان کو اس کی پرواہ نہ ہوگی۔

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم ہونے تک میری امت کا ایک گروہ (خدا کی طرف سے) مدد

کیا جاتا رہے گا۔ جو ان کی مدد نہ کرے گا ان کو نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا۔ اس کو قائم رکھنے کے لئے قیامت قائم ہونے تک مسلمانوں کی ایک جماعت قتال کرتی رہے گی۔ (مسلم)

اور بیہقی نے کتاب المدخل میں روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر آنے والے دور میں اس علم کے جاننے والے ہوں گے جو غلو کرنے والوں کی تحریفوں سے اور باطل والوں کی دروغ بیانیوں سے اور جاہلوں کی تاویلوں سے اس کو پاک کرتے رہیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے جو ابوداؤد شریف میں ہے کہ بلاشبہ اللہ عزوجل اس امت کے لئے ہر سو سال کے شروع میں ایسا شخص بھیجتا رہے گا جو اس کے لئے اس کے دین کی تجدید کرے گا۔ (مشکوٰۃ)

خدا کا یہ وعدہ ہمیشہ پورا ہوتا رہا ہے اور ہمیشہ پورا ہوتا رہے گا۔ اگر قرون اولیٰ سے لے کر آج تک حق گو اور ثابت قدم جماعت باقی نہ رہی ہوتی تو اہل فتن معتزلہ بدعتی، نبوت کے دعوے دار، حدیث کے منکر اور قرآن کی نئی نئی تفسیریں کرنے والے دین کو بدل کر رکھ دیتے۔ حضرات صوفیا، فقہا، محدثین ہمیشہ رہے ہیں اور رہیں گے۔ والحمد للہ العظیم علی ذٰلک

امتِ محمدیہ کے بعض افراد کو دنیا میں جنت کی خوشخبری مل گئی

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ جنت میں ہوں گے اور عمرؓ جنت میں ہوں گے اور عثمانؓ جنت میں ہوں گے اور علیؓ جنت میں ہوں گے اور طلحہؓ جنت میں ہوں گے اور

زبیر بن عوامؓ جنت میں ہونگے اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف جنت میں گے اور سعدؓ بن ابی وقاص جنت میں ہوں گے۔ اور سعیدؓ بن زید جنت میں ہوں گے۔ اور ابو عبیدہؓ بن الجراح جنت میں ہوں گے۔ (ترمذی)

چونکہ ان حضرات کے بارے میں ایک ہی مجلس میں اور ایک ہی ارشاد میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی خوشخبری دی تھی اس لئے ان کو عشرہ مبشرہ (یعنی دس جنتی) کہا جاتا ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے علاوہ اور کسی صحابیؓ کو جنتی ہونے کی خوش خبری نہیں دی گئی کیونکہ ان کے علاوہ اور بہت سے حضرات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی فرمایا۔ مثلاً حضرت عکاشہؓ بن محصن کو اور حضرت فاطمہؓ اور حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو اور حضرت ابو طلحہ کی بیوی کو اور حضرت عبداللہؓ بن سلام کو اور حضرت ثابتؓ بن قیس وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین وجعلنا من رفقائہم۔

امتِ محمدیہ کے بعض افراد کیلئے جنت کا مشتاق ہونا

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت تین شخصوں کی مشتاق ہے۔ (۱) علی (۲) عمار (۳) سلمان رضی اللہ عنہم (ترمذی)

امتِ محمدیہ کے بعض افراد کے بارے میں اللہ جل شانہ کا خبر بھیجنا کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے چار شخصوں سے محبت کرنے کا حکم فرمایا ہے اور یہ بھی مجھے خبر دی ہے کہ بے شک خدا کو (بھی) ان سے محبت ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ہمیں بتا دیجئے وہ کون کون ہیں تو ارشاد

فرمایا کہ علیؓ ان میں سے ہیں، علیؓ ان میں سے ہیں، علیؓ ان میں سے ہیں اور ابوذرؓ مقدادؓ ہیں اور سلمانؓ ہیں۔ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ ان سے محبت کروں اور مجھے خبر دی ہے کہ بلاشبہ خدا (بھی) ان سے محبت فرماتا ہے (ترمذی)

امت محمدیہ پر آخرت میں عذاب نہیں

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ میری امت مرحومہ ہے اس پر آخرت میں (زیادہ تر) عذاب نہیں ہے اس کا عذاب دنیا میں فتنے اور زلزلے اور قتل ہوتا ہے (ابوداؤد)

مطلب یہ ہے کہ اس امت پر خدا کی خاص رحمت ہے اس کے اعمال پر آخرت میں کم پکڑ ہوگی۔ اکثر لوگوں کی مغفرت اور گناہوں کا کفارہ دنیا ہی میں زلزلوں فتنوں اور قتل کے ذریعے کر دیا جائے گا۔ اور اس امت کے بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو دوزخ میں جائیں گے۔

تنبیہ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ امت محمدیہ کے کسی فرد کو آخرت میں عذاب نہ ہوگا۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری شفاعت سے میری امت کے بہت سے لوگ دوزخ سے نکلیں گے جن کو جہنمی کہا جائے گا۔ (مشکوٰۃ)

فکر و اعتبار

گذشتہ اوراق میں جس قدر آیات و احادیث درج کی گئی ہیں۔ ان سے خوب واضح اور مفصل طریقے پر امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ و تحیۃ کی فضیلت معلوم ہوئی۔ دنیا میں بھی یہ امت افضل و بہتر ہے اور آخرت

یں بھی سب سے افضل رہے گی۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود نصیب ہوگا۔ اور اولین و آخرین خیر الامم کے مشفق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے باعث روزِ محشر کی مصیبت سے نجات پائیں گے۔ امت محمدیہ دوسروں کے مقابلے یں گواہی دے گی۔ اور سب سے زیادہ امت محمدیہ ہی ہوگی۔ قیامت کے روز تمام اولین و آخرین کے درمیان امت محمدیہ پہچان لی جائے گی۔ کیونکہ وضو کرنے کے باعث ان کے چہرے اور ہاتھ پاؤں نورانی ہوں گے۔

یہ جو کچھ فضیلتیں قرآن وحدیث میں مذکور ہیں امت کے ہر شخص کے لئے نہیں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ مجموعی حیثیت سے اس امت کو حاصل ہوں گی۔ گو بداعمالیوں کی وجہ سے بعض لوگ دوزخ یں بھی جائیں گے اور عذاب بھگتیں گے۔ یہ بات میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اس کتاب کو پڑھ کر نیک اعمال یں سستی نہ کرنے لگیں۔ اور برائیوں کی طرف نہ بڑھنے لگیں۔ کیونکہ یہ عمل کے لئے سب جگہ پریشانی ہے جب خداوند قدوس نے ہم کو اتنی فضیلت دی اور تھوڑے سے تھوڑے عمل پر بہت کچھ عنایت فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے تو اس کے شکریہ میں نیک اعمال اور زیادہ سے زیادہ کرنے چاہئیں نہ یہ کہ اعمال صالحہ کرنے سے بیٹھ رہیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق سے افضل و برتر ہیں۔ مگر پھر بھی راتوں کو اتنی نماز پڑھتے تھے کہ آپ کے مبارک قدموں پر ورم آجاتا تھا، عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ (یعنی اتنی مشقت کیوں برداشت فرماتے ہیں حالانکہ خدا نے آپ کے اگلے[1] پچھلے سب گناہ[2] بخش

---

[1] جیساکہ سورۃ فتح میں ارشاد ہے لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ

[2] گناہ بخش دینے کا مطلب گناہوں سے محفوظ رکھنا ہے۔

تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

اَفَلاَ اَکُوْنُ عَبْداً شَکُوْراً تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں (بخاری و مسلم)

معلوم ہوا کہ فضیلت ملنے کے شکریہ میں زیادہ سے زیادہ خدا کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے اور نمک حلال بندوں کا شیوہ یہی ہے کہ انعام پاکر مزید انعام کا کام کریں اور آقا کے حکم سے غداری نہ کریں۔

سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تو امتِ محمدیہ پر شفقت فرماتے ہوئے ۵۰ سے ۵ نمازیں کرا دیں مگر امت محمدیہ ان پانچ کو بھی ضائع کرتی رہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام امتِ محمدیہ کو سلام بھیج کر یہ نصیحت فرمائیں کہ اپنے لئے دنیا میں ہی جنت کا باغ آباد کر کے لائیں اور سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ کا ورد رکھ کر جنت میں پودے لگاتے رہیں۔ مگر ہم ناکارے اللہ کے ذکر سے غفلت کر کے دنیاوی قصوں میں ہی پھنسے رہیں۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تو رات بھر امت کی مغفرت کی دعا مانگیں اور رو کر امت کو بخشوانے کی کوشش کریں مگر ہم نالائق اور ناقدرے گناہوں میں ملوث رہیں اور گناہ کرنے سے فرصت ہی نہ ہو۔ یہ ایمان والوں کے لئے سخت بے شرمی اور انتہائی بے غیرتی کی باتیں ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو ہماری یہ تعریف فرمائیں کہ ان کی زبانیں لاالٰہ الا اللہ سے مانوس ہیں مگر ہماری زبانیں گالیوں اور فحش گوئی سے مانوس ہوں۔ اور توریت میں ہماری یہ تعریف ہو کہ خوشی میں اور مصیبت میں اللہ کی حمد کرنے والے ہوں گے مگر ہمارا یہ حال ہو کہ خوشی میں اللہ سے غافل ہو جائیں اور مصیبت میں اللہ پر اعتراض کریں۔ توریت میں لکھا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت آدھی پنڈلی پر اپنا تہبند باندھے گی۔ اور اوقات نماز پہچاننے کے لئے سورج کی نگرانی کرتے ہوں گے۔ مگر امت محمدیہ کا تہبند اور پاتجامہ ٹخنوں سے بھی نیچا رہتا ہو۔ اور نماز کا وقت

ہو جانے اور اذان سننے پر بھی ٹس سے مس نہ ہوتے ہوں تو یہ بڑی افسوسناک بات ہے۔ اللہ رب العزت نے امت محمدیہ کو "خیر امۃ" کا خطاب دیا اور خیر امت ہونے کی وجہ یہ بتائی کہ وہ دوسروں کے منافع کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ نیکیوں کی راہ بتاتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ مگر امت کا یہ حال ہے کہ دوسروں کو کیا راہ راست پر لاتی خود ہی اسلامی احکام سے دور ہے اور اس کا حال دیکھ کر غیر مسلم یہ سمجھنے لگے ہیں کہ جیسے یہ ہیں ایسے ہی اسلام نے تعلیم دی ہوگی۔ ہم میں اور ان میں کچھ فرق نہیں ہے تو ہم اسلام قبول کر کے کیا کریں گے جیسے اب ہیں ویسے ہی جب ہوں گے تو گویا "مسلمان" اسلام کی طرف بلانے والے نہ ہوئے بلکہ اسلام سے متنفر کرنے والے بن گئے اور اپنا تمغۂ امتیاز (یعنی فریضۂ تبلیغ) چھوڑ بیٹھے اور تبلیغ اسلام کرنے کی بجائے اسلام سے نفرت دلانے والے بن گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہم اپنی آنکھوں سے اپنے ماتحتوں، عزیزوں اور رشتہ داروں اور دوست و احباب کو اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے اور فواحش و منکرات میں لگے ہوئے دیکھتے ہیں مگر ہمارے دل پر ذرا اثر نہیں، ماتھے پر ذرا شکن نہیں پڑتی۔ ان کو اللہ کی نافرمانی سے روکنے کے لئے ذرا زبان نہیں ہلتی بلکہ منع کرنے کے بجائے خود کرنے میں ان کے معین و مددگار بنتے ہیں اور ان سے خوب میل جول رکھتے ہیں جس سے ان کو گناہ کا احساس تک نہیں ہوتا۔

ہمیں چاہیئے کہ اپنی حالت کو بدلیں اور فریضۂ تبلیغ کو پوری طرح انجام دیں اور نیک اعمال میں مشغول رہیں تاکہ ہم اللہ کے نزدیک بہتر ہی رہیں۔ اور "خیر امت" کے مقدس خطاب کے اہل ہی رہیں۔

وھذا اٰخر الکلام بفضل الملک العلام والصلوٰۃ

والسلام علیٰ سیدنا وسندنا محمد وآلہ وصحبہ البررۃ
الکرام وعلیٰ من اتبعھم باحسان الی یوم القیام

محتاج رحمت نامتناہی
محمد عاشق الٰہی
عفا اللہ عنہ وعافاہ

وصایا و ہدایات از حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مرحوم و مغفور قدس اللہ سرہٗ

(۱) حضرت مدنی ؒ کے ہاں مختلف مجالس میں اتفاق ہم نشینی وصحبت کا حاصل ہوا جو چیز دیکھنے میں آئی اور زبانی بھی حضرتؒ نے اپنے مریدین ومتوسلین کو جس چیز کی طرف توجہ دلائی وہ اتباع سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا خصوصاً داڑھی کے متعلق حضرتؒ بڑی ہی تاکید فرماتے تھے۔ آخر عمر میں تو اس طرف بہت ہی زور دیتے تھے۔

(۲) ایک خصوصی وصیت حضرت کی یہ بھی ہے کہ آپ نے ترک مجادلت کی بڑی تاکید کی تھی فرمایا تھا کہ جھگڑا نہ کرنا۔ آج کل ہمارے معاشرے میں فروعی مسائل مثلاً انگوٹھا چومنا، آمین بالجہر وغیرہ پر بے حد نزاع ہو رہے ہیں اور ان نزاعات سے بے انتہا مفاسد پیدا ہو رہے ہیں ایسے جھگڑوں سے بچنا لازم ہے۔

(۳) تبلیغ اور تبلیغی جماعت کے متعلق حضرتؒ کا ارشاد گرامی (جو متعدد ہدایات کا جامع ہے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام کا ارشاد گرامی

معلوم ہوا ہے کہ جب تبلیغ کی حمایت و مخالفت کے اشتہارات حضرت شیخ الاسلامؒ کی خدمت میں پیش کر کے رائے دریافت کی گئی تو آپ نے مندرجہ ذیل گراں قدر رائے کا اظہار فرمایا۔ اہل مدارس کی مختلف تحریریں اور پوسٹر دربارہ حمایت تبلیغ و مخالفت ان دنوں نظر سے گزریں جن میں حد اعتدال اور توسط سے تجاوز کرتے ہوئے افراط و غلو سے کام لیا گیا ہے تبلیغ دین اور تعلیم دینی ہر دو امور ضروریاتِ دین اور فرائض اسلامیہ سے ہیں ان کے کارکنوں کو ہمیشہ حدود شرعیہ کے اندر کام انجام دینا چاہیئے۔ کوئی کام خواہ کتنا ہی اہم اور ضروری کیوں نہ ہو اگر حدود شرعیہ سے بالاتر ہو کر عمل میں لایا جائے گا تو ضرور بالضرور اس میں خرابیاں اور مفسد پیدا ہوں گے۔ اس لیے میں ہر دو فریق سے نہایت ادب اور محبت سے التماس کرتا ہوں کہ وہ اعتدال اور توسط کو اختیار فرمائیں اور بے جا الزامات تراشیوں اور بے اعتدالیوں سے درگذر فرما کر اپنے اپنے فرائض و واجبات میں منہمک ہو جائیں۔

زمانۂ سعادت (صحابۂ کرامؓ) سے لے کر آج تک ہمیشہ کارکن اشخاص اور جماعتوں سے غلطیاں ہوتی رہی ہیں مگر ان غلطیوں کی وجہ سے وہ ضروری چیزیں ممنوع نہیں قرار دی گئیں بلکہ اصلاح کی گئی اور ان غلطیوں کو چھانٹ دیا گیا اہل تبلیغ بھی ہماری طرح انسان ہیں ان میں ناتجربہ کار اور نو آموز افراط و تفریط کرنے والے اشخاص بھی ہیں ان کی کسی کوتاہی پر نفس تبلیغ پر نکیر کرنا غلطی سے خالی نہ ہوگا اور یہی حال تعلیم کا بھی ہے اس لئے میں تمام بھائیوں سے امیدوار ہوں کہ ہر ایک دوسرے کی عزت افزائی کی کوشش کرے اور گندگی اچھال کر مسلمانوں میں مزید تفریق پیدا نہ ہونے دے۔ واللّٰہ یھدی السبیل وھو المستعان

شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی حسین احمد غفرلہ (منقول از اخبار "روشنی" بنگلور مورخہ ۸ مارچ ۱۹۵۷ء)

حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کی چند وصیتیں اور مشورے

(۱) میں اپنے دوستوں کو خصوصاً اور سب مسلمانوں کو عموماً بہت تاکید کے ساتھ کہتا ہوں کہ علم دین کا خود سیکھنا اور اولاد کو تعلیم کرانا ہر شخص پر فرض عین ہے خواہ بذریعہ کتاب ہو یا بذریعہ صحبت۔ بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ فتن دینیہ سے حفاظت ہو سکے جن کی آج کل بے حد کثرت ہے اس میں ہرگز غفلت و کوتاہی نہ کریں (۲) شہوت و غضب کے مقتضا پر عمل نہ کریں (۳) تعجیل نہایت بری چیز ہے (۴) بے مشورہ کوئی کام نہ کریں (۵) غیبت قطعاً چھوڑ دیں (۶) بدون پوری رغبت کے کھانا ہرگز نہ کھائیں (۷) بدون سخت تقاضے کے ہم بستر نہ ہوں (۸) بدون سخت حاجت کے قرض نہ لیں (۹) فضول خرچی کے پاس نہ جائیں (۱۰) غیر ضروری سامان جمع نہ کریں (۱۱) سخت مزاجی و تند خوئی کی عادت نہ کریں۔ رفق اور ضبط و تحمل کو اپنا شعار بنا دیں (۱۲) زیادہ تکلف سے بہت بچیں، اقوال و افعال میں بھی طعام و لباس میں بھی (۱۳) معاملات کی صفائی کو دینیات سے بھی زیادہ مہتم بالشان سمجھیں (۱۴) کسی کے دنیوی معاملے میں دخل نہ دیں (۱۵) خاتمہ بالخیر ہونے کو تمام نعمتوں سے افضل و اکمل اعتقاد رکھیں۔ اور ہمیشہ خصوصاً بعد پانچوں نمازوں کے نہایت لجاجت و تضرع سے اس کی دعا کیا کریں اور ایمان حاصل ہونے پر شکر کیا کریں۔ کہ حسب وعدہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ یہ بھی اعظم اسباب ختم بالخیر سے ہے۔

(ملخص از مطبوعہ اشتہار رسالہ الابقاء کراچی)

21/10/99
11/7/1420ھ
THU. 9:25 P.M

سلفِ صالحین کے اخلاقِ حسنہ پر رُوح پرور مقالات کا مجموعہ

احوال الصادقین

ریحان

ترجمہ؛ تنبیہ المغترین

تالیف : علامہ عبدالوہاب شعرانی

ترجمہ : مولانا حبیب احمد کیرانوی

زیرِ نگرانی : مولانا اشرف علی تھانوی

سفید اعلیٰ کاغذ ، عمدہ جلد : قیمت : = /۶۰ روپے

ناشر؛

کتب خانہ مجیدیہ ملتان

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شخصیت و کردار

تالیف **حکیم محمود احمد**

جس میں داماد رسولؐ، امام مظلوم اور خلیفہ راشد سیدنا عثمان ذوالنورین کے بارے میں مختلف عنوانات مثلاً دامادی رسولؐ، سفارت رسولؐ، نیابت رسول، خلافت رسول اور ان کی زندگی کے دوسرے گوشوں پر قرآن و سنت اور تاریخ کی معتبر کتابوں اور ثقہ روایات کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اور موجودہ زمانے کے بعض نام نہاد مفکرین اور دشمنان صحابہ کے اعتراضات کے مدلل اور شافی جوابات دیئے گئے ہیں۔ سفید اعلیٰ کاغذ مجلد ڈائی دار جلد قیمت ۱۲۵ روپے

سیدنا علی رضی اللہ عنہ شخصیت اور کردار

تالیف **حکیم محمود احمد**

یہ کتاب سیدنا علیؓ کی شخصیت اور کردار کے بارے میں لکھی گئی ہے۔ سیدنا علیؓ کی شخصیت کو ایک گروہ نے متنازع بنا دیا۔ حالانکہ وہ متنازع نہ تھی۔ پھر انہی لوگوں نے آپ کے کردار کو لوگوں کے سامنے اس طرح پیش کیا کہ ایک طرف وہ بالکل بے بس نظر آنے لگے اور دوسری طرف ان کو فوق البشر سمجھا جانے لگا۔

سفید اعلیٰ کاغذ مجلد رنگین قیمت/ ۱۵۰ روپے

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شخصیت اور کردار

تالیف **حکیم محمود احمد**

اس کتاب میں سیدنا معاویہ کی شخصیت اور کردار کے بارے میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور سینکڑوں کتابوں کے سینکڑوں حوالجات سے دلائل ساطعہ اور براہین قاطعہ سے سیدنا معاویہؓ کی شخصیت کے طول و عرض کو واضح کیا گیا ہے۔ جس سے وہ شکوک و شبہات اذہان سے خود بخود رفع ہو جاتے ہیں، جن کو مدتوں کے پروپیگنڈہ سے ذہنوں میں پیوست کیا گیا ہے۔ اور سیدنا معاویہ کا کردار نکھر کر سامنے آجاتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ اس صحابی رسول، مدبر اسلام اور نابغہ روزگار نے اسلام اور اہل اسلام کی وہ خدمات جلیلہ سرانجام دیں جس سے امت آج تک ان کی زیر بار احسان ہے۔

مکمل ۲ جلد، قیمت ۱۵۰ روپے